اصلاحِ فکر و اعتقاد

تالیف

سید محمد علوی مالکی حسنی

ترجمہ

یٰسٓ اختر مصباحی

فرید بک سٹال لاہور

مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کی پُرنور فضاؤں سے اُبھرنے والی ایمان افروز

صدائے حق وانصاف

اصلاحِ فکر و اِعتقاد

عبد

تالیف

سید محمد علوی مالکی مکی حسنی

ترجمہ

یٰس اختر مصباحی

=== بانیِ ادارہ ===

جناب محترم سید اعجاز احمد رحمہ اللہ تعالے

متوفی ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ / ۵ ستمبر ۱۹۹۸ء

نام کتاب	:	اِصلاحِ فکر و اعتقاد
تصنیف	:	سید محمد علوی مالکی مکی حسنی
مترجم	:	یٰسین اختر مصباحی
تحریک	:	علامہ محمد شرف قادری نقشبندی
تاریخ اشاعت	:	مئی ۱۹۹۹ء
مطبع	:	رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور
ہدیہ	:	۹۶ روپے

فہرستِ کتاب

تقدیم وتقریظ وتصدیق

پہلا باب: مباحثِ عقیدہ

دورِ حاضر کے میاں تکفیر وتضلیل کے نقائص ومفاسد

دوسرا باب :۔ مباحثِ نبویہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص، حقیقتِ نبویہ، حقیقتِ بشریت
اور حقیقتِ حیاتِ برزخ کا بیان

تیسرا باب: مباحثِ مختلفہ

زیارتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی مشروعیت، نیز آپ کے آثار و مشاہد و منسوبات کی زیارت کا جواز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب مترجم

اُن فیروز بخت اور سعادت مند انسانوں کے نام

جو

- اطاعتِ الٰہی و اتباعِ نبوی کو زادِ ایمان و حرزِ جان بنا چکے ہیں
- تعظیمِ انبیاء و مرسلین، احترامِ صحابہ و تابعین، اور عقیدتِ اولیاء و صالحین کے داعی و امین ہیں
- اسلافِ کرام کی عظمتوں کے وارث اور ان کی تعلیمات کے شارح و ترجمان ہیں
- سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت کے جادۂ حق و صراطِ مستقیم پہ گامزن و رواں دواں ہیں
- تند و تیز طوفان میں بھی قندیلِ رشد و ہدایت بن کر شب و روز فروزاں ہیں

جن کے

- ذکر و فکر، بحث و نظر اور تلاش و جستجو کا مرکز و محور رسولِ گرامی کی ذاتِ بابرکات ہے
- سینے سوزشِ عشقِ مصطفےٰ میں آتشِ مجمر کی طرح سلگ رہے ہیں

جن کی

- تگ و دو کا ماحصل رضائے رب الوریٰ اور رضائے مصطفےٰ کی طلب ہے
- زندگی کا لمحہ لمحہ شمعِ عشقِ مصطفےٰ میں پگھل کر اپنی دیوانگی کو بقائے دوام بخش رہا ہے
- جلوت و خلوت اور رفتار و گفتار سنتِ مصطفےٰ کی عملی تصویر ہے

○○○

بمنزل کوش مانندِ مہِ نو ... دریں نیلی فضا ہر دم فزوں شو

مقامِ خویش گر خواہی دریں دیر ... بحق دل بند و راہِ مصطفےٰ رو

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

وگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

یٰسٓ اختر مصباحی بانی ... ۱۱ر رمضان ۱۴۱۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تہدیۂ مترجم

سوادِ اعظم اہلِ سنّت وجماعت کے قافلہ سالار

حضرت داتا گنج بخش ہجویری۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی۔ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی۔ حضرت مخدوم علاء الدین صابر کلیری۔ محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء۔ امیر کبیر سید علی ہمدانی۔ حضرت مخدوم سید جہانگیر اشرف سمنانی۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ بحر العلوم علامہ عبد العلی فرنگی محلی لکھنوی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی۔ حضرت شاہ غلام علی دہلوی۔ علامہ فضل حق خیرآبادی۔ علامہ عبدالحلیم فرنگی محلی لکھنوی۔ علامہ فضل رسول بدایونی۔ سید شاہ آل رسول برکاتی مارہروی۔ مفتی ارشاد حسین رام پوری۔ شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی۔ مولانا غلام دستگیر قصوری لاہوری۔ مولانا عبدالقادر بدایونی۔ مولانا خیر الدین دہلوی۔ امام احمد رضا حنفی قادری برکاتی وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

کی بارگاہ میں

جنھوں نے برصغیر متحدہ ہندوستان کے طول وعرض میں اپنی دینی وعلمی اور روحانی واخلاقی خدمات کے نقوش ثبت کئے۔ دعوتِ حکمت وموعظتِ حسنہ کے ذریعہ اس کے چپہ چپہ پر اسلام کی عظمت وصداقت کے پرچم نصب کئے۔ اور قلوب واذہان کی تسخیر وتطہیر کر کے اس کی وادی وکہسار کو فردوس بداماں بنا دیا۔

ان کا سایہ اک تجلی ان کا نقشِ پا چراغ
وہ جدھر گزرے اُدھر ہی روشنی ہوتی گئی

نیاز کیش: یٰسٓ اختر مصباحی

۱۷ رمضان ۱۴۱۵ھ

پیغامِ حجاز

یٰسٓ اختر مصباحی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للمتوحد بجلالہ المتفرد

و صلوٰتہ دوما علیٰ خیر الانام محمد

یہ گنبدِ نیلگوں اور فرشِ گیتی، یہ آفتاب و ماہتاب اور نجوم و کواکب، یہ اشجار و احجار اور جبال و بحار، یہ صحرا و بیابان اور بلاد و امصار، یہ آبادی و ویرانہ اور سلسلۂ حیات و ممات، خود یہ انسان اور اس کے بے شمار محیرّ العقول کارنامے، بلکہ وجودِ کائنات سے لے کر عصرِ حاضر تک کی جملہ مخلوقات و موجودات و مصنوعات، اپنی زبانِ حال و مقال سے اس حقیقت کا برملا اعتراف و اعلان کرتی چلی آرہی ہیں کہ ہماری تخلیق، ہمارا وجود، ہماری صنعت، اور ان سب کا حسنِ نظم و ارتباط، کسی حادثہ کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ ہمیں مشیتِ کردگار نے خلعتِ وجود سے سرفراز فرمایا ہے۔ اور اسے ہی ہم اپنا خالق و موجد و صانع و منتظم سمجھتے ہیں۔ جس کی نہ کوئی ابتدا ہے نہ انتہا، جو زمان و مکان کی حدوں سے ماورا اور بے کراں قدرت و بے پناہ طاقت کا مالک ہے۔ جو ہر نقص و عیب و جسم و جسمانیات سے پاک و منزہ ہے۔ اپنی ذات و صفات میں جس کا کوئی شریک و سہیم نہیں۔ زندگی اور موت اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اور اسے کبھی فنا و زوال نہیں۔ اس کے سب محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اور یکہ و تنہا وہی ذات واجب الوجود ہے جو خالق و رازق و مدبّر و منتظمِ شش جہات ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (سورۂ اخلاص)

تم فرماؤ وہ اللہ ہے ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے نہ وہ کسی سے پیدا ہوا

اور اس کے برابر کا کوئی نہیں۔

ہر گیاہے کہ از زمیں روید وحدہٗ لاشریک می گوید

انسان: جو شہکار قدرت بھی ہے اور اشرف المخلوقات بھی ہے۔ اسے مہد سے لحد تک انسانیت کی بیش بہا نعمت کے ساتھ اعلیٰ اخلاقی و معاشرتی اقدار و روایات اور خلافتِ ارضی کی گراں قدر امانت و وراثت سے نواز کر رب کائنات نے گردش لیل و نہار کو اس کے لئے مسخر اور آغوشِ زمین و وسعتِ افلاک کو اس کی جولان گاہِ عمل بنا دیا۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ۔ (سورۂ جاثیہ - ١٣)

اور اس نے زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اسے اپنے حکم سے تمہارے لئے مسخر کیا۔

اور یہ بھی اسی کا ارشاد ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ۔ (سورۂ ابراہیم - ٣٣)

اور تمہارے لئے چاند سورج مسخر کئے جو برابر چل رہے ہیں۔ اور تمہارے لئے دن اور رات کو مسخر کیا۔

یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ وہ اس کے عطا کردہ قلب صالح، علم نافع، اور فکر سلیم کے صحیح استعمال سے جہاں ابنائے جنس کی خدمت کر سکے وہیں اپنے خالق و مالک کے حضور سر بسجود بھی ہوتا رہے۔ جو سجدہ اس کا مقصد تخلیق بھی ہے اور منتہائے عمل بھی ہے۔ اس کی سعادتِ بندگی بھی یہی ہے اور اس کے لئے فلاح و نجاتِ دنیوی و اخروی کی ضمانت بھی اسی میں مضمر ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ۔ (الذاریٰت - ٥٦)

اور میں نے جن و انس اپنے ہی لئے بنائے کہ وہ میری عبادت کریں۔

گردشِ روز و شب سے گزرتے ہوئے اس کاروانِ انسانیت کو اس کی منزل مقصود تک بحفاظت و سلامتی پہنچانے کے لئے منتخب و برگزیدہ بندگانِ خدا میں سے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم تاریخ عالم کے مختلف ادوار و عہود میں مبعوث کئے گئے جنہوں نے تدابیرِ تبشیر و انذار و دعوتِ حکمت و موعظتِ حسنہ کے ساتھ اپنا فریضۂ تبلیغ ادا کیا۔ ان پیغمبرانِ برحق کے لئے صحائف و کتبِ سماویہ مشعلِ راہ اور فانوسِ ہدایت بنیں اور توفیق ایزدی نے

انہیں ہر گام پہ سہارا دیا۔

رشد و ہدایت کے ان قافلہ سالاروں کی تشریف آوری کا یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک چلتا رہا اور اکنافِ عالم میں ان کی نورانی شعاعیں بکھرتی رہیں۔ تا آنکہ وہ رسول محتشم و نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم اس خاکدانِ عالم کی رونق اور زیب و زینت بن کر جلوہ افروز ہوئے جو دعائے ابراہیم خلیل اللہ بھی ہیں اور نوید عیسیٰ روح اللہ بھی ہیں۔ جن کی بعثت با برکت کا انتظار ان سبھی پیغمبروں نے کیا جن سے آپ پر ایمان لانے کا عہد و میثاق اس دنیا میں آمد سے نہ جانے کتنے ہزار سال پہلے لیا جا چکا تھا۔

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ۔ (آل عمران ـ ۸۱)

اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا کہ جب تمہیں میں کتاب اور حکمت دوں۔ پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کرے تو تم ضرور ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔

جو جامع کمالاتِ انبیاء و مرسلین ہی نہیں بلکہ فخر رسولاں و خاتم پیغمبراں بن کر اس سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی بن گئے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ۔ (الاحزاب ـ ۴۰)

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ ہاں وہ اللہ کے رسول اور سب سے آخر میں آنے والے نبی ہیں

آتے رہے انبیاء کما قیل لھم	والخاتم حقکم کہ خاتم ہوئے تم
یعنی جو ہوا دفتر تنزیل تمام	آخر میں ہوئی مہر کہ اکملت لکم

زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک بشریعتیں منسوخ اور ملتیں معدوم ہوتی رہیں۔ لیکن دین اسلام ایک ہی رہا۔ اور اسی دین واحد کی دعوت سارے انبیاء و مرسلین نے دی جو عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے درجۂ تمام و کمال کو پہنچ گیا اور اسلام کی اس ابدی حقیقت کا اس طرح اعلان کر دیا گیا کہ:

وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۔ (آل عمران ـ ۸۵)

اور جو اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین چاہے گا اس سے وہ دین ہرگز نہیں قبول کیا جائے گا۔

اور قرآن حکیم جو اللہ کی جانب سے جبریل امین کے ذریعہ پیغمبر اسلام خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا جس کے ساتھ ہی سلسلہ صحف سماویہ اختتام پذیر ہوگیا۔ اس کتاب مبین کو قیامت تک پیدا ہونے والے سارے بنی نوع انسان کے لئے دستور حیات و نظام عمل اور لے ہی ہر طرح کی ہدایت و رہنمائی کا آخری پاکیزہ و ہمہ گیر صحیفہ فطرت بھی قرار دیا گیا۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ ۔ (اسراء - ۹)

بے شک یہ قرآن سب سے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔

یہ قرآن ھدیً للناس بھی ہے اور ھدیً للمتقین بھی ہے۔ اور چشم بصیرت سے مطالعہ کیا جائے تو انفس و آفاق اور ہر شعبۂ حیات کے حقائق و معارف اور رہنما اصول و مبادی بھی اس کے دامن میں موجود نظر آئیں گے۔

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۔ (انعام - ۵۹)

اور نہیں ہے کوئی خشک و تر مگر روشن کتاب میں مرقوم ہے۔

اسی منبع علم و حکمت و سرچشمۂ خیر و برکت سے انسانی روحیں قیامت تک فیض یاب و سیراب ہوتی رہیں گی۔ جس کی مکمل حفاظت و صیانت خود رب کائنات نے اپنے ذمۂ کرم پر رکھی ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۔ (الحجر - ۹)

ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

اسلام کی تفسیر ہے قرآنِ مقدس — انسان کی تقدیر ہے قرآنِ مقدس
فیضانِ کرم قلب محمد پہ ہے جاری — اللہ کی تنویر ہے قرآنِ مقدس
اس صفحۂ گیتی پہ ہدایت کا صحیفہ — یا حسن کی تصویر ہے قرآنِ مقدس
ہے نقش نشانِ منزل مقصود کا جس پہ — اختر وہی تحریر ہے قرآنِ مقدس

○○

عبد اللہ بن عبد المطلب کے نورِ نظر، آمنہ بنت وہب کے لختِ جگر، عالم وجود کے محسن اعظم، فلک رسالت کے نیر اعظم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت و بعثت مبارکہ اس دنیا کے

رنگ و بو و جہانِ ہست و بود کے اندر رب کریم کی سب سے بڑی نعمت اور اس کی تخلیق و ایجاد کا شہکار نمونہ ہے۔ جس کے ظہور کے ساتھ ہی کفر و شرک اور ظلم و طغیان کی بدلیاں چھٹنے لگیں۔ تاریکیاں کافور ہونے لگیں۔ صبحِ نو کی شعاعیں بکھرنے لگیں اور تیرہ و تار ماحول میں ہر طرف رحمتوں کا سویرا ہو گیا۔

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند	اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام
جس کے گھیرے میں ہیں انبیاء و ملک	اس جہاں گیر بعثت پہ لاکھوں سلام
اصلِ ہر بود و بہبود تخمِ وجود	قاسم کنز نعمت پہ لاکھوں سلام
عرش کی زیب و زینت پہ عرشی درود	فرش کی طیب و نزہت پہ لاکھوں سلام

غارِ حرا سے نکل کر کوہِ فاراں پر طلوع ہونے والے خورشید رسالت کی کرنیں انسانی قلوب و اذہان کو جگمگاتی رہیں۔ قافلہ اسلام مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ کی آبادیوں میں انسانی زندگی کی حقیقی مسرتیں بکھیرتا ہوا، وادیوں کو سرسبز و شاداب کرتا ہوا، پہاڑیوں پر عظمتِ حق کے پرچم نصب کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ گلی کوچے اسلام کی مقدس و پاکیزہ تعلیمات سے معطر ہو گئے۔ دشت و جبل نغمہ توحید سے گونج اٹھے اور بحر و بر میں نور ایمان کی تابانیاں پھیل گئیں۔

سالارِ عرب و عجم نبی اکرم رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم ناز نے جس ویرانہ کو پامال کر دیا وہ گل و گلزار بن گیا۔ ان کے نقوش پا نے جادۂ زیست کو روشن و منور بنا دیا۔ اور ہمائے بشریت نے اسی رہگزر اور وادی بطحا کی فضا میں پرواز کرنا شروع کر دیا۔ لبہائے رسالت سے جو الفاظ نکلے وہ دستور حیات اور باغ ہستی کے سدا بہار پھول بن گئے۔ نگاہِ نبوت جس سمت اٹھی، دلوں کی بزم مردہ کلیاں کھل اٹھیں، نور ہی نور پھیل گیا۔ اور مہر و ماہ بھی اپنے دامن پھیلا کر اس کی خیرات لینے دوڑ پڑے۔

نور کی خیرات لینے دوڑتے ہیں مہر و ماہ — اٹھتی ہے کس شان سے گرد سواری واہ واہ

صحابہ کرام کی سعادت مند روحوں نے آمد فصل بہاراں کا والہانہ استقبال کیا۔ اپنے دیدہ و دل فرش راہ کئے۔ اور آغوش اسلام میں آکر یہی نفوس قدسیہ قیامت تک کے اہل ایمان کے لئے اسوہ و قدوہ قرار پا گئے۔

انہیں جاں نثارانِ نبوت و عاشقانِ رسالت اور نجوم فلکِ ہدایت کے اوصاف جمیلہ و

خصائل حمیدہ کا ذکر کرتے ہوئے قرآن حکیم ارشاد فرماتا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا۔ (الفتح - ۲۹)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت اور آپس میں نرم دل ہیں۔ تم انہیں دیکھو گے رکوع و سجدہ میں گرتے ہوئے اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی چاہتے ہوئے۔

شیخ علاء الدین علی بن محمد بغدادی (ولادت ۶۷۸ھ - وفات ۷۲۵ھ) نے آیت مذکورہ بالا کے بارے میں ایک نفیس تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

والذین معہ سے مراد ابوبکر صدیق۔ اشداء علی الکفار سے مراد عمر فاروق۔ رحماء بینھم سے مراد عثمان غنی۔ تراھم رکعا سجدا سے مراد علی مرتضیٰ۔ اور یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا سے مراد بقیہ تمام صحابہ کرام ہیں۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

(تفسیر خازن جلد ٤)

اسی حزب اللہ کے بارے میں ایک دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (مجادلہ - ۲۲)

اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔ یہی اللہ کے گروہ والے ہیں۔ آگاہ رہو کہ اللہ کا گروہ ہی کامیاب ہے۔

اور رسول کونین سلطان دارین صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

ان اللہ اختار اصحابی علی الثقلین سوی النبیین والمرسلین۔ (الحدیث)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاء و مرسلین کے علاوہ سارے جن وانس پر میرے صحابہ کو فضیلت و برتری عطا فرمائی ہے۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

فو الذی نفسی بیدہ لو ان احدکم ینفق مثل احد ذھبا ما ادرک مد احدھم ولا نصیفہ۔ (صحیح مسلم جلد ۲)

اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ تم میں کا کوئی شخص اگر کوہ اُحد کے برابر سونا خرچ کرے تو کسی صحابی کے مد (تقریباً سیر بھر وزن) یا اس سے نصف سونا خرچ کرنے کے برابر بھی نہیں پہنچ سکے گا۔

اور درجۂ صحابیت پر فائز ہونے کا اعزاز یہ ہے کہ

لا تمس النار مسلما رأنی او رأی من رانی۔ (ترمذی جلد ۲)

اس مسلمان کو آتش جہنم نہیں چھوئے گی جس نے میرا یا میرے کسی صحابی کا دیدار کرلیا۔

جاں نثارانِ بدر و اُحد پر درود	حق گزارانِ بیعت پہ لاکھوں سلام
وہ دسوں جن کو جنت کا مژدہ ملا	اس مبارک جماعت پہ لاکھوں سلام
مومنیں پیشِ فتح و پسِ فتح سب	اہلِ خیر و عدالت پہ لاکھوں سلام
جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر	اس نظر کی بصارت پہ لاکھوں سلام

رب کائنات نے اپنے سب سے برگزیدہ نبی و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے امر و نہی کی تعمیل کو واجب الاطاعت قرار دے کر اس سے انحراف کو مستوجب توبیخ و تعزیر بنادیا ہے۔

وَمَا آتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ۔ (الحشر۔ ۷)

رسول تمہیں جو دیں وہ لو اور جس سے منع کریں اس سے باز آجاؤ۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔

اطاعتِ رسول کو اس نے اپنی اطاعت قرار دیتے ہوئے فرمایا۔

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ۔ (نساء۔ ۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

اور اتباع رسول کے بعد ہی کسی کو محبتِ الٰہی کی لذت و چاشنی مل سکتی ہے۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔ (آل عمران۔ ۳۱)

اے رسول! تم فرمادو کہ اگر اللہ سے محبت رکھنے کا تمہیں دعویٰ ہے تو میری اتباع کرو۔ اللہ تمہیں محبوب بنائے گا۔

ہر حال میں محمد عربی نبی ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کو مرجع اتباع و مرکزِ اطاعت و نمونہ کامل بنانے کا حکم دیتے ہوئے اس نے ارشاد فرمایا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (الاحزاب - ۲۱)

بے شک اللہ کے رسول ہی تمہارے لئے بہترنمونہ ہیں۔

خود رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

- فان خير الحديث كتاب الله وخير الهدى هدى محمد وشر الامور محدثاتها وكل بدعة[1] ضلالة ۔ (صحیح مسلم)

سب سے بہتر کلام کتاب اللہ اور سب سے بہتر راہ جادۂ محمدی ہے۔ اور بدتر چیز وہ ہے جو نئی ہو اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

بلال بن حارث مزنی سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من احيى سنة من سنتي قد اميتت بعدي فان له من الاجر مثل اجور من عمل بها

---

[1] ابو زکریا محی الدین یحییٰ بن شرف معروف بہ امام نووی (وصال ۶۷۶ھ) کے حوالہ سے ملا علی قاری بن سلطان محمد ہروی (وصال ۱۰۴۰ھ) اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

قال النووی - البدعة كل شئ عمل على غير مثال سبق - وفى الشرع احداث مالم يكن فى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم - وقوله كل بدعة ضلالة عام مخصوص (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ الجزء الاول)

امام نووی کہتے ہیں۔ لغوی اعتبار سے بدعت ایسے کام کو کہا جاتا ہے جس کی مثال زمانہ سابق میں نہ ہو۔ اور اصطلاح شریعت میں بدعت ایسی نئی چیز کو کہا جاتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں نہ ہو۔ اور ارشاد رسول کل بدعة ضلالة عام مخصوص ہے۔ (یعنی وہی بدعت گمراہی ہے جو بدعت سیئہ ہے)

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی (وصال ۱۰۵۲ھ) بھی حدیث مذکور کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

بدانکہ ہرچہ پیدا شدہ بعد از پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بدعت است۔ از انچہ موافق اصول و قواعد اوست و قیاس کردہ شدہ برآں آں را بدعت حسنہ گویند۔ و آنچہ مخالف آں باشد بدعت ضلالت گویند۔ وکلیہ کل بدعة ضلالة محمول برایں است۔ (اشعۃ اللمعات جلد اول)

جاننا چاہیے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری کے بعد پیدا ہونے والی چیز بدعت ہے۔ اور اس میں سے جو چیز سنت رسول کے اصول و قواعد کے مطابق ہے اور اسی پر اسے قیاس کیا گیا ہے وہ بدعت حسنہ ہے۔ اور جو چیز اصول سنت کے خلاف ہے اسے بدعت ضلالت کہا جاتا ہے۔ اور کل بدعة ضلالة کی کلیت اسی پر محمول ہے۔ (مطلب یہ ہوا کہ وہی بدعت گمراہی ہے جو اصول سنت کے خلاف ہے)

ان دونوں تشریحات کی تائید بلال بن حارث مزنی کی اس روایت سے اچھی طرح ہو جاتی ہے جو آگے مذکور ہے۔

من غیران ینقص من اجورھم شیئا۔ ومن ابتدع بدعۃ ضلالۃ لایرضاہ اللہ ورسولہ۔ کان علیہ من الاثم مثل آثام من عمل بھا۔ لاینقص ذلک من اوزارھم شیئا۔ (رواہ الترمذی)

جس نے میری کسی ایسی سنت کو رائج کیا جسے میرے بعد لوگ بھول چکے ہوں تو جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے ان سب کے برابر اس رائج کرنے والے کو ثواب ملے گا اور ان میں سے کسی کا ثواب کم نہ ہوگا۔ اور جس نے کوئی گمراہی والی بدعت جو اللہ و رسول کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اس کی ایجاد کی تو اس بدعت پر عمل کرنے والوں کے برابر اس موجد بدعت کا گناہ ہوگا اور کسی کا گناہ کم نہ ہوگا۔

ابو عمرو جریر بن عبداللہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بھا من بعدہ من غیر ان ینقص من اجورھم شئی۔ ومن سن فی الاسلام سنۃ سیئۃ کان علیہ وزرھا ووزر من عمل بھا من بعدہ من غیر ان ینقص من اوزارھم شئی۔ (رواہ مسلم)

جو شخص اسلام میں کوئی اچھا طریقہ رائج کرے تو اسے وہ طریقہ رائج کرنے اور اس پر اس کے بعد عمل کرتے رہنے والوں کا ثواب اسے ملتا رہے گا۔ اور کسی کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اور جو شخص اسلام میں کوئی برا طریقہ رائج کرے تو اس پر اس کے رائج کرنے اور اس طریقہ پر اس کے بعد عمل کرنے والوں کا گناہ اسے ہوگا۔ اور کسی کے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

تمسک بالکتاب والسنۃ کی ان تاکیدات کے ساتھ ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے یہ حقیقت بھی ملاحظہ فرمائیں کہ آپ نے اپنے پیچھے وارثین و نائبین کی سنت کو بھی اپنی ہی سنت قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپ ہی کا یہ تاکیدی حکم ہے۔ جس کی روایت حضرت عرباض بن ساریہ نے کی ہے۔

فعلیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین (رواہ الترمذی)

میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت کی اتباع سب کے لئے لازم و ضروری ہے۔

بلکہ اپنے سبھی صحابۂ کرام کی سنت کی اقتدا کو موجب ہدایت قرار دیتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا۔

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم (الحدیث)

میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں۔ ان میں سے تم جس کے نقش قدم پر چلو گے ہدایت پاؤ گے۔

سنت رسول وسنت صحابہ کی پیروی کرنے والے ہی جنتی ہیں اور رضائے خدا ورضائے رسول سے اہل سنت ہی بہرہ ور ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے۔ فخر رسل ہادیٔ سُبل مولائے کل صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

وان بنی اسرائیل تفرقت علی اثنین وسبعین ملة۔ وتفترق امتی علی ثلث وسبعین ملة۔ کلهم فی النار الاملة واحدة۔ قالوا من هی یا رسول الله قال ما انا علیه واصحابی۔

(رواہ الترمذی)

بنی اسرائیل بہتر ۷۲ مذہبوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت تہتر ۷۳ مذہبوں میں بٹ جائے گی جن میں ایک مذہب والوں کے علاوہ سارے مذاہب والے جہنمی ہوں گے۔

صحابہ کرام نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! وہ ایک مذہب والے کون لوگ ہوں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ وہ اسی مذہب پر قائم رہنے والے لوگ ہیں جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

اسی لئے ما انا علیہ واصحابی کے مصداق سواد اعظم اہل سنت وجماعت کے قافلۂ حق میں شریک رہنے کا حکم دیتے ہوئے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

فاتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شذ فی النار۔ (ابن ماجہ)

سواد اعظم کی اتباع کرو کیوں کہ جو اس سے الگ ہوا وہ جہنم میں گیا۔

یہ فرقۂ ناجیہ (نجات یافتہ گروہ) اور سواد اعظم (بڑی جماعت) کون ہے؟ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (وصال ۱۰۵۲ھ) نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ایک حدیث بسلسلۂ اتباع صراط مستقیم کی تشریح کرتے ہوئے فرقۂ ناجیہ اہل سنت وجماعت کے بارے میں اشعۃ اللمعات کے اندر جو تحقیق فرمائی ہے اس کا ترجمہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

"اگر کہا جائے کہ یہ کیسے معلوم ہے کہ فرقۂ ناجیہ اہل سنت وجماعت ہی ہیں۔ اور یہی سیدھی راہ اور خدا تک پہنچنے والا راستہ ہے۔ اور دوسرے سارے راستے جہنم تک پہنچانے والے ہیں۔ دعویٰ تو ہر فرقہ یہی کرتا ہے کہ وہ سیدھے راستہ پر ہے اور اس کا مذہب برحق ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں صرف دعویٰ سے کام نہیں چلے گا بلکہ اس کی دلیل بھی ہونی چاہئے۔ اہل سنت وجماعت کی حقانیت کی دلیل تو یہ ہے کہ دین اسلام منقول ہوتا ہوا ان تک پہنچا ہے

جس کے لیے محض عقل کا استعمال کافی نہیں۔ اخبار متواترہ سے معلوم ہوا اور احادیث نبوی و آثار صحابہ سے یقین ہوا کہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین جو سلف صالحین ہیں۔ وہ اہل سنت و جماعت کے اسی اعتقاد اور اسی طریقہ پر رہے ہیں۔

اقوال و مذاہب میں نفسانیت و بدعت صدر اول کے بعد پیدا ہوئی ہے۔ صحابہ و تابعین و تبع تابعین و سلف متقدمین میں سے کوئی بھی دوسرے مذاہب کا ماننے والا نہیں تھا۔ سب کے سب ان مذاہب سے بیزار تھے اور ان مذاہب کے پیدا ہوتے ہی ان کے ماننے والوں سے حضراتِ سلف نے اپنا رشتہ، محبت و تعلق توڑ کر ان کا خوب رد و ابطال کیا۔

صحاح ستہ اور ان کے علاوہ دوسری مشہور و معتمد کتب جن پر احکام اسلام کا مدار و مبنیٰ ہوا ان کے محدثین اور ائمۂ فقہائے حنفی و مالکی و شافعی و حنبلی و دیگر علماء کرام یہ سب کے سب مذہب اہل سنت و جماعت ہی پر قائم رہے ہیں۔ (اشعۃ اللمعات باب الاعتصام جلد اول)

اشاعرہ و ماتریدیہ و صوفیائے کرام کو اہل سنت و جماعت میں شمار کرتے ہوئے آخر میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رقم طراز ہیں۔

و مصداق این سخن کہ گفتیم آنست کہ کتابہائے حدیث و تفسیر و کلام و فقہ و تصوف و سیر و تواریخ معتبرہ کہ در دیارِ مشرق و مغرب مشہور و مذکور اند۔ جمع کنند و تفحص نمایند۔ و مخالفان نیز کتابہا را بیارند۔ تا ظاہر شود کہ حقیقت حال چیست ۔ و بالجملہ سواد اعظم در دینِ اسلام مذہب اہل سنت و جماعت ست ۔ (اشعۃ اللمعات باب الاعتصام جلد اول)

ہم نے جو بات کہی ہے اس کی صداقت اسی سے ثابت ہو جائے گی کہ مشرق و مغرب میں پھیلی ہوئی مشہور و معروف کتب حدیث و تفسیر و کلام و فقہ و تصوف و سیر و تواریخ معتبرہ کو جمع کر کے ان کی چھان بین کر لی جائے۔ ہمارے مخالفین بھی کتابیں لا کر دیکھ لیں تا کہ حقیقت حال واضح ہو جائے۔

خلاصہ یہی ہے کہ دین اسلام میں سواد اعظم مذہب اہل سنت و جماعت ہی ہے۔ ید اللہ علی الجماعۃ ومن شذ شذ فی النار۔ (رواہ الترمذی)

سنتِ رسول و سنتِ صحابہ کی اتباع کر کے صراط مستقیم (سیدھی راہ) پر یہی اہل سنت و جماعت گامزن ہیں۔

اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم (سورۂ فاتحہ)

ہمیں سیدھی راہ چلا ان کی راہ جن پر تیرا انعام ہوا۔

اس آیت کریمہ میں صراط مستقیم سے کیا مراد ہے۔ اس کے بارے میں حضرت قاضی عیاض مالکی اندلسی (وصال ۵۴۴ھ) لکھتے ہیں۔

فقال ابو العالیة والحسن البصری ۔ الصراط المستقیم ھو رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وخیار اھل بیتہ واصحابہ ۔ حکاہ عنھما ابو الحسن الماوردی۔

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ۔ الجزء الاول)

امام ابو الحسن ماوردی (وصال ۴۵۰ھ) نقل کرتے ہیں۔

ابو العالیہ تابعی (وصال ۹۰ھ) اور حسن بصری (وصال ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ صراط مستقیم سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اہل بیت اطہار و صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔

حق یہ ہے کہ مفسرین، محدثین، ائمہ اربعہ، فقہائے اسلام، ارباب تصوف و طریقت و صالحین امت کے ارشادات و تصریحات کے مطابق صراط مستقیم پر چلنے والے اور ما انا علیہ و اصحابی کا دامن مضبوطی سے تھامنے والے صرف سواد اعظم اہل سنت و جماعت ہیں جو روایات اسلاف کے سچے وارث و امین اور ان کے ناشر و مبلغ ہیں۔

اور مختصر الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ دور حاضر میں اہل سنت و جماعت کہے جانے کے صحیح مستحق صرف وہ حضرات ہیں جو امام اعظم ابو حنیفہ۔ امام شافعی۔ امام مالک۔ امام احمد بن حنبل میں سے کسی ایک امام کے متبع و مقلد ہوں۔

شافعی، مالک، احمد، امام حنیف ‏ چار باغ امامت پہ لاکھوں سلام

کاملانِ طریقت پہ کامل درود ‏ حاملانِ شریعت پہ لاکھوں سلام

بے عذاب و عتاب و حساب و کتاب ‏ تا ابد اہل سنت پہ لاکھوں سلام

○○

نور و ظلمت کی نبرد آزمائی اور حق و باطل کی معرکہ آرائی ابتدائے آفرینش سے ہے اور قیام قیامت تک اس کا سلسلہ چلتا رہے گا جس کے نتیجے میں نت نئے فتنے جنم لیتے رہیں گے۔ طوفان اٹھتے

رہیں گے۔ بجلیاں کوندتی رہیں گی۔ شعلے لپکتے رہیں گے۔ اور زمین کا سینہ تپتا رہے گا۔

بغاوت وسرکشی اور تمرد وعصیان کی رسم کوئی نئی نہیں ہے۔ تخلیق آدم کے بعد خالق کائنات نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ آدم کے سامنے سجدہ ریز ہوجاؤ۔ سب نے حکم کی تعمیل کی مگر معلم الملکوت عزازیل نے کبر ونخوت کے ساتھ سرتابی کی جرأت کی جس کی پاداش میں اسے جنت سے نکال دیا گیا اور وہ ہمیشہ کے لئے خائب وخاسر ومردود وملعون ہوگیا ؂

گیا شیطان مارا ایک سجدہ کے نہ کرنے میں   اگر لاکھوں برس سجدہ میں سر مارا تو کیا مارا

اپنی حکم عدولی ونافرمانی کو حق بجانب قرار دینے کے لئے اس نے یہ عجیب وغریب منطقی دلیل پیش کی۔

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۔ (صٓ - ۷۵)

بولا میں اس سے بہتر ہوں مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا۔

ابلیس لعین کا استدلال یہ تھا کہ آدم مٹی سے اور میں آگ سے پیدا ہوا اور آگ چونکہ مٹی سے افضل ہے اس لئے میں آدم سے افضل ہوا۔ اور جب میں آدم سے افضل ہوں تو آدم کو سجدہ کیوں کروں؟

اس نادان نے اس نکتہ پر غور نہیں کیا کہ جس کی قدرت کاملہ نے آگ اور مٹی دونوں کو پیدا کیا وہی اس وقت یہ حکم صادر فرما رہا ہے تو پھر اس کے حکم کے سامنے چون وچرا کی گنجائش ہی کہاں باقی رہ جاتی ہے؟

اس گستاخ وبے ادب کی عقل خبط ہوچکی تھی۔ توفیق ربانی سے محروم ہوچکا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حکم الٰہی کی بجاآوری سے انکار اور تعظیم نبی سے فرار نے اس کے گلے میں لعنت کا طوق ڈال دیا۔ ادھر ادب واحترام کا دامن چھوٹا اور ادھر پلک جھپکتے ہی وہ ہمیشہ کے لئے مردود بارگاہ ہوگیا۔ اس لئے ؂

از خدا خواہیم توفیق ادب   بے ادب محروم شد از فضل رب

ابلیس لعین توحید الٰہی کا معتقد تو اپنے آپ کو سمجھتا رہا لیکن تعظیم نبی کے لئے اس کی عقل بداندیش تیار نہ ہوسکی۔ اس نے غلط استدلال کا سہارا لیا جس نے اسے جہنم کی وادی میں دھکیل دیا۔ پھر بھی اس ظالم نے چلتے چلتے یہی کہا کہ اے اللہ! میں تیرے بندوں کو دھوکہ دے کر گمراہ کرتا رہوں گا۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ قَالَ فَالْحَقُّ

وَالْحَقَّ اَقُوْلُ. لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ. (صٓ۔ ۸۱-۸۴)

وہ بولا۔ تیری عزت کی قسم! میں تیرے منتخب بندوں کے علاوہ سب کو ضرور گمراہ کروں گا۔ فرمایا تو سچ ہے اور میں سچ ہی فرماتا ہوں۔ بے شک میں جہنم کو تم سے اور تمہارے سب پیروکاروں سے ضرور بھر دوں گا۔

عظمت انبیاء و مرسلین و صحابہ و تابعین و سلف صالحین سے اغماض و انکار اور وہ بھی۔ "توحید خالص" کے نام پر ـــ درحقیقت یہ ابلیسی توحید ہے جس کا دوسرا نام "اغواءِ شیطان" (شیطانی فریب) ہے۔ جس کی ترویج و اشاعت مال و ریال و درہم و دینار و پونڈ و ڈالر کے ذریعہ آج بھی کی جارہی ہے۔ اور سادہ لوح بندگانِ خدا کو دامِ تزویر و مکرِ ابلیس کا شکار بنانے کے لئے۔ "توحید خالص" کے پُرفریب شیش محل تیار کئے جارہے ہیں جس کے عبرت ناک انجام اور ہولناکی سے اللہ کی پناہ!

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ تھا وعدۂ ازلی　　　نہ منکروں کو عبث بدعقیدہ ہونا تھا

اسلام اپنے فطری استعداد و صلاحیت، کمال و جامعیت، اور اپنی قوتِ جذب و کشش کی وجہ سے شرق و غرب میں بڑھتا اور پھیلتا رہا۔ مصائب و مشکلات سے پنجہ آزمائی کرتا ہوا اس کا قافلہ سخت جاں منزلوں پہ منزلیں طے کرتا رہا۔ تلاطم خیز موجوں کا سینہ چیرتا ہوا اس کا سفینہ ساحل مقصود پہ لنگرانداز ہوتا رہا۔ اور اس کے سامنے نہ کوئی دریا حائل ہو سکا نہ کوئی چٹان سدِ راہ ہو سکی۔ نہ ہی کرۂ ارض کے کسی خطہ میں یہ دم خم تھا کہ وہ اس کے بڑھتے ہوئے قدم کی زنجیر بن سکے۔

اغواءِ شیطان نے محاصرۂ قلعۂ اسلام کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی۔ کفر و شرک کی آندھیوں نے اسلام کے آہنی ستونوں کو ہلانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ جھوٹے دعوئ نبوت نے اس کی بنیاد پر ضرب لگانی چاہی۔ رفض و خروج کی فتنہ سامانیوں نے اس کی دیواریں منہدم کرنے کے لئے اپنی توانائی صرف کر ڈالی۔ الحاد و اعتزال کے خطرناک سیلاب نے اس کے قیمتی اثاثوں کو خس و خاشاک کی طرح اپنے ساتھ بہالے جانا چاہا۔ اور تنقیص و توہب کی عیاریوں نے شاطرانہ چابکدستی کے ساتھ نقب زنی کے سارے حربے آزمائے۔

لیکن ان سارے داخلی وخارجی فتنوں، بغاوتوں، سازشوں کے باوجود روشنی کے بلند مینار کی طرح اسلام کا عظیم دیرینہ کوہ قلعہ اپنی رفعت وعظمت، قوت وسطوت اور شان وشوکت کے ساتھ آج بھی موجود ہے۔ اور اس کی فصیلوں سے ٹکرا کر عصیان وطغیان کی ایسی طاقتوں کا غرور پاش پاش ہوتا رہا۔

کیوں کہ رب قادر وقیوم نے اپنے آخری رسول کو اس کامل ومکمل دین اسلام کے ساتھ بھیجا ہی اس لئے تھا کہ وہ اپنے نور کی شعاعیں شش جہات میں بکھیر دے۔ کفر وظلمت کو جان بلب کردے۔ فتنوں کا قلعہ قمع کردے۔ اور سارے ادیان پر اسے غالب فرمادے۔

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا۔ (الفتح - ۲۸)

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کردے اور اللہ کافی ہے گواہ۔

آج سے تقریباً سات سو سال پہلے کی بات ہے۔ شیخ ابن تیمیہ حرانی (متوفی ۷۲۸ھ) نے اپنے تفردات وضلالات کا ایک بیج بویا تھا جو علماء اسلام کی مزاحمت ومخالفت کی وجہ سے عرصہ دراز تک زیر زمین مدفون رہا اور اسے سر ابھارنے کا مناسب موقعہ نہ مل سکا۔

برطانوی استعمار کی تیز نگاہوں نے جب اسے دیکھا تو اس کی آبیاری شروع کردی۔ اور اسی کے زیر سایہ آج سے لگ بھگ دو سو سال پہلے اس زہر آلود بیج نے کتاب التوحید از شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی (متوفی ۱۲۰۶ھ/۱۷۹۲ء) کی شکل میں ایک پودا بن کر لہلہانا اور عالم اسلام کی آب وہوا کو مسموم کرنا شروع کردیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے یہ پودا ایک تناور درخت بن گیا۔ اور جزیرۃ العرب سے برصغیر ہندوستان تک اس کی شاخیں پھیل گئیں۔ نظریاتی انتشار اور مباحثہ ومجادلہ کا بازار گرم ہوا اور سارا عالم اسلام رفتہ رفتہ اس کی زد میں آنے لگا۔

فکری سطح پر تقویۃ الایمان وصراط مستقیم ورسالہ یک روزہ از شاہ اسمٰعیل دہلوی (متوفی ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) اور عملی سطح پر حجاز مقدس پر آل سعود کا غاصبانہ تسلط (در ۱۹۲۵ء) یہ اس کی دو بڑی

شاخیں نکل آئیں۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی کتاب التوحید اور شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان اور ان دونوں کے مسلک و نظریہ و طرز عمل کا مطالعہ کیجیے تو آپ کو حیرت انگیز مماثلت نظر آئے گی اور قدم قدم پر محسوس ہوگا کہ ان کو اتباع اسلاف کی بجائے اتباع نفس زیادہ مرغوب و محبوب ہے۔

اہل سنت و جماعت کو یہ الزام دیتے ہیں کہ کتاب و سنت کی بجائے ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید کو فرض سمجھتے ہیں۔ جب کہ خود ان کا حال یہ ہے کہ ایک طرف تو کسی ایک امام کی تقلید کو بدعت سمجھ کر اس کا شد و مد سے انکار کرتے ہیں۔ دوسری طرف ان کے متبعین ایک کی بجائے اپنے دو دو اماموں (شیخ تقی الدین ابن تیمیہ حرانی و شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی) کی تقلید کرتے ہیں۔ اور ان کے مسلک کو ہر حال میں واجب الاتباع سمجھتے ہیں۔

اور نجد سے دہلی تک اس طائفہ کی مذموم حرکت یہ ہے کہ کفار و مشرکین کے بارے میں نازل ہونے والی آیتیں اہل سنت و جماعت پر چسپاں کرتے ہیں۔ یہ عادت انہوں نے اپنے پیش رو فرقہ خوارج سے سیکھی ہے۔

وکان ابن عمر یراھم شرار خلق اللہ۔ وقال انھم انطلقوا الیٰ آیات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المسلمین۔ (باب قتال الخوارج جلد دوم صحیح بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر فاروق خوارج کو اللہ کی بدترین مخلوق سمجھتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ یہ خارجی ان آیات کریمہ کو جو کفار و مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں انہیں مسلمانوں پر چسپاں کر دیا کرتے ہیں۔

اب ذرا آپ ان کی مجانست و مماثلت پر بھی ایک نظر ڈالیں۔

(۱) کتاب التوحید اور تقویۃ الایمان کے مباحث و مشتملات جور و شرک میں اہی وہ یکساں اور ملتے جلتے ہیں بعض علماء اہل سنت نے ان دونوں کا تقابلی مطالعہ کر کے تفصیل کے ساتھ اس حقیقت کو آشکار کیا ہے۔

اسلامی توحید کے تحفظ کی صحیح نیت سے اگر یہ کتابیں لکھی گئی ہوتیں اور کھینچ تان کر شرک سازی نہ کی گئی ہوتی۔ عظمت انبیاء و صالحین کو پس پشت نہ ڈالا گیا ہوتا تو واقعی یہ قابل تحسین کوشش ہوتی۔ مگر ان کے پس پردہ جو عزائم کارفرما تھے انہیں سمجھنے کے لیے یہ تاریخی حوالے ملاحظہ فرمائیں۔

یہ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے خود لکھا ہے۔

وعرفت ان اقرارهم بتوحید الربوبیة لم یدخلهم فی الاسلام و ان قصدهم الملائکة و الانبیاء و الاولیاء یریدون شفاعتهم والتقرب الی الله بذلک هو الذی احل دماءهم و اموالهم۔ (ص ۹، کشف الشبهات مؤلفہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی مطبوعہ نجد)

تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ ان (مسلمانوں) کا اقرار توحید ربوبیت انہیں اسلام میں داخل نہیں کرتا۔ اور ملائکہ و انبیاء و اولیاء کی شفاعت طلب کرنا اور ان کی تعظیم سے اللہ کا قرب چاہنا ہی وہ سبب ہے جس نے ان کے قتل اور مال کو جائز کر دیا ہے۔

اس عبارت کا واضح مطلب سمجھنے کے لئے مولانا حسین احمد مدنی صدر جمعیۃ العلماء و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، سہارنپور کا یہ بیان پڑھئے۔

"محمد بن عبدالوہاب کا عقیدہ تھا کہ جملہ اہل عالم و تمام مسلمانان دیار مشرک و کافر ہیں۔ اور ان سے قتل و قتال کرنا، ان کے اموال کو ان سے چھین لینا حلال اور جائز بلکہ واجب ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خاں (بھوپالی) نے خود اس کے ترجمہ میں ان دونوں باتوں کی تصریح کی ہے"۔

(ص ۴۲۔ الشہاب الثاقب۔ مؤلفہ مولانا مدنی۔ مطبوعہ دیوبند)

اب ادھر مولانا اشرف علی تھانوی کا بیان سنئے۔ کہ ایک مجلس میں تقویۃ الایمان کے بارے میں گفتگو چل رہی تھی جس میں شاہ اسمٰعیل خود موجود تھے۔ انہوں نے کہا۔

"میں نے یہ کتاب لکھی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ آگئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے۔ مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے شرک جلی لکھ دیا گیا ہے۔ ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ضرور ہوگی۔ گو اس سے شورش ہوگی مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے"۔ (ص ۴۰۔ الحکایات اولیاء از مولانا تھانوی مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

اور خود شاہ اسمٰعیل دہلوی ہی نواب وزیرالدولہ رئیس ٹونک کو لکھ رہے ہیں۔

"معلوم ہوا ہے کہ ہندوستان کے رہنے والے اکثر اسلام کے مدعی، جن میں عقلمند فضلاء، مشائخ طریقت، مغرور امراء، اور ان کے فاسق و فاجر پیرو بلکہ تمام شریر النفس منافق اور بدخصلت منافقوں نے دین محمدی کو خیرباد کہہ کے کفر و ارتداد کا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ اور جہاد کی کوشش

کرنے والوں پر طعن و تشنیع کی زبان کھول رکھی ہے۔ (ترجمہ مکتوب نمبر ۳۔ مکتوبات سید احمد شہید مطبوعہ نفیس اکادمی کراچی)

(۲) شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی اور شاہ اسمٰعیل دہلوی کے اہل خانہ اور سرپرستوں نے ان کے اندر انحراف و کجروی کی بو سونگھتے ہی تنبیہ و ہدایت کرنی چاہی مگر یہ دونوں اپنی روش سے باز نہ آسکے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے والد شیخ عبدالوہاب بن سلیمان بن علی شرف حنبلی (وصال ۱۱۵۳ھ/ ۱۷۴۰ء) اور چچا شیخ ابراہیم بن سلیمان بن علی شرف حنبلی (وصال [illegible]) ممتاز دینی عالم دین تھے۔ انہوں نے آغاز امر ہی میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی مگر شیخ نجدی نے سرتابی و سرکشی سے کام لیا اور بات بات پر ان سے بھی مباحثہ کرنے لگا۔ والد نے اس سے تنگ آکر اپنا گھر (عیینہ) چھوڑ کر حریملاء میں اقامت اختیار کرلی۔ مگر شیخ نجدی نے وہاں بھی ان کے حلقۂ درس میں شامل ہوکر طلباء میں انتشار پھیلانا شروع کیا۔ اور کسی طرح اپنے انحراف و کجروی سے باز نہ آیا۔

تفصیل کے لئے دیکھئے۔ عنوان المجد فی تاریخ نجد ج ۱ تالیف عثمان بن بشیر نجدی متوفی ۱۲۸۸ھ مطبوعہ ریاض۔

و محمد بن عبدالوھاب تالیف شیخ علی طنطاوی جوھری مصری۔

حقیقی بھائی شیخ سلیمان بن عبدالوہاب بن سلیمان بن علی شرف حنبلی (وصال ۱۲۰۸ھ) نے تو شیخ نجدی کی گمراہیوں کے خلاف ۱۱۶۷ھ میں ایک مستقل کتاب بنام الصواعق الالھیة فی الرد علی الوھابیة تصنیف کی۔ جس کی پہلی طباعت [illegible] اور دوسرا ایڈیشن ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء میں مکتبہ ایشیق استنبول ترکی سے منظر عام پر آیا۔

شیخ نجدی کے متعدد اساتذہ نے بھی اس کی سرزنش کی جس کا ذکر محولہ بالا دونوں کتب میں بھی ملتا ہے۔

اب ادھر شاہ اسمٰعیل دہلوی کا حال سنئے۔ مولانا اشرف علی تھانوی بیان کرتے ہیں۔

"مولانا محمد علی اور مولانا احمد علی نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے کہا مولوی اسمٰعیل نے رفع یدین شروع کردیا ہے۔ اس سے مفسدہ پیدا ہوگا۔ شاہ عبدالعزیز نے اپنے چھوٹے بھائی شاہ عبدالقادر سے کہا۔ میاں! اسمٰعیل کو سمجھادو کہ رفع یدین نہ کرے۔ شاہ عبدالقادر نے کہا حضرت! میں کہہ تو دوں مگر وہ مانے گا نہیں اور حدیثیں پیش کرے گا۔ لیکن پھر شاہ عبدالقادر نے مولوی محمد یعقوب کی معرفت مولوی اسمٰعیل کو کہلایا کہ تم رفع یدین چھوڑ دو خواہ مخواہ فتنہ پیدا ہوگا۔

مولوی اسمٰعیل نے مولوی محمد یعقوب سے کہا۔ اگر عوام کے فتنہ کا خیال کیا جائے تو پھر اس حدیث کے کیا معنی ہوں گے کہ من تمسك بسنتي عند فساد امتي فله اجر مأة شهيد جو شخص میری امت کے فساد کے وقت میری سنت پر عمل کرتا رہے گا اسے سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ جب مولوی اسمٰعیل کا یہ جواب مولوی محمد یعقوب نے شاہ عبد القادر تک پہنچایا تو انہوں نے کہا۔

"بابا! ہم تو سمجھے تھے کہ اسمٰعیل عالم ہو گیا مگر وہ تو ایک حدیث کا معنی بھی نہ سمجھا۔ یہ حکم تو اس وقت ہے جب کہ سنت کے مقابل خلاف سنت ہو۔ اور مانحن فيه (جو مسئلہ زیر بحث ہے) میں سنت کا مقابل خلافِ سنت نہیں بلکہ دوسری سنت ہے۔ کیوں کہ جس طرح رفع یدین سنت ہے اسی طرح ارسال (رفع یدین نہ کرنا) بھی سنت ہے"۔ (ص ۱۰۱، حکایات اولیاء، از مولانا تھانوی مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

علامہ فضل رسول بدایونی (ولادت ۱۲۱۳ھ وصال ۱۲۸۹ھ) نے شاہ مخصوص اللہ دہلوی بن شاہ رفیع الدین دہلوی بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے شاہ اسمٰعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان کے بارے میں چھ استفسارات کئے تھے جن کے انہوں نے جوابات عنایت فرمائے۔ یہاں موقع کی مناسبت سے پہلے اور پانچویں استفسار کا جواب نقل کیا جا رہا ہے۔ شاہ مخصوص اللہ بن شاہ رفیع الدین بن شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں۔

پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ

تقویۃ الایمان کہ میں نے اس کا نام تفویۃ الایمان ساتھ فا کے رکھا ہے۔ اس کے رد میں جو رسالہ میں نے لکھا ہے اس کا نام معید الایمان رکھا ہے۔

اسمٰعیل کا رسالہ موافق ہمارے خاندان کے کیا کہ تمام انبیا اور رسولوں کی توحید کے خلاف ہے۔ کیوں کہ پیغمبر سب توحید کے سکھلانے کو اپنی راہ پر چلانے کو بھیجے گئے تھے۔ اس کے رسالہ میں اس توحید کا اور پیغمبروں کی سنت کا پتہ بھی نہیں ہے۔

اس میں شرک اور بدعت کے افراد گن گر جو اگر [illegible] کھایا ہے۔ کسی رسول نے اور ان کے خلیفہ نے کسی کا نام لے کر شرک یا بدعت لکھ [illegible] رکھیں ہو تو ان کے پیرو دؤں سے کہو کہ ہم کو بھی دکھلا دو۔

پانچویں بات کا جواب یہ ہے کہ

علم بزرگوار کہ وہ بینائی سے معذور ہو گئے تھے۔ اس کو سنا اور یہ فرمایا۔ اگر بیماریوں سے معذور نہ ہوتا تو تحفۂ اثنا عشریہ کا سا جواب اس کا رد بھی لکھتا۔

اس کی بخشش وہاب بے منت نے اس بے اعتبار کو کی۔ شرح کا رد لکھا۔ متن کا مقصد بھی نابود ہو گیا۔

ہمارے والد ماجد نے اس کو دیکھا نہ تھا۔ بڑے حضرت[۲] کے فرمانے سے کھل گیا کہ جب اس کو گمراہ جان لیا تب اس کا رد لکھنا فرمایا۔

(تحقیق الحقیقۃ۔ از علامہ فضل رسول بدایونی مطبوعہ بمبئی ۱۲۶۷ھ بحوالہ انوار آفتاب صداقت از قاضی فضل احمد لدھیانوی مطبوعہ کریمی پریس لاہور۔ ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء)

تقویۃ الایمان کی تردید و ابطال میں لکھی گئی شہرۂ آفاق کتاب تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ (محررہ ۱۲۴۰ھ) مؤلفہ علامہ فضل حق خیر آبادی (وصال ۱۲۷۸ھ) تلمیذ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے آخر میں جن مشاہیر علماء ہند کی تصدیقات ہیں ان میں مولانا مخصوص اللہ دہلوی و مولانا محمد موسیٰ دہلوی فرزندانِ شاہ رفیع الدین بن شاہ ولی اللہ دہلوی بھی شامل ہیں۔ مولانا محمد موسیٰ دہلوی نے حجۃ العمل فی ابطال الحیل کے نام سے مستقل ایک رسالہ بھی لکھا۔

(۳) ذوالحجہ ۱۲۲۰ھ میں جب اہل نجد نے طائف پر حملہ کر کے قتل و غارت گری کی اور مسجد حضرت عبد اللہ بن عباس کو شہید کیا تو شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کا ایک مختصر رسالہ جسے کتاب التوحید کا خلاصہ کہا جا سکتا ہے۔ اسے متعدد مسلم بلاد و امصار میں بھیجا گیا۔ ۷ محرم ۱۲۲۱ھ میں یہ نجدی رسالہ مکہ مکرمہ پہنچا۔ علماء و مشائخ اسلام نے فوراً حرم شریف میں ہنگامی نشست بلائی۔ شیخ احمد بن یونس الباعلوی۔ شیخ عمر عبد الرسول۔ شیخ عقیل بن یحییٰ باعلوی۔ شیخ عبد الملک۔ شیخ حسین المغربی و دیگر درجنوں علماء و مشائخ نے اجتماعی طور پر اس کا جواب مسجد حرام شریف میں بیٹھ کر لکھا۔ اور پھر اسے سارے حاضرین و شرکاء کے سامنے پڑھ کر سنایا گیا۔ اس جواب میں نجدی عقائد و افکار کو خلاف اسلام قرار دیتے ہوئے ان کی شدید مذمت کی گئی کہ

ھذا تشریع جدید مخالف لما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم د

[۱] [۲] شاہ عبد العزیز محدث دہلوی۔

فهمه الصحابة والتابعون وتبعهم۔

یہ ایک تشریع جدید ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اور صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے فہم و مراد کے بالکل مخالف ہے۔

اُدھر مسجد حرام مکہ مکرمہ میں بیٹھ کر نجدی رسالہ کے خلاف علماء نے متفقہ فیصلہ کیا۔ اور اِدھر تقویۃ الایمان اور شاہ اسمٰعیل دہلوی کے افکار کے خلاف بھی شاہجہانی جامع مسجد دہلی میں بیٹھ کر علماء ہند نے ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸۲۵ء میں یہی کارروائی کی اور اس نئے فتنہ کی سرکوبی کی۔

مولانا شاہ مخصوص اللہ بن شاہ رفیع الدین دہلوی و مولانا منور الدین تلمیذ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی و مولانا رشید الدین خاں دہلوی شاگرد شاہ عبد العزیز محدث دہلوی وغیرہم نے شاہ اسمٰعیل دہلوی سے ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۵ء میں باقاعدہ زبانی سوال و جواب کیا۔ تنبیہ و ہدایت کی۔ اسی موقعہ پر مولانا رشید الدین خاں دہلوی نے شاہ اسمٰعیل دہلوی سے چودہ سوالات کئے جن کے انہوں نے جوابات بھی دئے[۱]۔

مولانا منور الدین دہلوی متوفی ۱۲۳۰ھ شاگرد شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے تقویۃ الایمان و جلاء العینین از شاہ اسمٰعیل دہلوی کے لکھے جانے کے بعد علماء ہند و علماء حرمین شریفین سے مسلک شاہ اسمٰعیل کے خلاف فتادیٰ حاصل کئے۔

"اور ہر طرح سمجھایا لیکن جب ناکامی ہوئی تو بحث و رد میں سرگرم ہوئے اور جامع مسجد کا وہ شہرۂ آفاق مناظرہ ترتیب دیا۔ جس میں ایک طرف مولانا اسمٰعیل اور مولانا عبد الحیٔ تھے اور دوسری طرف مولانا منور الدین اور تمام علماء دہلی و" (ص ۶۔ آزاد کی کہانی۔ بیان مولانا ابو الکلام آزاد)

(۴) شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کو اپنے خیالات کی اشاعت کے لئے پشت پناہی اور ایک مضبوط عسکری قوت کی ضرورت پیش آئی تو اس کے لئے محمد بن سعود[۲] امیر درعیہ نجد کو اس نے ہمنوا بنایا۔

---

[۱] دہلی کے مشہور عالم مولانا زید ابو الحسن فاروقی (وصال ۱۹۹۳ء) نے اپنی کتاب "مولانا اسمٰعیل اور تقویۃ الایمان" میں یہ سوالات و جوابات شائع کر دئے ہیں۔ کتاب مذکور ہند و پاک میں چھپ کر مقبول ہو چکی ہے۔ اختر مصباحی۔

[۲] محمد بن سعود والی درعیہ کا انتقال ۱۱۷۹ھ / ۱۷۶۵ء میں ہوا۔ اس کے جانشین عبد العزیز بن محمد بن سعود نے ۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ء میں وفات پائی۔ پھر سعود بن عبد العزیز بن محمد بن سعود ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۳ء میں داعی ملک عدم ہوا۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

اور اس کے لئے جو تیر بہدف نسخہ اس نے استعمال کیا اس کے بارے میں نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں۔

"محمد بن سعود کو ابن عبد الوہاب نے یہ طمع دفریب دیا کہ وہ اسے بلاد نجد کا حکمراں بنا دے گا۔ یہ واقعہ ۱۱۶۰ء کا ہے۔ اور محمد بن سعود کی شادی ابن عبد الوہاب کی لڑکی سے ہوئی۔

(ترجمہ ص ۳۰۰۔ التاج المکلل مطبوعہ بمبئی)

اس طرح زن، زر اور زمین کے فارمولہ پر وہابیت وسعودیت کا معاہدہ ہوا جس پر آل سعود (خاندان محمد بن سعود) اور آل الشیخ (خاندان شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی) اب تک قائم ہیں۔ مسلک شیخ نجدی کا ہے اور تلوار آل سعود کی ہے۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے شیخ عثمان بن بشیر نجدی متوفی ۱۲۸۸ھ کی کتاب عنوان المجد فی تاریخ نجد جلد اول، مطبوعہ ریاض۔

ادھر شاہ اسمٰعیل دہلوی نے تحریک وہابیت سے متاثر ہو کر سوچا کہ میرے چچا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اور دادا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا پورے ہندوستان میں جو نام اور شہرہ ہے اس کا فائدہ اٹھاؤں اور اپنے خود ساختہ مسلک کے بل پر ایک حکومت ہندوستان کے کسی حصہ میں

اس کے بعد عبد اللہ بن سعود بن عبد العزیز ۱۸۱۸ء میں، ترکی بن عبد اللہ بن سعود ۱۸۳۴ء میں اور فیصل بن ترکی بن عبد اللہ ۱۸۶۷ء میں راہی ملک عدم ہوئے۔

پھر عبد اللہ بن فیصل بن ترکی ۱۸۶۷ء میں تخت نشین ہوا جسے اس کے بھائی سعود بن فیصل بن ترکی نے ۱۸۷۱ء میں معزول کر دیا۔ اس سعود بن فیصل بن ترکی کا ۱۸۷۷ء میں انتقال ہوا تو اس کی جگہ پر عبد اللہ بن فیصل بن ترکی دوبارہ آگیا۔ جسے پھر آٹھ سال بعد ۱۸۸۵ء میں سعود بن فیصل کے دونوں بیٹوں محمد اور سعود نے معزول کر دیا۔ اور اس عبد اللہ بن فیصل بن ترکی کا ۱۸۸۹ء میں انتقال ہو گیا۔ اس طرح یہ سب کے سب سعودی امراء تخت نشینی، معزولی، انتقال، قتل، فتح شکست کے مختلف مراحل سے گزرتے رہے۔

تا آنکہ عبد الرحمٰن بن فیصل بن ترکی ۱۸۹۱ء میں آل رشید کے خوف سے کویت فرار ہو گیا۔ اور اس کے لڑکے بانی حکومت سعودی عرب عبد العزیز بن عبد الرحمٰن بن فیصل بن ترکی بن عبد اللہ بن سعود بن عبد العزیز بن محمد بن سعود نے کویت سے آکر ۱۵ر فروری ۱۹۰۱ء میں آل رشید سے ناکام جنگ کی۔ پھر دوبارہ کویت سے واپس آکر رات کی تاریکی میں ۱۰ر جنوری ۱۹۰۲ء میں قلعہ ریاض پر قبضہ کر لیا۔

عبد العزیز ۱۹۲۱ء میں آل رشید پر غالب آگیا۔ ۱۹۲۵ء میں وہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، طائف، جدہ، وغیرہ پر مکمل قابض ومسلط ہو گیا۔ اور ۲۲ر ستمبر ۱۹۳۲ء میں نجد وحجاز کو عبد العزیز نے المملکۃ العربیۃ السعودیۃ کا نام دیا۔ شاہ فیصل، شاہ خالد اور شاہ فہد اسی عبد العزیز کے بیٹے ہیں۔ اختر مصباحی۔

قائم کروں۔ چنانچہ انہوں نے سید احمد رائے بریلوی صاحب کو رائے بریلی سے بالاکوٹ پہنچا دیا اور امیر المومنین بنا کر چندروزہ ریاست بھی قائم کرلی۔ سید احمد رائے بریلوی صاحب کو ایسا زبردست امام برحق اور امیر المومنین بنایا کہ ان کی اطاعت نہ کرنے والوں پر جہاد فرض قرار دیا۔ شاہ اسمٰعیل دہلوی خود لکھتے ہیں۔

(ترجمہ از فارسی) جو شخص آں جناب کی امامت ابتداء ہی سے قبول نہ کرے یا قبول کرنے کے بعد اس سے انکار کرے وہ ایسا باغی ہے کہ اس کا خون بہانا حلال ہے اور اس کا قتل کرنا کافروں کے قتل کرنے کی طرح عین جہاد ہے۔ اس کی ہتک کرنی فسادیوں کی ہتک کی طرح رب العباد کی عین مرضی ہے۔ کیوں کہ ایسے لوگ احادیثِ متواترہ کے حکم سے کتے کی چال چلنے والے ملعون اشرار ہیں۔ اس معاملہ میں اس عاجز کا یہی مسلک ہے۔ لہٰذا اعتراض کرنے والوں کے اعتراضات کا جواب تلوار کی مار ہے۔ تحریر و تقریر نہیں ہے۔ (ص ۱۶۹، مکتوب ۳۱، مکتوبات سید احمد شہید، نفیس اکیڈمی کراچی)

واضح رہے کہ سید احمد رائے بریلوی صاحب و شاہ اسمٰعیل دہلوی کے لشکر کا پہلا مقابلہ بلکہ انہیں کی زبان میں پہلا جہاد یار محمد خاں حاکم یاغستان سے ہوا۔ (تذکرۃ الرشید جلد دوم از مولانا عاشق الٰہی میرٹھی) اور قبائلی مسلمانوں پہاڑی قوموں نے ان کی وہابیت سے اس قدر نفرت کا اظہار کیا اور اس لشکر کی بعض حرکات سے اس حد تک مخالف ہوئے کہ ۲۴ رذوالقعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۶ مئی ۱۸۳۱ء سرزمین بالاکوٹ میں مذکورہ دونوں حضرات کے ساتھ پورا لشکر قتل کر دیا گیا اور سلطنت و ریاست و امارت کی حسرت دل میں لئے ہوئے انہیں راہیِ ملک عدم ہونا پڑا[1]۔

---

[1] اس واقعہ کے اکتالیس سال بعد ۱۸۷۲ء میں سید مراد علی گرد ہی بسلسلہ ملازمت بالاکوٹ گئے تو انہوں نے وہاں کے بزرگ و ثقہ حضرات سے مل کر حالات معلوم کئے اور انہیں "تاریخ تناولیاں" کے نام سے کتابی شکل دی۔ صحیح احوال و کوائف جاننے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔ ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء میں مکتبہ قادریہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور کی طرف سے اس کی اشاعت ہو چکی ہے۔

واقعۂ بالاکوٹ اور اس کے متعلقات سے واقفیت کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ بھی مفید ثابت ہوگا۔ حقائق تحریک بالاکوٹ از شاہ حسینی گردیزی۔ امتیاز حق از راجہ غلام محمد۔ سید احمد کی صحیح تصویر از وجاہت مسعود بدایونی۔ حقیقت افسانہ جہاد از سید نور محمد قادری۔ ننگ دیں ننگ وطن از پروفیسر ایوب قادری۔ شیشے کے گھر از مولانا عبدالحکیم شرف قادری۔ یہ سبھی کتابیں ہند و پاک دونوں جگہ بآسانی دستیاب ہو سکتی ہیں۔

(۵) برطانوی استعمار نے جس طرح وہابیت وسعودیت واسمٰعیلیت کی آبیاری اور در پردہ معاونت ومساعدت کی وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔

ایک برطانوی افسر لکھتا ہے۔

"۱۸۶۵ء کا واقعہ ہے کہ اس زمانہ میں ایک برطانوی وفد بسرکردگی کرنل پیوس بیلی ریاض گیا تھا۔ اس وفد نے خاندان ابن سعود سے ایک معاہدہ کیا تھا۔ جس کی پاسداری ہمیشہ ملحوظ رہی ہے۔ اگرچہ کوئی باقاعدہ عہدنامہ مرتب نہیں کیا گیا تھا لیکن اس پر بھی وہابیوں نے مجھے بتایا کہ وہ اس معاملہ کی تکمیل اپنا فرض خیال کرتے ہیں۔

موجودہ ابن سعود اور اس کا والد عبدالرحمٰن جو ضعیف العمر اور واجب الاحترام بزرگ ہے۔ ۱۸۸۵ء سے ۱۹۰۱ء تک کویت میں مقیم رہے۔ شیخ کویت ان کا حامی ومددگار تھا۔ اسی کی برکت ہے کہ پھر اپنی کھوئی ہوئی سلطنت حاصل کرنے کے لئے باہر نکلے۔ جس زمانہ میں یہ خاندان کویت میں تھا اس زمانہ میں برطانوی پولیٹکل آفیسر اور ریزیڈنٹ بوسر سے ان کے تعلقات تھے۔ جب یہ خاندان ریاض پہنچا تو اس وقت بھی یہ تعلقات دوستانہ قائم رہے۔ کپتان شکسپیر آنجہانی پولیٹکل آفیسر کویت عربوں کے مداح اور گہرے دوست تھے۔ ان کی وساطت سے سلسلۂ تعلقات مربوط ومضبوط ہو۔ الخ

(اخبار زمیندار لاہور شمارہ ۱۰ر فروری ۱۹۲۲ء)

سر پرسی کاکس نے اس احتجاج کے جواب میں اسے "شاہ نجد" کے نام سے مخاطب کیا۔ اس خوشامد، تملق اور ساٹھ ہزار پونڈ سالانہ کی رشوت سے جو ماہ بماہ ادا ہوتی رہے گی۔ ابن سعود کو خاموش رکھنے کی امید کی جاتی ہے۔ (اخبار زمیندار لاہور شمارہ ۱۲ر فروری ۱۹۲۲ء)

کرنل لارنس کی اس سلسلے میں جو کارگزاریاں ہیں۔ نیز ۲۶ر نومبر ۱۹۱۵ء میں برطانیہ وابن سعود (دستخط ومہر عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل سعود ودستخط ریڈ کاکس وکیل معاہدہ ونمائندۂ برطانیہ در خلیج فارس۔ ودستخط چیمسفورڈ نائب ملک معظم ووائسرائے ہند) کے درمیان تحریری معاہدہ اور جنگ عظیم اول میں ابن سعود کی طرف سے برطانیہ کی تائید جیسے حقائق تاریخی کتب میں مستند حوالوں کے ساتھ موجود ہیں۔ ہمفرے کے اعترافات بھی قابل مطالعہ ہیں۔ برطانوی وسعودی سازش کے نتیجے میں "اسرائیل" اور مسئلہ فلسطین آج تک عالم اسلام کے لئے ناسور بنا ہوا ہے۔ جنگ خلیج

جنوری ۱۹۹۱ء میں امریکی وبرطانوی افواج کی سعودیہ کی طرف سے دعوت دمیزبانی بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

ابن سعود کیا ہے فقط اک حرم فروش — برطانیہ کی زلف گرہ گیر کا اسیر
اہل حرم پہ اس نے برسوائیں گولیاں — پھر کیوں نہ کشتنی ہو زمیندار کا مدیر

(ظفر علی خاں۔ لاہور)

اب ادھر کا حال سنئے

"لارڈ ہیسٹنگ سید احمد صاحب کی بے نظیر کارگزاری سے بہت خوش ہوا۔ دونوں لشکر کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا اور اس میں تین آدمیوں کا باہم معاہدہ ہوا۔ امیر خاں۔ لارڈ ہیسٹنگ اور سید احمد صاحب۔ سید احمد صاحب نے بڑی مشکل سے امیر خاں کو شیشے میں اتارا تھا۔"

(ص ۸۵ حیات طیبہ مولفہ مرزا حیرت دہلوی۔ مطبع فاروقی دہلی)

کلکتہ میں ایک وعظ کے دوران کسی نے کہا کہ آپ انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے۔ اس پر شاہ اسمٰعیل دہلوی نے کہا۔

"ان پر جہاد کسی طرح واجب نہیں ہے۔ ایک تو ان کی رعیت ہیں۔ دوسرے ہمارے مذہبی ارکان ادا کرنے میں وہ ذرا بھی دست اندازی نہیں کرتے۔ ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح کی آزادی ہے۔ بلکہ ان پر اگر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں۔"

(ص ۲۹۴ حیات طیبہ مولفہ مرزا حیرت دھلوی مطبع فاروقی دھلی)

مولانا حسین احمد مدنی صدر جمعیۃ العلماء ہند لکھتے ہیں۔

"جب سید صاحب کا ارادہ سکھوں سے جنگ کرنے کا ہوا تو انگریزوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اور جنگی ضرورتوں کے مہیا کرنے میں سید صاحب کی مدد کی۔"

(ص ۴۱۹ جلد ۲ نقش حیات از مولانا حسین احمد مدنی مطبوعہ کراچی)

نیچے کے انگریز افسر اگر کسی اقدام کے رموز کو نہیں سمجھ پاتے تھے تو انہیں اوپر سے ڈانٹ پڑتی تھی۔ چنانچہ سرسید احمد لکھتے ہیں۔

"جب صاحب کمشنر اور صاحب مجسٹریٹ کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے گورنمنٹ کو اطلاع دی۔ گورنمنٹ نے ان کو صاف صاف لکھا کہ تم کو اس معاملہ میں ہرگز دست اندازی نہیں کرنی چاہیے۔

کیوں کہ ان کا ارادہ کچھ گورنمنٹ انگریزی کے مقاصد کے خلاف نہیں ہے۔

(مقالات سرسید جلد ۹ مجلس ترقی ادب لاہور)

منشی شہامت علی (دہلی) نے تقویۃ الایمان از شاہ اسمٰعیل کا انگریزی ترجمہ کیا جو لندن سے چھپا۔ چنانچہ سرسید لکھتے ہیں۔

جن چودہ کتابوں کا ذکر ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ ان میں ساتویں کتاب تقویۃ الایمان ہے۔ چنانچہ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی (لندن) کے رسالہ (جلد ۱۳ - ۱۸۵۲ء) میں چھپا تھا۔ (مقالات سرسید جلد ۹ مجلس ترقی ادب لاہور)

عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن سے منظور شدہ ایک عربی مقالہ ڈاکٹریٹ میں ڈاکٹر قمرالنسا ایم اے لکھتی ہیں۔

پروفیسر محمد شجاع الدین صدر شعبۂ تاریخ دل سنگھ کالج لاہور متوفی ۱۹۶۵ء اپنے ایک خط بنام پروفیسر خالد بزمی لاہور میں لکھتے ہیں کہ انگریزوں نے تقویۃ الایمان کو مفت تقسیم کرایا تھا۔

(ترجمہ۔ العلامۃ فضل حق خیر آبادی مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور)

جہاد کے نام پر مسلم امراء سے جنگ۔ انگریزوں کے مضبوط دشمن پٹھانوں اور سکھوں سے جنگ۔ انگریزوں سے دوستانہ رسم وراہ۔ تقویۃ الایمان کا انگریزی ترجمہ۔ تقویۃ الایمان کی مفت تقسیم۔ کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا؟

بہرحال! میں سردست انہیں پانچ مشترک امور کی نشاندہی کر کے اس پہلو کی طرف پھر آپ کی توجہ مبذول کرا رہا ہوں کہ شیخ نجدی کے مسلک وہابیت کی دو بڑی شاخیں نکل آئیں اور انہوں نے علماء ومشائخ وامت مسلمہ کو مختلف خانوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔

اور عالم اسلام ابھی ان شاخوں کی قطع و برید ہی میں الجھا ہوا تھا کہ حفظ الایمان و براہین قاطعہ وتحذیر الناس جیسے اس کے زہریلے پھل بھی نکل آئے۔ جن کے مضر اثرات نے برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں کے جسم ہی نہیں بلکہ ان کی روح تک کو بتلائے امراض بنا ڈالا۔

ادھر ماضی قریب میں سعودی ریال کی فراوانی نے اس فتنۂ وہابیت اور اس کی شاخوں کو خوب خوب سیراب و تر و تازہ کیا۔ اور اسلام کے نام پر اس نے مراکز و معاہد کی شکل میں دنیا کے

بیشتر حصوں میں اپنے اڈے قائم کرلئے۔ اور وہاں اپنی خصوصی دعوت وتبلیغ وہابیت وسلفیت کی سرگرمیاں تیز تر کردیں۔

علماء اسلام نے بھرپور قوت کے ساتھ اس بلائے ناگہانی کا مقابلہ کیا۔ مسلمانان عالم کے جسم وروح میں سرایت کرتے ہوئے اس موذی سرطان کی روک تھام اور اس کے علاج کے لئے اپنی دینی و علمی توانائیاں صرف کردیں۔ اس کے مہلک جراثیم کے ازالہ وخاتمہ کی ممکنہ تدابیر اختیار کیں اور مادی وسائل کا روحانی طاقت کے ذریعہ جواب دیتے رہے۔

لیکن ان پُرآشوب حالات اور دشوار گزار مراحل نے روح اہل ایمان کو بے چین کردیا۔ ان کا اضطراب ایسا تھا جیسے کسی شخص کا آشیاں جل رہا ہو، گلستاں اجڑ رہا ہو اور وہ اپنی متاع حیات اپنی آنکھوں سے لٹتا ہوا دیکھ کر مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہا ہو۔ ؎

بلبل وگل گئے، گئے لیکن ہم کو غم ہے چمن کے جانے کا

پس روح اہل ایمان نے دیوانہ وار اپنے سرور وسلطان آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بناکر بارگاہِ الٰہی میں فریاد کی۔ امتِ مسلمہ کی زبوں حالی کی کرب ناک داستان زبان حال ومقال سے بیان کی۔ اور مجیب الدعوات کے حضور دست بدعا ہوکر قلب بریاں وچشم گریاں کے ساتھ اپنا استغاثہ پیش کیا۔

شوق ووارفتگی اور کرب واضطراب کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اس نے سب سے پہلے سلطان دارین محبوب رب کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود وسلام کی یہ نذر گزاری۔

ان نلت یا ریح الصبا یومًا الی ارض الحرم بلّغ سلامی روضۃ فیہا النبی المحترم

اور بڑے ہی سوز وگداز ورقتِ قلب کے ساتھ اس نے انیسِ بے کساں، چارہ سازِ دردمنداں، رحمتِ عالم وعالمیاں صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

بکارِ خویش حیرانم اغثنی یا رسول اللہ پریشانم پریشانم اغثنی یا رسول اللہ

ندارم جز تو ملجائے، ندارم جز تو ماوائے توئی خود ساز وسامانم اغثنی یا رسول اللہ

چو محشر فتنہ انگیزد، بلائے بے اماں خیزد بجویم از تو درمانم اغثنی یا رسول اللہ

گدائے آمدے سلطاں، بامید کرم نالاں تہی داماں مگردانم اغثنی یا رسول اللہ

گرفتارم رہائی دہ، مسیحا مومیائی دہ شکستم رنگ سامانم اغثنی یارسول اللہ

اور پھر انتہائی بے بسی کے ساتھ اس نے انکی دستگیری و فریادرسی کی درخواست کی۔

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقتِ دعا ہے امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

تاریخ اسلام کا ماضی و حال گواہ ہے کہ جب بھی کسی فتنہ نے سر اٹھایا۔ جب بھی تخریبی عناصر نے اسلام کے خلاف کوئی سازشی جال پھیلایا۔ جب بھی کسی گوشہ سے خرمنِ اسلام کو آگ لگانے کے لئے چنگاریاں بھڑکائی گئیں۔ اور جب بھی اشرار و اعداء نے قافلۂ اسلام پہ شب خوں مارنے کی تیاری کی۔ انہیں ایام میں پردۂ غیب سے کوئی نہ کوئی مردِ میدان نمودار ہوا۔ مسلم معاشرہ کے بطن سے کوئی نہ کوئی فرزندِ عظیم پیدا ہوا۔ کسی نہ کسی منفذ سے روشنی پھوٹی۔ کسی نہ کسی جہت سے کسی شیرِ نیستانِ اسلام کی دہاڑ گونجی۔ اور کوئی نہ کوئی صف در و صف شکن مجاہد شمشیر بکف ہو کر معرکۂ حرب و ضرب کی کمان سنبھال کر آگے بڑھا۔ جس کے نعرۂ حق اور ضرب یداللٰہی سے میدانِ وغا تھرا اٹھا۔ جس کی دعوتِ مبارزت سے صفِ اعداء میں ہلچل مچ گئی۔ اور جس نے لشکرِ باطل کی بساط اُلٹ دی۔ اس کے قلعہ میں شگاف ڈال دیا۔ اس کے ہر سازشی جال کو تارِ عنکبوت کی طرح بکھیر کر رکھ دیا۔ اور اس کی ظلمت کا پردہ چاک کر کے ہر طرف نورِ ایمان کا اجالا پھیلا دیا۔

زیادہ دور کیوں جایئے۔ عہدِ عباسی پر ایک نظر ڈالئے۔ مامون الرشید عباسی نے شاہی طمطراق اور سلطانی کروفر کے ساتھ فتنۂ خلقِ قرآن اٹھایا تھا۔ اور اس نے اپنی سطوت و صولت کی بنیاد پر خلقِ قرآن کا عقیدہ ماننے کے لئے علماءِ اسلام کو مجبور کرنا چاہا۔ ابن الوقت علماء کی کسی زمانہ میں کمی نہیں رہی ہے۔ انہوں نے اس فتنہ کی پشت پناہی کی۔ معدودے چند علماءِ حق اس فتنہ کے خلاف سینہ سپر رہے۔ جن کے سرخیل اپنے وقت کے عبقری فقیہ اور اسلام کے فرزندِ جلیل حضرت امام احمد بن حنبل (وصال جمعۃ المبارک بتاریخ ۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ) ہیں۔

امام احمد بن حنبل کی بے لباس پشت پر تازیانے برسائے گئے اور انہوں نے زخم پر زخم سہے مگر ان کی زبان سے یہی صدائے حق بلند ہوتی رہی۔ القرآن کلام اللہ غیر مخلوق۔ قرآن کلام الٰہی ہے، مخلوق نہیں ہے۔

مغلیہ دور حکومت پر ایک سرسری نظر ڈالیے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی (وصال ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) نے دور اکبری وجہانگیری کے فتنہ دین الٰہی اور اس کی باطل سرگرمیوں کا کس استقامت کے ساتھ مردانہ وار مقابلہ کیا۔ سلطانِ وقت کے سامنے سر جھکانے سے انکار کی پاداش میں قید وبند کی صعوبتوں سے گزارے گئے مگر آپ کے پائے ثبات واستقامت نے ذرا بھی لرزش ولغزش نہ کھائی۔ اور وہ اپنا زبان وعمل اور مکتوبات کے ذریعہ غیر اسلامی حرکات و منکرات کی بیخ کنی اور اسلامی اصول ونظریات کا پوری قوت سے تحفظ ودفاع کرتے رہے۔

حکومت وقت کے سامنے امام احمد حنبل اور مجدد الف ثانی کسی طرح نہ مرعوب وخائف ہوئے اور نہ انہوں نے اس کے جبروت ودبدبہ کی کوئی پرواہ کی۔ شدائد وآلام سے دوچار اور اسیرِ زنداں ہوکر بظاہر تو وہ مجبور وبے بس نظر آتے تھے لیکن چشم حقیقت سے اگر دیکھا جائے تو شاہی رعب وجلال خود ان کے سامنے بے بس اور سرنگوں ہوگیا تھا کیوں کہ افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر پر عمل کرکے انہوں نے اپنے ایمانی عزم وصلابت کا ایسا جیتا جاگتا نمونہ پیش کیا کہ امراء وحکام بھی دم بخود رہتے۔

ایسے ہی شیرانِ حق کا مجاہدانہ کردار دیکھ کر یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ ؎

آئین جواں مرداں حق گوئی وبے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

○○

برطانوی استعمار کے زیر اثر خطہ نجد سے اٹھنے والا بگولہ جس طرح حجاز مقدس پر طوفان کی طرح چھا گیا اور حرمین شریفین پر آل سعود[۱] نے جس طرح پنجہ گاڑا اس کی تاریخ بھی کچھ کم انسانیت سوز اور دردناک نہیں۔ خطۂ نجد کے ساتھ ۱۹۲۵ء میں پورے حجاز مقدس پر آل سعود کا قبضہ ہوا۔ سیکڑوں علماء ومشائخ اور ہزاروں مسلمان تہ تیغ کردیے گئے۔ مساجد ومشاہد ومقابر کی جس پیمانہ پر بے حرمتی اور شکست وریخت ہوئی۔ جنت المعلیٰ وجنت البقیع کو جس طرح کھنڈر میں تبدیل

---

[۱] برطانوی استعمار کی سازش کے تحت آل سعود کی حکمرانی اور اس کے مظالم کی مستند تاریخ پڑھنی ہو تو مولانا مفتی محمد عبد القیوم قادری ہزاروی ناظم اعلیٰ جامعہ نظامیہ لاہور کی مشہور کتاب "تاریخ نجد وحجاز" مطبوعہ پاک وہند کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔ اختر مصباحی

کیا گیا وہ تاریخ حجاز کے صفحات پر خون بن کر جذب ہو چکا ہے اور اس کی سرخی اب بھی قلب مسلم کو خون کے آنسو رلاتی ہے۔

شیخ ابن تیمیہ حرانی متوفی ۷۲۸ھ اور شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی متوفی ۱۲۰۶ھ/۱۷۹۲ء کی منحرفانہ فکری و نظریاتی اساس پہ حکومت سعودی عرب کا قیام عمل میں آیا۔ اور اسی فکر و مسلک کے مبلغ و ترجمان کی حیثیت سے ساری دنیا میں اس کی شہرت اور سرگرمی ہے۔

جو حضرات سعودی فکر و مزاج سے کسی حد تک بھی واقف ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مملکت سعودیہ محض حرص اقتدار و ہوس حکمرانی کی پیداوار ہے اور اسلام کا نام تو وہ صرف زیب داستان کے لئے استعمال کرتی ہے۔ مزید برآں اہل مملکت پر پابندی و قدغن کا حال یہ ہے کہ آج بھی ہر سعودی باشندہ زبان حال سے یہ فریاد کرتا ہوا نظر آتا ہے کہ ؎

یہ دستور زباں بندی ہے کیسا تیری محفل میں ۔۔۔ یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

مملکت سعودی عرب دو حصوں پر مشتمل ہے۔

(۱) نجد۔ جس میں ریاض، ظہران، دمام، الخبر، احساء، عسیر، قطیف وغیرہ ہیں۔

(۲) حجاز۔ جس میں مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ، طائف، جدہ وغیرہ ہیں۔

آل سعود کا آبائی وطن شہر ریاض سے متصل درعیہ (نجد) اور شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کا عینیہ (نجد) ہے۔

نجدی عموماً جنگجویانہ فطرت رکھتے ہیں اور شقاوت و بدبختی ان کی تاریخ کا ایک بڑا حصہ ہے ذوالخویصرہ تمیمی و مسیلمہ کذاب نجد ہی کے رہنے والے تھے۔

حجاز کی غالب اکثریت سنی مسلمانوں پر مشتمل ہے جو ائمۂ اربعہ میں سے کسی ایک کے مقلد ہیں۔ ساتھ ہی وہابی تحریک و سعودی اقتدار سے بیزار بھی ہیں۔

حکومتی محکمہ جات و اداروں پر سعودیوں کا غلبہ ہے جس کے حجازی مخالف ہیں۔ اور انہیں اچھی طرح یاد ہے کہ ملک عبد العزیز بن سعود نے ۱۹۲۵ء میں حجاز پر قبضہ کے وقت عالم اسلام سے وعدہ کیا تھا کہ وہ حجاز اہل حجاز کے حوالہ کر دیں گے مگر یہ واجب الایفاء وعدہ آج تک پورا نہ ہو سکا۔

اہل حجاز سعودی جبر و تشدد کے خوف سے اس کے خلاف کوئی منظم تحریک نہیں چلا پاتے۔

البتہ اپنے اضطراب کے اظہار کے لئے مجلسِ شوریٰ کی تشکیل جیسے مطالبات وقتاً فوقتاً کرتے رہتے ہیں۔ جس کے جواب میں آلِ سعود کی جانب سے انہیں طفل تسلیاں دی جاتی رہتی ہیں۔ اور سے

خواب سے بیدار ہوتے ہیں حجازی جب کبھی پھر سُلا دیتی ہے ان کو نجدیوں کی ساحری

OO

تقریباً پندرہ سال پہلے کی بات ہے۔ سعودی جاسوسوں نے اپنی حکومت کو یہ اطلاع دی کہ مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ میں گھر گھر محافلِ میلاد شریف کا رواج بڑھتا جارہا ہے۔ مخبروں نے بیشمار گھروں کی نشاندہی بھی کی جس کے بعد سعودی پولیس حرکت میں آئی۔ اور بزمِ میلادِ رسول منعقد کرنے کی پاداش میں سیکڑوں غیر سعودی مسلمان جو پچاس پچاس سال سے وہاں ملازم و مقیم تھے انہیں جبراً ملک بدر کردیا گیا۔ درجنوں مقامی شہریوں کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ اور کئی ممتاز شہریوں کو زجرو توبیخ کرکے ان کے گھروں کی محافلِ میلاد پر پابندی عائد کردی گئی۔

حجازِ مقدس کے سب سے معروف و جلیل القدر اور بااثر عالمِ دین فضیلۃ الشیخ سید محمد بن علوی بن عباس مالکی مکی استاذ حدیث مسجد حرام مکہ مکرمہ کے گھرانے کا قدیم معمول یہ تھا کہ روزانہ شب میں محفلِ میلاد کا انعقاد ہوتا اور اختتامِ محفل پر حاضرین کی ضیافت کی جاتی۔ مخبروں کی اطلاع پر آپ سے بھی پوچھ تاچھ کی گئی۔ اور نہ صرف یہ کہ آپ کے گھر کی محفل میلاد پر پابندی عائد کی گئی بلکہ مسجد حرام شریف میں روزانہ ہونے والے درسِ حدیث کا سلسلہ بھی بند کرادیا گیا۔ اور آپ کے غیر ملکی اسفار بھی پابندی کی زد میں آگئے۔

حکومت سعودیہ کے اس روایتی جابرانہ اقدام پر اہلِ حجاز اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ سے

بہ لوحِ تربتِ من یافتند از غیب تحریرے کہ ایں مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیرے

رفتہ رفتہ حالات میں نرمی اور دار و گیر میں کمی آئی۔ اس درمیان شیوخ و علماءِ نجد نے سید محمد بن علوی مالکی کو علمی و فکری سطح پر اپنا خصوصی نشانہ بنایا۔ کیوں کہ حجازِ مقدس میں آپ کی دینی وجاہت، علمی شخصیت اور ہمہ گیر مقبولیت ان کے لئے سوہانِ روح سے کم نہیں۔

عالمِ اسلام میں بھی سید محمد بن علوی مالکی کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یمن، انڈونیشیا، ملیشیا وغیرہ میں بھی آپ کے ہزاروں تلامذہ و متبعین پھیلے ہوئے ہیں۔ اس لئے نجدی

علماء نے آپ کو زیر کرنے کی ہر ممکن سعی کی۔ اپنے حکومتی اثرات کا سہارا لے کر آپ کو خاموش کرنا چاہا۔ کئی ایک مباحثے کئے۔ آپ کے خلاف مضامین اور کتابیں شائع کر کے مفت تقسیم کی گئیں۔ اور آپ کو دل کھول کر مبتدع وضال کہا گیا۔

الذخائر المحمدیة جو آپ کی مشہور تالیف ہے۔ جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد ومحاسن، فضائل وکمالات، خصائص وامتیازات پر ایمان افروز مواد جمع کر دیا گیا ہے۔ اس کے خلاف بھی واویلا مچایا گیا۔ اور نجدی حلقوں سے اس کتاب پر زبردست حملے کئے گئے۔ خصوصیت کے ساتھ شیخ عبداللہ بن سلیمان بن منیع نے شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کی تحریک پر سید محمد بن علوی مالکی پر اعتراضات واتہامات کی بوچھار کر دی۔ ابن منیع کی کتاب حوار مع المالکی فی رد منکراتہ وضلالاتہ، اور اس کا اردو ترجمہ "علوی مالکی سے دو دو باتیں" جو راقم سطور کے پاس بھی موجود ہیں۔ انہیں سعودی عرب کی جانب سے پوری دنیا میں بڑے پیمانہ پر مفت تقسیم کیا گیا۔

فضیلۃ الشیخ سید محمد بن علوی مالکی کی دینی حمیت اور ان کا جذبہ محبت رسول یوں تو پہلے بھی بیدار ہی تھا لیکن اب وہ غیرتِ عشق کے مرحلہ میں داخل ہو گیا۔ اور آل الشیخ (خاندان شیخ نجدی) و۔ آل السعود کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہیں للکارتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

سنو! اے ظالمو! اور نادانو! — اور اپنی زبان وقلم کو اپنے قابو میں رکھو۔ کتاب وسنت پر مبنی مسلک اہل سنت وجماعت جس پر میں اور اہل حجاز گامزن ہیں۔ یہ مسلک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخلفاء راشدین واہل بیت اطہار وصحابہ کرام وتابعین وتبع تابعین وائمہ اربعہ ومفسرین ومحدثین وفقہاء وعلماء اسلام کے ذریعہ متوارث طور پر ہم تک پہنچا ہے۔ اسی مسلک سے وابستہ مسلمان سواد اعظم ہیں اور یہی مسلک صراط مستقیم ہے۔ سلف صالحین اسی جادۂ حق پر چل کر جوار رحمت باری کی نعمتوں سے ہمکنار ہوئے ہیں۔ اور انہوں نے ہمیں بھی اسی مذہب مہذب اہل سنت وجماعت کا دامن مضبوطی سے تھامے رہنے کی تاکید وہدایت فرمائی ہے۔ اس لئے ہم اپنے کسی بھی موقف سے دستبردار ہونے کے لئے کسی بھی قیمت پر تیار نہیں۔ یہ ہمارا محکم اور ناقابل تزلزل فیصلہ ہے۔ اور اس کی صحت پر ہمارا بھرپور یقین واذعان ہے۔

تم ہمیں اصلاح کی دعوت نہ دو۔ بلکہ خود اپنی اصلاح کرو۔ اور اپنے انحراف و کجروی کو چھوڑ کر سلف صالحین کی راہ پر آجاؤ۔ امت مسلمہ کے ساتھ بدگمانی اور اس پر بے بنیاد الزاماتِ شرک و بدعت لگانے کی پرانی روش چھوڑ دو۔ اور اگر یہ نہیں کر سکتے تو اللہ کے بندوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اسی میں تمہاری عافیت اور بھلائی ہے۔

مجھ سے تمہیں کوئی بات منوانی ہے تو اس کا صرف ایک طریقہ ہے اور اس سے الگ ہٹ کر کسی بھی جبر و قہر اور حکومت و اقتدار کے بل پر تم مجھ سے کوئی بات نہیں منوا سکتے۔ یہ طریقہ کوئی نیا نہیں بلکہ پرانا ہے جسے امام احمد بن حنبل نے عباسی خلیفہ معتصم باللہ کو بتایا تھا۔ اور فتنۂ خلق قرآن کے جواب میں فرمایا تھا۔

اعطونی شیئا من کتاب اللہ او من سنۃ رسولہ حتی اقول بہ۔

مجھے کتاب اللہ کی کوئی آیت یا رسول اللہ کی کوئی سنت دکھاؤ۔ تب میں تمہاری بات مان سکتا ہوں۔

یہ ہے وہ اعلانِ حق جو قلب حجاز مکہ مکرمہ میں بیٹھ کر سید محمد بن علوی مالکی نے کیا اور قیام حکومت سعودی عرب کے بعد اس جذبۂ حق گوئی و قوتِ ایمانی کا اظہار اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کے حصہ میں مقدر کر رکھا تھا۔ جس کا ثبوت آپ کی شہرۂ آفاق کتاب مفاهیم یجب ان تصحح (مطبوعہ قاہرہ مصر۔ ۱۴۰۵ھ ۱۹۸۵ء) ہے۔

سید محمد بن علوی مالکی نے مفاهیم یجب ان تصحح (اصلاح فکر و اعتقاد) لکھ کر اعلاء کلمۂ حق کا عظیم ترین فریضہ انجام دیا ہے۔ اور فکری و تاریخی تسلسل کے ذریعہ مسلک اہل سنت و جماعت کو مدلل و مبرہن انداز میں پیش کر کے اہل حجاز اور عالم اسلام کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر دیا ہے۔ اور ثابت کر دیا ہے کہ اہل حجاز خادمِ اسلام اور اہل نجد ہادمِ اسلام ہیں۔ اہل حجاز متبع اور اہل نجد مبتدع ہیں۔

مفاهیم کے اندر جن موضوعات پر تحقیقی بحث کی گئی ہے ان میں سے چند یہ ہیں۔

مقام خالق و مخلوق کا فرق۔ حقیقت و مجاز اور ان کے استعمال کا فرق۔ عبادت و تعظیم کا فرق۔ شرک کی حقیقت۔ مومن کا قول و عمل۔ بدعتِ حسنہ و سیئہ۔ تکفیر و تضلیل و تفسیق مسلمین سے تحذیر۔ توسل بالانبیاء والصالحین پر امتِ مسلمہ کا اجماع۔ توسل بآثار الانبیاء والصالحین کا ثبوت۔

استعانت واستغاثہ بغیر اللہ کا جواز۔ میدانِ محشر میں توسل وشفاعت۔ خصائصِ رسول۔ تبرکات رسول کی فضیلت۔ زیارتِ نبوی کا استحباب۔ سفرِ زیارت قبور کا جواز۔ انبیاء کی برزخی زندگی۔ حدیث لا تشد الرحال کا صحیح مطلب۔ قبرِ نبوی شریف کے نزدیک دعا کا جواز۔ آثار ومشاہد انبیاء و صالحین کے تحفظ وزیارت کا جواز۔ موئے مبارک۔ لباس مبارک ونعلین مبارک وغیرہ کی برکتیں۔ گنبد خضرا کا جمال۔ میلادِ نبوی و محافل دینی کا جواز وغیرہ وغیرہ۔

مفاہیم کے اندر جن مسلم ممالک کے مشہور علماء کی تحریری تصدیقات وتقریظات شامل ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔

سعودی عرب۔ یمن۔ مصر۔ مراکش۔ تونس۔ سوڈان۔ کویت۔ بحرین۔ پاکستان۔ متحدہ عرب امارات۔ چاڈ۔ موریتانیہ وغیرہ۔

سید محمد بن علوی مالکی نے مفاہیم کے اندر بڑا ہی داعیانہ وحکیمانہ اسلوب اختیار کیا ہے۔ کتاب وسنت وآثار صحابہ واقوال ائمہ سے اپنے موقف کا اثبات کیا ہے۔ ساتھ ہی جگہ جگہ شیخ ابن تیمیہ وشیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی جن کے اہل نجد وآل سعود متبع ومقلد ہیں۔ ان کی آراء وعبارات بھی پیش کی ہیں۔ جو نہایت حکیمانہ اسلوب دعوت وماہرانہ طرز گفتگو ہے۔

متانت واعتدال اور علم وتحقیق کے جلوے آپ کو اس کتاب کے ورق ورق پر بکھرے نظر آئیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ عرب وعجم کے مشاہیر علماء وفضلاء نے بشاشتِ قلب کے ساتھ اس کی تائید وتوثیق کی ہے۔ اور خراج تحسین پیش کیا ہے۔

عالم اسلام کے مقتدر ارباب فضل وکمال نے سید محمد بن علوی مالکی کی اس کتاب کو جس طرح ہاتھوں ہاتھ لیا اور دینی وعلمی حلقوں میں جس والہانہ انداز سے اس کی پذیرائی ہوئی اس کی مثال ایسی ہے جیسے بے شمار مریض کسی حکیم حاذق اور بے شمار مسافر کسی سچے راہبر کی تلاش میں سرگرداں ہوں اور اچانک ان کے سامنے کوئی مسیحا نفس انسان اور خضر راہ نظر آجائے جس پر نگاہ پڑتے ہی ان کی ڈوبتی نبضیں پلٹ آئیں اور ظلمتِ شب میں انہیں روشنی کا بلند مینار نظر آجائے۔

سید محمد بن علوی مالکی کے مقدس خاندانی پس منظر، دینی خدمت، علمی جلالت، فکری صلابت، فنی مہارت، بصیرت وبصارت، اسلوب دعوت، حکمت وموعظت، تقویٰ وطہارت، اور اخلاص وللہیت

کے جگمگاتے گوشوں پر اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی بجائے میں بہتر یہی سمجھتا ہوں کہ آپ بلند پایہ علماء و مشائخ کی تصدیقات و تقریظات کا مطالعہ فرمائیں۔ انشاء اللہ بطور خود آپ وہ سب کچھ سمجھ لیں گے جن کی میں نشاندہی کر سکتا ہوں۔ ع جو کچھ کہا تو ترا حسن ہو گیا محدود

مجھے تو مفاہیم کی سطر سطر میں دینی فکر و بصیرت کا نقطۂ کمال، مجاہدانہ جرأت و استقلال اور دعوتِ حکمت و موعظتِ حسنہ کا جمال نظر آرہا ہے۔ اور ہر موضوع و مبحث اپنی روحِ جامعیت، اصابتِ فکر، اظہارِ مدعا، طرزِ بیان، احقاقِ حق، ابطالِ باطل، اور تاثیر و نفوذ کے اعتبار سے اس آیت کریمہ کی عملی تفسیر پیش کر رہا ہے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۔ (نحل - ۱۲۵)

مفاہیم یجب ان تصحح (اصلاح فکر و اعتقاد) مؤلفہ فضیلۃ الشیخ سید محمد بن علوی مالکی مکی کے ابتدائی صفحات میں جو تصدیقات و تقریظات ہیں۔ ان میں پاکستان کے کئی ایک مشہور دیو بندی علماء کی تصدیقات بھی شامل ہیں۔ جنہوں نے شاید وقت کا تیور پہچان لیا ہے اور سعودی عرب کے غیر یقینی سیاسی حالات نے انہیں چوکنا کر دیا ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ اکابر علماء دیو بند کی ان تحریروں کی نشاندہی کر دی جائے جن میں انہوں نے مسلک اہل سنت کی تائید اور وہابیت کی تردید میں کھل کر اظہار خیال کیا ہے۔

چنانچہ ایک مشہور دیو بندی عالم مولانا محمد عبد الرحمن حقانی ہزاروی (خطیب و امام مسجد صدیق اکبر۔ راولپنڈی۔ پاکستان) خلیفہ امیر تبلیغی جماعت مولانا محمد زکریا کاندھلوی۔ مفاہیم کی تصدیق کرتے ہوئے پُر زور انداز میں لکھتے ہیں۔

امابعد: فقد طالعنا کتاب - مفاهیم یجب ان تصحح، لفضیلة العلامة الجلیل السید محمد بن علوی المالکی المکی، فوجدناه ماشاء الله ولا قوة الا بالله - کتابا قیما - جمع فیه فوائد متنوعة باسلوب نفیس - ملتزما بوقار العلماء ونهج الحکماء - فجزاه الله خیرا کثیرا۔

و وجدنا ان كل ما فيه هو فى الجملة ما عليه علماء اهل السنة و الجماعة سلفا وخلفا. وهو الذى وجدنا عليه مشائخنا من المحدثين و المفسرين والفقهاء المحققين. كمسند الهند الامام الشاه ولى الله الدهلوى الفاروقى وانجاله الغرالميامين و تلامذتهم.

ثم الامير المجاهد الامام العارف بالله الشيخ امداد الله الفاروقى المهاجر المكى و رفقاءه. و الشمس النيرين حجة الاسلام الامام محمد قاسم النانوتوى، وقطب الارشاد الامام رشيد احمد الكنكوهى. و حكيم الامت الامام الشاه اشرف على التانوى الفاروقى. وشيخ الاسلام السيد حسين احمد المدنى الحسينى. وقطب الاقطاب بركة العصر شيخ الحديث الامام محمد زكريا الكاندهلوى ثم المهاجر المدنى. قدس الله سرهم — وغيرهم من اعيان علماء اهل السنة و الجماعة بشبه القارة الهندية.

وجل كتبهم و رسائلهم طافحة ببيان هذه المسائل. ولاسيما الرسالة القيمة "المهند على المفند" للامام المحقق الجليل العلامة الشيخ خليل احمد المحدث السهارنفورى الانصارى. وقد قرظها عامة العلماء الكبار فى ذلك العصر. و غالبها فى بيان هذه المسائل المذكورة فى كتاب المفاهيم.

و ان اختلفت العبارات وتنوعت اساليب الكتابات الا ان المقصود واحد. والمعنى هو هو بعينه. كما يقول الشاعر.

عباراتنا شتى وحسنك   وكل الى ذلك الجمال يشير

(ص ۵۷ مفاهیم یجب ان تصحح. الطبعة الثالثة ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء. وزارۃ الاوقاف و الشئون الاسلامية بدولة الامارات العربية المتحدة)

مذکورہ بالا تصدیق میں مولانا محمد عزیز الرحمٰن حقانی خلیفہ مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے پوری صراحت و وضاحت کے ساتھ چار باتیں کہی ہیں۔

(۱) سید محمد بن علوی مالکی کی وقیع اور عالمانہ کتاب مفاهیم یجب ان تصحح۔ جمہور علما اہل سنت وجماعت کے مسلک کے مطابق ہے۔

(۲) ہمارے مشائخ مثلاً مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا محمد زکریا کاندھلوی اور برصغیر ہندوستان کے دیگر اکابر علما اہل سنت وجماعت کا یہی مسلک تھا۔

(۳) المهند علی المفند مؤلفہ مولانا خلیل احمد انبیٹھوی سہارنپوری جس پر اکابر علماء دیوبند کی تصدیقات ہیں۔ اس کے بیشتر مسائل وہی ہیں جو مفاہیم یجب ان تصحح میں مذکور ہیں۔ اکابر علماء دیوبند کے دوسرے رسائل وکتب میں بھی یہ مسائل بیان کئے گئے۔

(۴) اسلوب تحریر اور عبارتوں میں اختلاف ہوسکتا ہے مگر مقاصد ومطالب دونوں کے ایک ہی ہیں۔

شیخ تقی الدین ابن تیمیہ حرانی (متوفی ۲۰ رذوالقعدہ ۷۲۸ھ مطابق ۴ر اکتوبر ۱۳۲۸ء) کے فکری ومعنوی فرزند شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی (متوفی ۱۲۰۶ھ / ۱۷۹۲ء) اور شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی سیاسی اولاد آل سعود نے جب جزیرۃ العرب میں برطانوی استعمار کی پشت پناہی میں سیاسی غلبہ واقتدار حاصل کرنے کے لئے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے نام پر اپنی ریشہ دوانیوں اور شورشوں کا سلسلہ تیز کیا تو عالم اسلام میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ ایشیاء و افریقہ کے مسلم ممالک اور وہاں کے مسلمانوں نے اپنے سخت اضطراب وبرہمی کا اظہار کیا۔ برصغیر ہندوستان کے غیرت مند مسلمان اس سلسلے میں پیش پیش تھے۔ اسی دوران کچھ حلقوں کی طرف سے آواز اٹھی کہ علماء دیوبند وہابیت کے حامی ومؤید ہیں۔

جس کی تائید خود انہیں کی زبانی انہیں کی بیان کردہ اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے جامع حالات مولانا اشرف علی تھانوی خواجہ عزیز الحسن صاحب نے تحریر کیا ہے۔

• دارالعلوم دیوبند کے ایک بڑے جلسہ دستار بندی میں بعض حضرات اکابر نے ارشاد فرمایا کہ اپنی جماعت کی مصلحت کے لئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کئے جائیں تاکہ اپنے مجمع پر جو وہابیت کا شبہ ہے وہ دور ہو اور موقعہ بھی اچھا ہے۔ کیونکہ اس وقت مختلف طبقات کے لوگ موجود ہیں۔

حضرت والا (مولانا اشرف علی تھانوی) نے باادب عرض کیا کہ اس کے لئے روایات کی ضرورت ہے اور وہ روایات مجھ کو مستحضر نہیں۔ (ص ۶، حصہ اول اشرف السوانح۔ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر)

اپنے خلاف بنتا ہوا ماحول دیکھ کر علماء دیوبند نے صفائیاں دینی شروع کیں۔ چنانچہ مولانا اسعد مدنی صدر جمعیۃ العلماء ہند کے والد مولانا حسین احمد مدنی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند سہارنپور جو کئی سال تک حرمین شریفین میں رہ چکے تھے وہ اپنے مشاہدات و مسموعات و مطالعات کا یہ خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

"صاحبو! محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتدائے تیرہویں صدی میں نجد عرب سے ظاہر ہوا اور چونکہ خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا اس لئے اس نے اہل سنت وجماعت سے قتل و قتال کیا۔ اور ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکلیف دیتا رہا۔ اور ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھا گیا۔ ان کے قتل کو باعث ثواب و رحمت شمار کرتا رہا۔

اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً اس نے تکالیف شاقہ پہنچائیں۔ سلف و صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی وبے ادبی کے الفاظ استعمال کئے۔ بہت سے لوگوں کو بوجہ اس کی تکالیف شدیدہ کے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کو چھوڑنا پڑا اور ہزاروں آدمی اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

الحاصل! وہ ایک ظالم و باغی، خونخوار فاسق شخص تھا"

(ص ۵۰۔ الشہاب الثاقب از مولانا حسین احمد مدنی۔ مطبع قاسمی دیوبند سہارنپور)

مشہور دیوبندی محدث مولانا انور شاہ کشمیری شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند سہارنپور کا خلاصۂ مطالعہ یہ ہے۔

اما محمد بن عبد الوهاب النجدی فانه کان رجلا بلیدا قلیل العلم فکان یتسارع الی الحکم بالکفر۔ (ص ۱۷۰ جلد اول فیض الباری مطبوعہ دیوبند)

محمد بن عبدالوہاب نجدی ایک غبی اور کم علم شخص تھا۔ حکم کفر لگانے میں جلد بازی سے کام لیا کرتا تھا۔

مولانا خلیل احمد انبیٹھوی سہارنپوری نے درجنوں مسائل پر مشتمل ایک کتاب المهند علی المفند لکھی جس میں یہ بتلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ہمارا مسلک وہابی نہیں بلکہ اہل سنت وجماعت

کے مطابق ہے۔ اور اسی میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی اور ان کے متبعین کے بارے میں ہم وہی کہتے ہیں جو صاحب رد المحتار[1] نے لکھا ہے۔ (یعنی وہابی فرقہ خارجی ہے) ص ۱۹۔ المہند علی المفند مطبع قاسمی دیوبند سہارنپور مطبوعہ ۱۹۲۶ء میں یہ حکم مرقوم و موجود ہے۔ اور اس المہند کی تصدیق کرنے والے چند اکابر علماء دیوبند کے نام یہ ہیں۔

(شیخ الہند) مولانا محمود الحسن دیوبندی صدر المدرسین دار العلوم دیوبند۔ مفتی عزیز الرحمٰن مفتی دار العلوم دیوبند۔ مولانا اشرف علی تھانوی۔ مولانا عبد الرحیم رائے پوری۔ مفتی کفایت اللہ دہلوی صدر جمعیۃ العلماء ہند۔ مولانا حافظ محمد احمد مہتمم دار العلوم دیوبند فرزند مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ مولانا مسعود احمد فرزند مولانا رشید احمد گنگوہی۔ مولانا حبیب الرحمٰن دیوبندی۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی۔ وغیرہم۔

مولانا حسین احمد مدنی نے الشہاب الثاقب میں پچیسوں وہابی عقائد باطلہ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اہل حرمین کو نجدی وہابیوں سے اتنی شدید نفرت ہے کہ یہود و نصاریٰ سے بھی اتنی زیادہ نفرت نہیں ہے۔

مولانا خلیل احمد انبیٹھوی نے المہند علی المفند لکھ کر مسلک اہل سنت کی تائید کے لئے علماء دیوبند کی تصدیق حاصل کی اور اسے علماء حجاز کی خدمت میں پیش کیا۔

اب مولانا عزیز الرحمٰن حقانی ہزاروی و دیگر پاکستانی دیوبندی علماء نے پرانی تاریخ دہرائی ہے اور آل سعود کی ڈوبتی ہوئی سیاسی کشتی اور تلاطم خیز موجوں کا تیور دیکھ کر اپنا رُخ بھی بدلنا شروع کر دیا ہے اور موقع ملتے ہی یہ حضرات اس کشتی سے جلد ہی چھلانگ بھی لگا دیں گے۔ یہ فنکارانہ و ماہرانہ چابکدستی اپنی جگہ۔ لیکن ہم صرف اتنا عرض کریں گے کہ مسلک اہل سنت

---

[1] شیخ سید محمد امین معروف بہ علامہ ابن عابدین شامی مولف رد المحتار (ولادت ۱۱۹۰ھ وصال ۱۲۵۲ھ) ان کے بارے میں لکھتے ہیں ـــ جیسا کہ ہمارے زمانہ میں پیش آیا ہے کہ نجد سے ابن عبد الوہاب کے متبعین نکلے اور انہوں نے حرمین پر قبضہ کیا۔ وہ اپنے کو اگرچہ حنبلی کہتے ہیں مگر ان کا عقیدہ ہے کہ مسلمان صرف وہی ہیں۔ جو بھی ان کے عقائد کے خلاف ہو وہ مشرک ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے اہل سنت اور ان کے علماء کے قتل کو مباح سمجھ لیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قوت و شوکت توڑ دی۔ ۱۲۳۳ھ میں مسلمان افواج کو ان پر فتح دی اور ان کے وطن کو تاراج کر دیا۔ (عربی سے ترجمہ ص ۳۹ باب البغاۃ جلد سوم رد المحتار شرح الدر المختار مطبوعہ ۱۲۴۹ھ)

کو جس طرح ایک صدی سے قتل کیا جاتا رہا ہے اور مظلوموں کے سینوں کو تختۂ مشق بنایا گیا ہے۔ یہ سب خون ناحق کسی نہ کسی دن ضرور رنگ لائے گا۔

قریب ہے یارو! روز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

○○

چند سطروں میں کچھ تمہیدی کلمات لکھنے کے لئے میں نے قلم اٹھایا تھا مگر بات کچھ لمبی ہو گئی اور قارئین کا میں نے اچھا خاصا قیمتی وقت خود لے لیا۔ اب میں کتاب اور قارئین کے درمیان حائل نہیں رہنا چاہتا۔ آپ کتاب کے اوراق الٹتے جایئے اور اندازہ کرتے جایئے کہ اسلاف کرام کے دامن سے آپ کا رشتہ کتنا قوی سے قوی تر ہوتا جا رہا ہے۔ معارفِ کتاب وسنت سے آپ کی عقل کو جلا ملتی جا رہی ہے اور دل روشن ہوتا جا رہا ہے۔ چشم تصور میں آپ وادیٔ بطحا کی سیر کر رہے ہیں جہاں نفوس قدسیہ کے جھرمٹ میں ہر چہار جانب رحمتوں کا ہجوم ہے اور آپ کا سارا وجود عالم قدس کے جلووں میں گم ہے۔ حجاز مقدس کی ٹھنڈی نسیم چل رہی ہے جس سے آپ کا قلب وذہن معطر ہے اور روحانی بالیدگی اپنے شباب پر ہے۔ ہدایت کے چشمے پھوٹ رہے ہیں اور آپ اپنے جسم وروح کے ساتھ ان میں غوطہ زن ہیں۔ سعادت وارجمندی کی صبح نمودار ہو رہی ہے جس میں آپ تازگی وتوانائی کے ایک نئے احساس کے ساتھ بیدار ہو رہے ہیں۔ اور اس نغمۂ ربانی کی نوا سنجی میں آپ کے لب سرشار ہیں کہ۔

وَ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ (اسراء - ۸۱)
اور فرماؤ کہ حق آیا اور مٹ گیا باطل۔ بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا۔

اللھم ارنا الحق حقا و الباطل باطلا۔ و لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا و اھدنا الصراط المستقیم۔ و اٰتنا فی الدنیا حسنة و فی الاٰخرة حسنة۔ و امتنا و احشرنا مع الصالحین۔ و ادخلنا فی جنات النعیم۔ اٰمین۔

وصلی اللہ علیٰ حبیبك سید المرسلین وعلیٰ اٰله و اصحابه اجمعین۔

○○

یٰسٓ اختر مصباحی بانی و مہتمم دار القلم دہلی۔ دوشنبہ، ۲۶ رمضان ۱۴۱۵ھ مطابق ۲۶ فروری ۱۹۹۵ء

تقدیم

فضیلۃ الشیخ حسنین محمد مخلوف

مفتی الدیار المصریۃ السابق وعضو جماعۃ کبار العلماء

بالازہر الشریف (القاہرۃ) وعضو رابطۃ العالم الاسلامی بمکۃ المکرمۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ والتابعین۔

امابعد: علامہ محقق جلیل فضیلۃ الاستاذ سید محمد بن علوی مالکی کی یہ عظیم کتاب متعدد مفید و اہم مباحث و مہتم بالشان موضوعات پر مشتمل اور دَورِ حاضر کے ان مسلمانوں کے لئے بے حد نفع بخش ہے۔ جنہیں دینی عقائد کے اثبات و وضاحت اور اسلام کی خدمت کے لئے عام احکام اور اہم معلومات سے گہری واقفیت کی شدید ضرورت ہے۔ اور موعظت حسنہ کے ذریعہ عہد حاضر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت اور طریقہ کی طرف دعوت دینے کی حاجت ہے جس کی برکت سے آپ نے امت اسلامیہ کو خیر کثیر اور نفع عظیم سے مالامال فرمایا۔

آج اسلام کو بہت سے اعداء و مخالفین سے نبرد آزما ہونا پڑ رہا ہے، جو اسلام و اہل اسلام کے خلاف اپنی کوشش و سازش کو کامیاب بنانے کے لئے طرح طرح کے گمراہ کن نظریات اور جھوٹے پروپگنڈوں کا سہارا لے رہے ہیں۔

ایسے عالم میں اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں پر روشنی بکھیر رہا ہے اور اس نے اس عالم و فاضل محمد بن علوی مالکی کو توفیق بخشی کہ وہ اسلام کی دعوت پھیلانے، اس کے مسائل کی تحقیق کرنے، علم کو فروغ دینے، اہم موضوعات پر علمی تحقیق کرنے اور ان کے فوائد و منافع

عام کرنے میں مصروف ہیں جس سے دعوت وہدایت اور مومنانہ فہم وفراست کا صحیح رخ متعین ہوتا ہے اور اختلاف وانتشار ونزاع ومکابرہ کی جڑیں کٹ جاتی ہیں۔

اس کتاب (مفاھیم یجب ان تصحح) کے مباحث سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب حجت وبرہان اور کلام وبیان صادق ہے۔ اس کے اندر مسلمانوں کی عزت اور ان کا وقار ہے۔ دیانت دارانہ اور جامع تحقیق ہے۔ اور اس دور میں اس کی نشرواشاعت اسلام کی سرفرازی اور دشمنان اسلام کی سازشوں کے سدباب کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔

مؤلف کتاب (حفظہ اللہ) نے دیار اسلام ومسلمین کے اندر حق کے قیام وغلبہ، شاطر وعیار مخالفین کے رد بلیغ، متعدد اہم مسائل میں صحیح معانی ومفاہیم کی معرفت اور ہر غلط مفہوم ومقصود کی تغلیط وابطال کے بیان واضح میں اپنے وفور علم، کثرتِ مطالعہ اور وسعت معلومات کا دریا بہادیا ہے۔

کتاب کے مباحث، اس کی دعوت حق اور سنجیدہ ومتین اسلوب اس طرح ہے۔

بے بنیاد تکفیر مسلمین پر تنبیہ و وعید: تکفیر اہل قبلہ پر اجماع سے متعلق روایات۔

مقام خالق ومخلوق کا فرق: اسلام اور کفر کے درمیان حدِ فاصل۔

مجاز عقلی: ایمان وکفر کا حکم لگاتے وقت مجاز عقلی کی رعایت۔

خالق ومخلوق کے درمیان واسطہ: مشرکانہ توسط کا بیان۔

بدعت اور اس کی تقسیم: تنگ دل اور کج فہم حضرات جو ہر نئی بات کے مخالف اور ہر مفید نئی چیز کے منکر ہیں ان کے لئے بدعت کے صحیح مفہوم کی وضاحت اور علماء کے نزدیک اس کی متعدد صورتیں۔

اشاعرہ: مذہب اشاعرہ اور بعض اشعری علماء کا ذکر۔ تاکہ ان پر گمراہی وبددینی کا الزام لگانے والے اپنی اصلاح کریں اور ان کی شان میں بدکلامی سے اجتناب کریں۔

حقیقت توسل: متفق علیہ توسل اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت آدم کے توسل کا بیان۔ شیخ ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب نجدی کی رائے۔ حضور اکرم سے جواز توسل کے سلسلے میں شوکانی کا بیان۔ جواز توسل کے قائل محدثین وائمہ کبار کا ذکر۔

شفاعت : حقیقت شفاعت، شفاعت کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام کی درخواست۔ آیاتِ شفاعت کے سلسلے میں ابن تیمیہ کی تفسیر۔

استعانت : کتاب کے باب ثانی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استعانت اور اس موضوع پر کئے جانے والے بے بنیاد اعتراضات واتہامات کے جوابات۔ خصائص نبوت، حقیقت نبوت و بشریت، مفہوم حیات برزخی جیسے قیمتی مباحث۔

ان حقائق وتفصیلات کے علاوہ تبرکات وآثار پر ایک بہت عمدہ بحث۔ کیونکہ بہت سے لوگ مفہوم تبرک کی حقیقت سمجھنے میں غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

کتاب کے تیسرے باب میں مختلف ضروری مباحث ہیں۔ مثلاً استحباب زیارت نبوی وغیرہ حدیث لاتشد الرحال کا صحیح مفہوم اور استحباب زیارت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں ائمہ سلف کے ارشادات۔

اس باب میں آثار نبوی اور ان کے اہتمام، آثار انبیاء سابقین اور قرآن میں ان کے ذکر، صحابہ کی طرف سے بعض آثار نبوی کے تحفظ، اور مفہوم اجتماع ومیلاد النبی سے متعلق لطیف مباحث۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوش خبری دینے پر ثویبہ کو آزاد کرنے کے بارے میں علماء کی توجیہ۔

زیر نظر کتاب کا یہ ایک اجمالی جائزہ ہے، جس کے مؤلف حرمین شریفین کے ایک ممتاز عالم دین، بحر معرفت الٰہی وسنتِ نبوی کے غواص، اور علمی مجالس کتاب وسنت کے وارث وامین ہیں۔ جن کے گرد تلامذہ ومستفیدین کا ہمہ وقت ایک ہجوم رہتا ہے۔

رابطۂ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے مذہبی وفقہی مذاکرات اور سیمناروں میں آپ اپنی دقیق علمی بحثوں کے ساتھ حصہ لیا کرتے رہے ہیں۔ اسی طرح سیرۃ النبی کی کانفرنسوں اور حفظِ قرآن کے مقابلوں میں آپ کی شرکت (بحیثیت فیصل وغیرہ) ہوتی رہی ہے۔

تقریباً تیس کتابوں کے آپ مصنف ہیں۔ قرآن وعلوم قرآن، حدیث وفنونِ حدیث، سیرۃ النبی، دینی پند وموعظت اور اصلاحی دعوت جیسے موضوعات پر مشتمل آپ کی یہ سبھی کتابیں ہیں۔

ان وجوہ واسباب کی بنیاد پر ہمیں اس کتاب کی قدر ومنزلت کرنی چاہیئے۔ مسلمانوں کو

اس کے مطالعہ کی دعوت دینی چاہیے۔ عالم اسلام کو اس کے لازمی مطالعہ کی ترغیب دینی چاہیے۔ اپنی اولاد کو اس کی باقاعدہ تعلیم دینی چاہیے کیونکہ اس کے اندر واضح حق، صحیح ہدایت اور عزت و وقار اسلامی کا تحفظ و دفاع ہے۔ اور مخالفین نے جو گمراہیاں پھیلائی ہیں، جھوٹے پروپگنڈے کئے ہیں اور الزامات واتہامات عائد کئے ہیں ان سب کی قلعی کھول کر رکھ دی گئی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے دینِ مستقیم کی تائید کے ذریعہ اپنے نیک بندوں کی نصرت و اعانت فرماتا رہا ہے۔

آخر میں اللہ سے ہماری دعا ہے کہ وہ سارے مسلمانانِ عالم کو اس کتاب کے مطالعہ اور اس کے اندر دی گئی دعوت کے لئے تائید کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مؤلفِ کتاب کو اجر وثواب عطا فرمائے۔ انہیں شر ورو آفات سے محفوظ رکھے۔ کیونکہ قرآن کا ارشاد ہے کہ وہ حق اور دین کے داعیوں کی مدد فرماتا ہے اور باطل پرست اعداء دین کو ذلیل ورسوا کردیتا ہے۔ واللہ الموفق والهادی الی الحق المبین۔

محررہ اواخر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ

حسنین محمد مخلوف. مفتی الدیار المصریة السابق. عضو هیئة كبار العلماء بالازهر الشریف. عضو المجلس التاسیسی لرابطة العالم الاسلامی. الحائز علی جائزة الملك فیصل العلمیة لخدمة الدعوة الاسلامیة.

شیخ الاسلام مفتی انام سماحۃ الشیخ حسنین محمد مخلوف کے ان مبارک کلمات کی ہم تصدیق کرتے ہیں۔ والله ولی التوفیق.

راجی عفو ربه الغنی

السید علی بن السید عبد الرحمٰن الهاشمی الحسنی

مستشار سمو رئیس دولة الامارات العربیة المتحدة. ابوظبی

امام موسیٰ ضیف الله

امام مسلمی تشاد

وعضو رابطة العالم الاسلامی

تقدیم

فضیلۃ الدکتور الحسینی ھاشم

وکیل الازھر الشریف وامین عام مجمع البحوث الاسلامیۃ (القاھرۃ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علیٰ اشرف المرسلین سیدنا محمد المبعوث رحمۃ للعٰلمین۔

امابعد: اللہ عزوجل کے محب حقیقی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق، مبلغ اسلام، فضیلۃ الاستاذ الکبیر السید محمد بن علوی المالکی المکی الحسنی خادم العلم و العلماء بالحرمین الشریفین کی کتاب "مفاھیم یجب ان تصحح"، عالم اسلام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔

فضیلۃ السید محمد بن علوی مالکی خانوادۂ نبوی کے چشم و چراغ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں اور ان کے خاندان کو شرف و کرامت سے نواز رکھا ہے۔

یہ مالکی گھرانہ علم و ہدایت میں معروف و ممتاز ہے۔ حرمین شریفین سے جس شخص کا بھی تعلق ہے وہ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہے کہ حکمت و موعظت حسنہ کے ساتھ ارشاد و ہدایت اور دعوت الی اللہ کے میدان میں اس مالکی گھرانہ کی کیا حیثیت اور اس کی کتنی بنیادی خدمات ہیں۔ اور کس حکیمانہ تربیت اور کامیاب تدبیر کے ساتھ اس کے حلقۂ درس کے تلامذہ و مستفیدین کے قلوب اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی طرف مائل و مربوط کرئے جاتے ہیں۔ دعوت اسلام کی وسیع سلطنت و ریاست کی تاسیس وقیام اور اس کی واضح کامیابی کا تمام تر راز بھی یہی ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار و مہاجرین کے دلوں میں اسی محبت کا بیج بو دیا تھا۔
اوس وخزرج اور انصار و مہاجرین کے درمیان رشتہ مواخات قائم کرنے میں اسی محبت اللہ رب العزت و محبت رسول اکرم اور محبت اہل اسلام کا نمونہ پایا جاتا ہے۔
اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ طرز محبت دے کر مسلمانوں پر احسان فرمایا ہے۔ اور اس نے واضح فرمادیا ہے کہ یہ محبت اللہ کی ایک بڑی نعمت ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا۔ الآیۃ
اور اللہ کی تم پر جو نعمت ہے اسے یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دل ملا دئے پھر تم اس کی اس نعمت سے بھائی بھائی بن گئے۔
اس طرز محبت کو مزید استحکام و دوام عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔
قل إن كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله ويغفر لكم ذنوبكم۔ الآیۃ۔
اے نبی! تم فرماؤ کہ اگر اللہ سے تم محبت رکھنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تمہیں محبوب بنائے گا اور تمہارے لئے تمہارے گناہ بخش دے گا۔
اس مالکی گھرانہ کا یہی طرز و اسلوب محبت مرکز توجہ رہا ہے۔ چنانچہ میں نے خود سید محمد بن علوی مالکی کے والد محترم کو مسجد حرام کے اندر حلقہ درس میں دیکھا ہے کہ وہ تفسیر و حدیث اور فقہ کے ہر درس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے ساتھ جوڑ دیا کرتے تھے۔
اور ٹھیک انہیں کی روش پر ان کے یہ فرزند سعید سید محمد علوی بھی گامزن ہیں کہ تفسیر و حدیث اور فقہ کے ہر درس کو اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے گلدستہ میں سجا دیا کرتے ہیں۔
یہی وجہ ہے کہ اس مالکی گھرانہ کی طرف قلوب مائل ہوگئے اور عالم اسلام کے ہر گوشہ سے طالبانِ علوم کے کارواں آنے لگے تاکہ وہ اس سے علم و عمل اور اللہ و رسول کی محبت کا سبق حاصل کریں۔ اللہ رب العزت نے اس مبارک گھرانہ کو شرف قبولیت سے یقیناً نواز دیا ہے۔
زیر نظر کتاب کے قاری کو اس کتاب کے صفحات پر علمی مطالعہ و فاضلانہ تحقیق کا صحیح علمی اسلوب ملے گا۔ اور ساتھ ہی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی سچی دعوت بھی ملے گی۔

اس کتاب کے اندر اجمال کے ساتھ ان چند اہم مسائل پر بحث کی گئی ہے :

پہلا باب : مباحثِ عقیدہ ! جس میں آج کل کے فاسد معیارِ تکفیر و تضلیل کی نشاندہی کی گئی ہے۔

دوسرا باب : مباحث اوصاف نبوت ! مثلاً خصائص نبوی، حقیقت نبوت و بشریت، مفہوم تبرکات و آثار نبوی۔

تیسرا باب : مباحث مختلفہ ! مثلاً حیاۃ برزخی، استحباب زیارۃ نبوی وغیرہ۔

وحدتِ مسلمین کو پارہ پارہ کرنے والے اختلافات اس کتاب کے صحیح اصولی انداز اور بیانِ حق کے ذریعہ ختم ہو سکتے ہیں اور مسلمان حق و صواب اور خیر پر متفق و مجتمع ہو سکتے ہیں۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس گراں قدر کتاب حق و ہدایت کے ذریعہ مسلمانوں کو نفع پہنچائے۔ حضرت مؤلف کتاب اور ہر قاری کو خیر و فلاح کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

الدکتور الحسینی عبد المجید ھاشم

وکیل الازھر الشریف بالقاھرۃ

والامین العام لمجمع البحوث الاسلامیۃ

فی ۲-٦-١٤٠٥ھ

تقدیم

علامۃ المغرب المحدّث المحقق الاستاذ السید عبداللہ کنون الحسنی

رئیس رابطۃ علماء المغرب و عضو رابطۃ العالم الاسلامی بمکۃ المکرمۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ مولانا رسول اللہ وعلیٰ الہ وصحبہ ومن والاہ۔

امابعد: (کچھ تمہیدی کلمات)

..... حضرت عمر بن عبدالعزیز نے علماء کو حکم دیا کہ وہ احادیثِ رسول کو لکھ ڈالیں جب کہ لوگ اس سے پہلے اس کام میں تکلف و حرج محسوس کرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی رائے سے سبھی علماء نے اتفاق کیا اور کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ آپ ایسا کام کیوں کر رہے ہیں جسے ہمارے اگلوں نے نہیں کیا۔

یہی بات قرآن حکیم کے اندر لگائے جانے والے اعراب و نقطہ کے بارے میں بھی کہی جائے گی جو عہدِ رسالت میں نہیں تھے۔ مساجد کے اندر محراب و مئذنہ کا بھی یہی معاملہ ہے کہ اب محراب و مئذنہ کے بغیر کوئی مسجد تعمیر نہیں کی جاتی۔ حالانکہ عہدِ رسالت میں ایسا نہیں ہوتا تھا۔

اس طرح کی ایک لمبی فہرست ہے۔ مقصودِ گفتگو یہ ہے کہ جس شخص پر شفیعِ امت نبی رحمت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی الفت و محبت کا غلبہ ہو، آپ کے مجد و شرف اور تعظیم و توقیر کا وہ مشتاق اور خواہاں ہو، اور اس جذبہ کے تحت میلادِ رسول کی محفل کا وہ انعقاد کرے تو اس کے لئے اچھی بات سوچی اور کہی جانی چاہئے، نہ یہ کہ خواہ مخواہ اس سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا جائے اور ساری دنیا اپنے سر پہ اٹھالی جائے۔ انعقاد محفل میلاد پر کم از کم جواز کا فتویٰ تو ہونا ہی چاہئے۔

کتنی حیرت کی بات ہے کہ کوئی صاحب ایمان اپنے رسول کی قبر مبارک کی زیارت کو نشانہ تنقید بناتے. جب کہ ہمیں عام قبروں کی بھی زیارت کا حکم دیا گیا ہے تاکہ اس سے نصیحت وعبرت حاصل کی جائے. والدین اور اہل قرابت کی قبروں کی زیارت تو صلہ رحمی میں داخل ہے. ان کے لئے دعاء خیر کرتے رہنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔

روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کے لئے اپنے رب سے اجازت مانگی تو آپ کو اس کی اجازت مل گئی۔

اب بتایا جائے کہ وہ ذات گرامی جس کے ذریعہ اللہ نے ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت دی جس کا ہمارے اوپر سارے انسانوں سے زیادہ احسان ہے، جو ہمیں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ ہمارے آباء وامہات، ہماری اولاد اور خود ہماری جان سے زیادہ محبوب ہے اور جو سید الاولین والآخرین اشرف الانبیاء والمرسلین ہے، بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کی قبر انور کی ہم زیارت نہ کریں۔

زیارت قبر نبوی سے محرومی، بالخصوص ایسے مسلمان کے لئے جو حج کرنے جائے اور مدینہ طیبہ سے تھوڑی دور کے فاصلہ پر ہو، اس کے لئے یہ محرومی تو سب سے بڑھ کر زیادتی اور جفا ہے۔

اے منکرین زیارت! اگر یہ حدیث "جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر جفا کیا" حدیث صحیح نہ ہو جب بھی مسلمانوں کو ان کے ایمان پر چھوڑ دو۔ مشاہد ومقامات مقدسہ کے سلسلے میں تمہارے احساسات وجذبات اگر منجمد اور بے حس ہو چکے ہیں تو تم جانو تمہارا کام جانے، بندگان خدا کو تو اس سعادت سے محروم رکھنے کی کوشش نہ کرو اور مشام قلب وروح کو معطر کرنے والی اس خوشبو کے درمیان رکاوٹ نہ بنو جس سے وہ رسول کونین جسے چاہیں نوازدیں جیسا کہ نبی صادق ومصدق صلی اللہ علیہ وسلم خود ارشاد فرماتے ہیں۔

"اللہ عطا فرمانے والا ہے اور میں ہی اسے تقسیم کرنے والا ہوں"

ہم بے حد شکر گزار ہیں حضرت سید محمد بن علوی مالکی کے کہ انہوں نے ان مباحث پر قلم اٹھایا اور ان کے مفاہیم کی تحقیق کا حق ادا کر دیا اور اسے انتہا تک پہنچا دیا. اب اس کے بعد وہ اس سے متعلق کسی تکرار وجدال میں نہیں پڑیں گے کیوں کہ حدیث رسول میں وارد ہے۔

"جس نے حق پر ہوتے ہوئے تکرار ونزاع چھوڑ دیا اس کے لئے اللہ نے جنت کے اعلیٰ طبقہ میں

ایک محل بنا رکھا ہے۔ اور جو باطل پر ہوتے ہوئے تکرار و نزاع چھوڑ دے اس کے لئے اللہ نے جنت کے نچلے حصے میں ایک محل بنا رکھا ہے۔"

عصر حاضر کے علماء کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کے اندر اسلامی شعور و آگہی اور غیرت وحمیت کا جذبہ پیدا کریں۔ اور مسلم امراء و قائدین کو دشمنانِ اسلام کے مقابلہ میں آمادہ و کمربستہ رہنے کی ترغیب دیں تاکہ وہ فلسطین و اریتیریا و افغانستان و فلپائن کے کمزور مسلمانوں کی مدد کرسکیں۔

جو لوگ ان اختلافی مسائل میں اپنے آپ کو الجھائے رہتے ہیں اور ان کے ذریعہ مسلمانوں کی صفوں میں اختلاف و انتشار پیدا کر رہے ہیں وہ اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں پر پردہ ڈال رہے ہیں۔ اپنے فرائض سے انحراف کر رہے ہیں۔ اس لئے ان کا کوئی عذر قابل قبول نہیں اور اللہ کے نزدیک اس کا انہیں کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

مسلمان آج ہر جگہ ذلت و خواری سے دوچار ہیں۔ ان کی یہ مصیبت اسی وقت دور ہوسکتی ہے اور ان کے سر کی بلائیں اسی وقت ٹل سکتی ہیں جب وہ علماء و حکام اور ارباب حل وعقد کو ساتھ لے کر اپنے آپ کو دینِ اسلام کے وجود اور اس کے وقار و آبرو کے تحفظ و دفاع کے لئے مکمل طور پر تیار اور مستعد بنا ڈالیں گے۔

واللہ غالب علی امرہ ولکن الناس لایعلمون۔

کتبہ بفاس فی ۲ شعبان ۱۴۰۵ھ عبداللہ کنون الحسنی

الامین العام لرابطة العلماء بالمغرب۔ وعضو مجمع البحوث الاسلامیة بالقاهرة

وعضو الجامعة العربیة۔ وعضو اکادیمیة المملکة المغربیة

وعضو المجلس التاسیسی لرابطة العالم الاسلامی بمکة المکرمة۔

تقریظ

العلامہ الشیخ محمد الطیب النجار

رئیس مرکز السنۃ والسیرۃ الدولی ورئیس جامعۃ الازہر سابقا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم الانبیاء والمرسلین سیدنا محمد بن عبد اللہ وعلی آلہ واصحابہ ومن دعا بدعوتہ الی یوم الدین۔

اما بعد:

عالم جلیل سید محمد بن علوی مالکی مکی حسنی کی زندگی پاکیزہ درخت جیسی ہے جس نے پاک زمین میں نشو ونما پائی اور صالح ماحول میں پروان چڑھ کر اچھی تربیت پائی۔ اور اس کا سایہ پھیلا اور اس پر پھل آئے۔ پھر لوگ اس کی برکات وحسنات سے مستفید و متمتع ہوئے۔

ایسا ہونا کچھ باعثِ تعجب بھی نہیں۔ کیوں کہ آپ کے والد جلیل سید علوی مالکی طیب اللہ ثراہ واکرم مثواہ ان بلند پایہ علماء کرام میں سے تھے جنہوں نے اپنے آپ کو علم کے لئے وقف کر دیا۔ اور اسی کے دائرہ میں صاحب کردار وعمل عالم دین اور محافظ ورع وتقویٰ وکاتب عزت وکرامت بن کر اپنی ساری زندگی گزار دی۔

مکہ مکرمہ کے اندر جوار خانہ کعبہ میں آپ کا گھر بزم دین و دانش کی حیثیت سے مشہور رہا جس میں منتخب علماء اسلام کا جمگھٹ ہوتا۔ وہ شریکِ محفل ہو کر آیات قرآن حکیم واحادیث رسول کریم کی سماعت سے بہرہ ور ہوتے۔ پختہ شعور وادراک وبحث وتحقیق کے ساتھ وہ قرآن وحدیث کا درس لیتے۔ پھر عارف باللہ صاحب خانہ حضرت سید علوی مالکی اپنے پاکیزہ ایمان، تقویٰ شعار قلب اور فصیح زبان عربی میں اپنے نعتیہ اشعار کے ساتھ اس مجلس کا اختتام فرماتے۔

تو اس میں کیا تعجب کی بات ہے کہ ان کے فرزند صالح شیخ جلیل سید محمد بن علوی مالکی اپنے والد جلیل کے سچے پرتو ہیں۔ اور دینی وعلمی وادبی لحاظ سے اپنے والد کے نقش قدم پر گامزن ہیں۔

پیش نظر کتاب (مفاهيم يجب ان تصحح) سید محمد بن علوی مالکی کی دسیوں دینی و علمی کتابوں میں سے ایک اہم کتاب ہے۔ بحمدہ تعالیٰ آپ کی سبھی کتابیں نافع علم، صحیح رائے اور پختہ فکر وبصیرت سے پُر ہیں۔ جن سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کروڑوں مسلمانوں کو فائدہ پہنچایا۔ وذلك فضل الله والله ذو الفضل العظيم۔

مؤلف جلیل نے اپنی کتاب کا نام مفاهيم يجب ان تصحح (اصلاح فکر واعتقاد) رکھا ہے۔ جس میں واقعۃً ان غلط مفاہیم ومعتقدات کی مخلصانہ اصلاح کی گئی ہے جنہیں بعض لوگ غلطی سے صحیح سمجھ بیٹھے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ ہمارے اخذ کردہ مفاہیم کا انکار باطل ہے۔

اس لئے آپ کا دینی وعلمی فریضہ تھا کہ ان غلط مفاہیم کی اصلاح کریں اور خالصاً لوجہ اللہ کلمۂ حق کا اظہار کریں۔

آپ کا یہ جرأت مندانہ اقدام زخم کھاتے ہوئے کانٹوں پر چلنے کی ایک مجاہدانہ کوشش ہے۔ جس میں قدم قدم پر خطرات بھی ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ صرف نیک عزائم، بلند مقاصد اور اعلاء کلمۂ حق کی خاطر گوارہ ہے۔

اللہ ہی فتح ونصرت عطا فرمائے گا اور توفیق خیر سے نوازے گا۔

وجزاه الله عن العلم والدين خير الجزاء

محمد الطيب النجار

وكيل الازهر الاسبق ورئيس جامعة الازهر سابقا۔ و عضو مجمع البحوث الاسلامية بمصر۔ و عضو مجمع اللغة العربية بمصر۔ و عضو المجالس القومية المتخصصة۔ و عضو لجنة جائزة الملك فيصل العالمية۔

تقریظ

العلامة الداعی الی اللہ السید یوسف ھاشم الرفاعی

عضو مجلس الامۃ و وزیر الدولۃ لشئون مجلس الوزراء الکویتی سابقا

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا و شفیعنا و اسوتنا و امامنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ ومحبیہ ومن والاہ۔ امابعد:

آج جب کہ سارے عالم اسلام میں اسلامی بیداری کی لہر چل رہی ہے۔ اور سواد اعظم اہل سنت وجماعت کے جوہر وحقیقت کے موضوع پر مساجد ومدارس اور جامعات ومراکز اسلامیہ کے اندر زبردست مباحثے ومناقشے چل رہے ہیں۔ ایسے عالم میں نوجوانان اسلام اور اسلامی ذخیرۂ کتب کو اس کتاب 'مفاہیم یجب ان تصحح' کی شدید ضرورت تھی جس کی تالیف کی توفیق رب کائنات نے سماحۃ الاخ المکرم السید الدکتور العلامۃ الشریف محمد علوی المالکی حفظہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو بخشی۔ اور آپ نے طالبان حق وصواب کے لئے فانوس نور وہدایت روشن کر دیا۔

بلاشبہ یہ کتاب عظیم وقویم ہر جویائے حق کے لئے سامان مسرت ہے اور ہر مخالف ومنکر کی حجت وعناد کی دیواریں اس کے ذریعہ منہدم ہوتی نظر آئیں گی۔ کیوں کہ سید محمد علوی مالکی نے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ اور اقوال وآثار سلف صالحین کی روشنی میں حق وصداقت کا چہرہ نکھار کر رکھ دیا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب ہدایت کا مطالعہ کر کے لوگ حق کی طرف رجوع کریں۔ کیونکہ اہل ایمان کا یہی وطیرہ ہے۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے "حکمت اہل ایمان کی متاع گم شدہ ہے اسکے دولے جہاں پائیں چن لیں۔

اعدا اسلام ومخالفین اہل سنت جس طرح ہر طرف سے ہم پر حملہ آور ہیں اس کا تقاضہ ہے کہ ہم ان کے مقابلہ میں شرع مطہر کے اوامر واحکام کو صراحت ووضاحت اور پوری قوت کے ساتھ پیش کریں۔

عقل وشعور اور حکمت ودانش کا تقاضہ ہے کہ آپس میں ہم الفت ومحبت، امداد وتعاون، اور حسن ظن سے کام لیں۔ جن امور میں ہمارا اتفاق ہے ان میں تعاون کریں اور جہاں اختلاف ہے وہاں ایک دوسرے کے لئے کوئی جائز اور بہتر عذر تلاش کرلیں۔ تاکہ ہم اپنے سفینۂ اسلام کو سلامتی اور عزت وعظمت کے ساحل سے ہمکنار کرسکیں۔ وباللہ التوفیق۔

وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

السید یوسف ھاشم الرفاعی

عضو مجلس الامۃ و وزیر الدولۃ لشئون مجلس الوزراء الکویتی سابقا ورئیس لجنۃ الاقلیات الاسلامیۃ فی العالم بالمؤتمر الاسلامی

تقریظ

العلامہ المؤرخ الفقیہ الشیخ محمد الخزرجی

وزیر الاوقاف والشئون الاسلامیۃ بدولۃ الامارات العربیۃ المتحدۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ ذی المحامد والآلاء المنعم علی عبادہ بما شاء و

اصلی واسلم علی افضل الانبیاء وعلی آلہ وصحبہ النجباء۔

امابعد: گل گلزار نبوی وفرزند خانوادۂ ہاشمی عالم جلیل محقق نبیل سید محمد بن علوی مالکی حسنی کی کتاب "مفاهيم يجب ان تصحح" کا میں نے مطالعہ کیا۔

اپنی اس کتاب میں آپ نے ہر مسئلہ کا صحیح مفہوم پیش کیا ہے۔ اپنے مقاصد کے حصول میں کسی بے اعتدالی اور افراط وتفریط سے اجتناب کیا ہے۔ شکوک وشبہات کا ازالہ اور خلط مبحث کی نشاندہی کرکے اس کی اصلاح کی ہے۔ واضح اور ناقابلِ تردید دلائل وبراہین کے ذریعہ اہل اسلام کی ہمدردی وخیر خواہی کا حق ادا کیا ہے تاکہ وہ اسلاف کرام کے مسلک پر گامزن رہیں اور متاخر علماء وفضلاء کی اتباع وتقلید میں لگے رہیں۔

کتاب کے اندر تین طرح کے مباحث ہیں:

۱۔ عقائد۔

۲۔ اوصاف وکمالات نبوت۔

۳۔ حیاۃ برزخی واستحباب زیارت وتقریبات مذہبی وغیرہ۔

آج شدید ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان ان مباحث کے صحیح عقائد سے آگاہ رہیں۔ کیوں کہ بہت سے مسائل کو ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط کردیا گیا ہے اور ایسے جاہلوں

نے بھی فتویٰ دینا شروع کر دیا ہے جن کی کوتاہ علمی و بے شعوری کا یہ حال ہے کہ نہ وہ کتاب اللہ کو سمجھ پائیں نہ سنتِ نبوی کے مقاصد تک ان کی رسائی ہو سکے۔

وضاحت و تحقیق کے ساتھ آپ نے اپنا موقف ثابت کیا ہے تاکہ لوگ گمراہیوں سے دور رہیں۔ ان کے افعال و اقوال میں ایسی صحت و یکسانیت ہو کہ وہ دوسرے کے لیے بہتر نمونہ بن سکیں۔

اللہ ہی سے نفع و توفیقِ خیر کی دعا ہے۔ وہ مؤلفِ کتاب کو اپنے حفظ و امان میں رکھتے ہوئے انہیں اپنے فضل و کرم سے نوازے۔ آمین۔

وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين. و سلم على المرسلين. والحمد لله رب العالمين.

حرّره محمد بن الشيخ احمد بن الشيخ حسن الخزرجي
قاضى امارة ابوظبى سابقا. ورئيس لجنة التراث والتاريخ
فى دولة الامارات العربية المتحدة. و وزير الشئون
الاسلامية و الاوقاف.

تقریظ

فضیلۃ الشیخ ابراھیم الدسوقی مرعی

وزیر الاوقاف السابق بمصر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علیٰ خاتم النبیین سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ ومن دعا بدعوتہ الیٰ یوم الدین ۔ امابعد:

السید الفاضل الدکتور السید محمد بن علوی بن عباس المالکی الحسنی کی نفیس کتاب مفاہیم یجب ان تصحح کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔

اس کتاب کے ذریعہ میرے اوپر اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ نبی انسانیت رحمت دوعالم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ سے آپ کو کتنی محبت والفت ہے اور آپ کا دل احترام و تعظیم نبوت سے کس درجہ لبریز ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ دینی غیرت وحمیت وہدایت وخیر خواہی مسلمانان عالم کے جذبات سے آپ کا سینہ کتنا موجزن ہے۔

ہاں! سچے مسلمان کی یہی شان اور اس کا یہی شیوہ ہوا کرتا ہے۔ اور مؤلف جلیل تو اس اہل بیت کے چشم وچراغ ہیں جنہیں ان کے رب نے طاہر و پاکیزہ بنا دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۔ (احزاب ۳۳)

اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو! کہ وہ تم سے ہر ناپاکی دور کردے اور تمہیں خوب صاف ستھرا کردے۔

اہل بیت اطہار کے بارے میں مشیت ایزدی یہی ہے کہ وہ حق وصداقت کے نمونہ اور اس کے داعی و مبلغ اعداء اسلام کے مقابلہ میں شجاع وسرفروش اور حفاظت وصیانت کے میدان میں صاحب قوت وعزیمت بن کر زندگی گزاریں۔

میں چوں کہ میدان دعوت و تبلیغ اسلام کے ایک سپاہی کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہا ہوں، اس لئے مجھے اس کتاب اور اس طرح کی دوسری کتابوں کی مسلم معاشرہ کے لئے اہمیت و افادیت بخوبی معلوم ہے کہ شکوک و شبہات پیدا کرنے والے فتنوں اور گمراہیوں سے اس امت کو دورِ حاضر میں کس طرح محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔

یہ کتاب اس بات کا بھی اعلامیہ ہے کہ آج بھی دین اسلام کے مخلص داعی و سپاہی موجود ہیں۔ اور دین کے یہ سپاہی قیامت تک اپنے دین کی حمایت اور اس کی طرف سے دفاع کی مہم میں مصروف رہیں گے۔ اور ان کے مخالفین انہیں کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔ یہاں تک کہ اللہ حق کو غالب کر دے یا اس کا حکم آ جائے۔

الحمد للہ! یہ کتاب اپنے موضوع پر کافی و شافی ہے۔ اور ادا فریضہ میں ہماری خواہش و تمنا کے عین مطابق ہے۔ عہد بہ عہد اتحاد امت مسلمہ کو پارہ پارہ کرنے والے امور و معاملات میں مؤلف جلیل نے اپنی فکر صائب کو ائمۂ اسلام کے دلائل و براہین کی قوت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اور دعوتِ حق کا پورا حق ادا کر دیا ہے۔

مسئلہ عقیدہ سرفہرست ہے۔ عقائد سے متعلق کئے جانے والے اعتراضات اور شکوک و شبہات کا جائزہ لیتے ہوئے اس کتاب میں ایسے دلائل پیش کئے گئے ہیں جن سے گمراہ گردوں کے تانے بانے اور ان کے فاسد خیالات کی دھجیاں بکھر جاتی ہیں۔ انکار و ضلالت کے یہ علمبردار وہی لوگ ہیں جو خود ساختہ قاضی بن بیٹھے ہیں۔ جسے چاہتے ہیں ایمان کی سند دے دیتے ہیں اور جس پر چاہتے ہیں کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ اس طرح کے فیصلے کرتے وقت یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کو دانستہ نظر انداز کر دیتے ہیں ۔ مومن کو سب و شتم کرنا فسق اور اس سے قتال کرنا کفر ہے۔

علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے آپ کے مخالفین کے بارے میں کچھ لوگوں نے جب یہ پوچھا تو آپ نے اس وقت کتنا اچھا جواب عنایت فرمایا۔

کیا وہ کافر ہیں؟ ۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں! وہ کفر سے دور ہیں۔ پھر پوچھا گیا۔ کیا وہ منافق ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ نہیں۔ منافق تو اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔ پوچھا گیا۔ پھر وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ وہ لوگ مبتلائے فتنہ ہیں۔ اندھے بہرے ہو گئے ہیں۔

حدیث صحیح میں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

جب آدمی اپنے بھائی کو اے کافر کہہ کر پکارے تو کفر ان دونوں میں سے کسی ایک پر لوٹ آتا ہے۔

قرآن حکیم ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ کلمۂ شر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں۔ حتیٰ کہ مشرکین کے بارے میں ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۔ (انعام - ۱۰۸)

اور انہیں گالی نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اپنی جہالت کی وجہ سے اللہ کی شان میں گستاخی کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرعون کے پاس جب حضرت موسیٰ و حضرت ہارون کو بھیجا تو انہیں یہ حکم ہوا۔

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۔ (طٰهٰ - ٤٤)

تو تم اس سے نرمی سے بات کرنا اس امید پر کہ وہ دھیان دے یا کچھ ڈرے۔

کتاب کے دوسرے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت اور آپ کی محبت و عظمت سے سرشار اہل ایمان پر بے جا الزام کفر عائد کرنے والے بد نصیب افراد کے مزعومات و اباطیل کی جہالت و سفاہت آشکارا کی گئی ہے۔

یہ جاہل افراد اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو رفعتِ ذکر اور عظمتِ مقام سے نوازا ہے۔ اور آیاتِ قرآنی جن کی ہم تلاوت اور اس تلاوت کے ذریعہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں ان کے ذریعہ آپ کا ادب و احترام ساری امت مسلمہ پر لازم کر دیا گیا ہے تو بارگاہِ الٰہی میں آپ کا مقام و منصب اور فضل و شرف حیات و وصال نبوی کے ہر دور میں اہل ایمان کے نزدیک بلاشبہ باقی اور قائم و دائم ہے۔

آگے چل کر تصوف کے مسئلہ پر مؤلف جلیل نے گفتگو کی ہے۔ یہ تصوف اسلامی افکار و روایات کا رخِ روشن اور افقِ اعلیٰ ہے۔ اور صحیح اسلامی تصوف وہی ہے جو دجل و فریب اور خرافات و اباطیل سے خالی اور پاک و صاف ہے۔ ائمہ تصوف نے تفصیل سے بارہا شریعت اسلامیہ کے اسرار و معارف اور اس کے فرائض و واجبات سے آگاہی اور ان کے التزام کی تاکید کی ہے اور خود ان کے معاملات و عبادات اور ہر شعبۂ زندگی میں شریعت اسلامیہ کی مکمل اتباع و پابندی ہے۔

توسل کے بارے میں بتلایا گیا ہے کہ یہ ایک طریقۂ دعا ہے۔ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں قبولیت دعا،

کا ایک باب ہے۔ اس موقعہ پر جو دلائل دیئے گئے ہیں ان کے علاوہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں یا بعد وصال آپ سے توسل کے خلاف کوئی مانع شرعی یا عقلی نہیں۔

اور جب یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ اعمالِ صالحہ سے توسل کیا جاسکتا ہے تو پھر صالحین امت سے توسل کے خلاف بھی کوئی مانع شرعی نہیں۔ اور استعانت و استغاثہ وغیرہ کا مسئلہ بھی توسل ہی کی طرح ہے۔ ان سب چیزوں میں مومن کا مقصود اور مرجع و مآب اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کی ذات ہوا کرتی ہے۔

شفاعتِ نبوی، جشنِ میلادِ نبوی، حصولِ برکت بہ آثارِ نبوی و آثارِ صالحین کے سلسلے میں مؤلف کتاب نے جو دلائل پیش کئے ہیں ان سے ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ سنتِ مرفوعہ طریقہ مشروع ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے امور کی اصل کو جائز رکھا ہے اور انہیں صحابہ کرام نے کیا بھی ہے۔

کتاب کے تیسرے باب میں زیارتِ نبوی اور اس کے بارے میں اقوالِ علماء پر گفتگو ہے۔ زیارت قبرِ نبوی اور اس کی مشروعیت، زیارت مشاہد اور ان کے بارے میں اقوالِ ائمہ تحریر کردئے گئے ہیں۔

ایسے حالات میں جب کہ شر پسند طاقتیں اسلام و تعلیماتِ اسلام پر بڑھ چڑھ کر حملے کررہی ہیں اور مسلمانوں کے درمیان انتشار و اختلاف و بغض و حسد کی آگ کو ہوا دے رہی ہیں۔ زیرِ نظر کتاب درحقیقت مسافرانِ دو ظلمت و طالبانِ حق کے لئے فانوسِ ہدایت اور ایک چشمۂ شیریں ہے۔

بفضلہٖ تعالیٰ اس نعرۂ حق سے باطل لرزہ براندام ہے۔ اور نورِ ایمان سے ظلمتیں کافور ہورہی ہیں۔ شکوک و شبہات کے بادل چھٹ رہے ہیں۔ اور صراطِ مستقیم کے نشانات واضح ہورہے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مؤلف کتاب کو اسلام و مسلمین کی طرف سے بہتر جزاء سے نوازے۔ ہمارے عقائد میں اخلاص عطا فرمائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و محبت اور صحابہ و تابعین و ابرار و صالحین کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اسلام و ایمان پر قائم و دائم رکھے۔

مخلص علماء، دُعاۃ و مبلغین کی مساعیٔ جمیلہ میں برکتیں عطا فرمائے۔ انہیں اپنی تائید و نصرت سے نوازے۔ تاکہ کلمۂ حق سربلند رہے۔ ابتلاء و آزمائش ختم ہو اور دین صرف اللہ کے لئے ہو۔ واللہ الموفق۔

ابراہیم الدسوقی مرعی — وزیر الاوقاف السابق بمصر

۲۱ من ربیع الاول سنۃ ۱۴۰۶ھ - الموافق ۴ من دیسمبر سنۃ ۱۹۸۵م

تقریظ

الاستاذ الدکتور حسن الفاتح قریب اللّٰہ

مدیر الجامعۃ الاسلامیہ بجمہوریۃ السودان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی اشرف المرسلین سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ وصحبہ ومن اھتدی بھدیہ و اتبع نھجہ وتأسی بہ الی یوم الدین۔ اما بعد:

فضیلۃ السید محمد بن علوی المالکی کے خانوادہ کو بلند مقام اور عزت و شہرت حاصل ہے جس کے افراد منہاج کتاب وسنت کے عین مطابق دعوت الی اللہ اور علوم و اخلاقِ حسنہ کی صفات سے آراستہ ہیں۔ ان کا نسب عالی مصطفےٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں منسلک اور مزین کرتا ہے۔ بلاد مقدسہ سے انہیں بے پناہ محبت ہے۔ اور ان کے امراء وحکام بھی اس خانوادۂ علوی کے ساتھ عزت واحترام سے پیش آتے ہیں۔ مجد وشرف کی بلندیوں پر یہ خانوادہ فائز ہے اور اسلام کے تحفظ و دفاع کے لئے اس نے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے۔۔۔۔۔

مفاھیم یجب ان تصحح کے اندر آپ نے موجودہ معیار تکفیر وتضلیل کی خرابیاں ظاہر کی ہیں۔ جن کا سہارا لے کر نام نہاد علماء مسلمانوں کی تعداد زیادہ کرنے کی بجائے کم کرنے کو اپنے لئے باعث مباہات سمجھ رہے ہیں۔ اور ان کی صفوں میں انتشار پیدا کر رہے ہیں۔ کبھی مسائل کے ظاہری اختلافات کا سہارا لیتے ہیں اور کبھی علماء اسلام کے بعض اختلافی مسائل کو اچھال دیتے ہیں۔

بعض نام نہاد علماء نے تصوف پر بڑا ظلم کیا ہے۔ اور تصوف واہل تصوف پر ایسے الزامات لگائے ہیں جن سے وہ بری ہیں۔ ایسی صورت میں ضروری تھا کہ میدانِ جنگ میں وہ صاحب بصیرت عالم

اور ماہر فن شہسوار آئے جو وسائل حرب وضرب سے مسلح اور فنون سپہ گری کا آزمودہ کار مرد میدان ہو۔

جب قلیل افراد اس تعصب وعناد سے کام لے رہے ہیں کہ تصوف کو غیر اسلامی فکر وعمل قرار دے رہے ہیں تو مسلمانان عالم کی غالب اکثریت جو تصوف کی حامی ہے اسے بجا طور پر حق پہنچتا ہے کہ کتاب وسنت پر مبنی صحیح واصیل فکر کو پیش کرے اور اس کی اساس کی مضبوط کرے۔

ہم بھی اسی تصوف کے قائل وحامی ہیں جس کے بارے میں سید محمد بن علوی مالکی فرماتے ہیں۔

تصوف کو ہم علمی وفکری مرکز و درس گاہ سمجھتے ہیں۔ جس کے سارے اسالیب ومناہج فکر واعتقاد اسلامی اور ہمارے آداب واخلاق وخدمات کے اعلیٰ نمونے ہیں۔ کمال ایمان وکمال امور حیات ہیں۔ ہر ربانی دعوت کے پاکیزہ وخالص نمونے ہیں۔

یہ تصوف صداقت وامانت ہے۔ ایثار ووفاداری ہے بشرف وکرم ہے۔ کمزور کی نصرت ہے۔ مصیبت زدہ کی امداد ہے۔ نیکی وتقویٰ کا تعاون ہے۔ حق وصبر کی اعانت ہے۔ امور خیر میں مسابقت ہے۔ اخلاق صحیحہ کاملہ کا نمونہ ہے۔

اسی بافیض سیر اور پاکیزہ اخلاق کے ذریعہ اسلام کے صدر اول میں بے مثال کارنامے ظہور پذیر ہوئے۔ ائمۂ دین وعلم اور بہادران صف شکن پیدا ہوئے اور ہمارے سامنے اسلامی شخصیت کا چہرہ خوبصورت وپاکیزہ شکل میں اپنی اعلیٰ واکمل صفت کے ساتھ نمودار ہوا۔ اور تاریخ کے صفحات پر اس کے فخر ومجد، عزت وسیادت، مقابلہ وجہاد اور اسباق تہذیب وتمدن اسلامی ثبت ہیں۔

اور اہل تصوف کے بارے میں امام غزالی اپنی کتاب المنقذ من الضلال میں لکھتے ہیں۔

یہ اہل تصوف صرف اللہ کی راہ کے سالک ہیں۔ ان کی سیرت بہتر ان کا راستہ بالکل سیدھا اور ان کا اخلاق بہت پاکیزہ ہے۔

اگر عقلاء کی عقلیں، حکماء کی حکمتیں، اور علماء اسرار شریعت کے علوم جمع ہو کر ان سے بہتر سیرت واخلاق ڈھونڈھنا چاہیں تو ان کی کوشش کامیاب نہیں ہوگی۔ کیوں کہ ان اہل تصوف کی ساری ظاہری وباطنی حرکات وسکنات نور مشکوٰۃ نبوت سے مقتبس ہیں۔ اور روئے زمین پر نور نبوت کے علاوہ اور کون سا نور ہے جس سے روشنی حاصل کی جائے۔

سلف کا تصوف وہ ہے جس کا ذکر اوپر گزرا۔ اور خلف کے نزدیک اہل تصوف کی سیرت وہ ہے

جو اس کے بعد مذکور ہوا۔ اور مظاہر تصوف ہمیشہ یہ رہے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و تعظیم۔ آپ کی زیارت اور آثار مبارکہ سے حصولِ برکت۔ اور آپ کے متبع صالحین و ابرار کے آثار سے حصولِ برکت۔

اور تصوف کی حقیقت یہ ہے۔ مسلمان اپنے خالق و مالک اللہ رب العزت کی اس طرح عبادت کرے کہ گویا وہ مسلمان اپنے اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ اور وہ اگر اسے نہیں دیکھ پا رہا ہے تو یہ سمجھے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

کتاب و سنت پر مبنی اسی فکر و اعتقاد کی روشنی میں سید محمد بن علوی المالکی نے اپنی کتاب تحریر فرمائی ہے۔ اس لئے علماء و طلبہ کے لئے یہ کتاب حجت و برہانِ اسلام اور نور وضیائے ایمان بن گئی۔

اس کتاب کا منہج خالص علمی اور اسلوب سہل ممتنع ہے۔ اس کی معلومات وافر، براہین روشن، دلائل قاطع اور حجتیں قاہر ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اس کتاب کو توفیقِ مزید سے نوازے۔ اس کے قاری و مستفید کو ہدایت و نور عطا فرمائے۔ اور اس کے بدخواہ و عیب جو کی ناک خاک آلود کرے۔

آخر میں اس کلامِ ربانی کے ساتھ ہم اپنی بات ختم کرتے ہیں۔

وَ مَالَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَا جَاءَ نَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ۔ (المائدہ - ۸۴)

اور ہمیں کیا ہوا کہ ایمان نہ لائیں اللہ پر اور اس حق پر جو ہمارے پاس آیا اور ہم طمع کرتے ہیں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ داخل کرے۔

الاستاذ الدکتور حسن الفاتح قریب اللہ

مدیر جامعۃ ام درمان الاسلامیۃ جمہوریۃ السودان

تقریظ

فضیلة الاستاذ الدکتور رؤف شلبی

وکیل الازهر الشریف بالقاهرة

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰة والسلام علیٰ سیدنا ومولانا رسول اللہ محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ ومن اتبع ھداہ باحسان الیٰ یوم الدین ۔ امابعد،

الشیخ الفاضل الدکتور محمد بن علوی المالکی المکی الحسنی اپنے علم وعمل و سیرت وکردار کے اعتبار سے ممتاز ترین عالم دین ہیں۔ میں انہیں اس وقت سے جانتا ہوں جب وہ شعبۂ دراساتِ علیا جامع ازہر قاہرہ کے طالب علم تھے۔

اور یہ جامع ازہر تو شریعت اسلامیہ کا مرکز، دعوت وارشاد کا سرچشمہ اور عربوں کا مضبوط قلعہ ہے۔ اس جامع ازہر کے ذریعہ اللہ نے عربوں کو شرک سے دور رکھا ہے۔ عربی زبان کی غلطیوں سے محفوظ رکھا ہے۔ اور ان کے اندر کوئی دینی انحراف نہیں پیدا ہونے دیا۔ اس عظیم دینی وعلمی ادارہ نے توحید خالص کا پرچم بلند کر رکھا ہے۔ اسلام کا ہر محاذ پر دفاع کیا ہے اور ساری دنیا میں اسلام کو سربلند کر رکھا ہے۔ دنیا کے اندر تقریباً ہر شہر اور آبادی میں جامع ازہر کا کوئی نہ کوئی فاضل اور فیض یافتہ ضرور مل جائے گا جس نے اس کے در و دیوار کے سائے میں علم حاصل کیا ہو اس کے شیوخ و اساتذہ سے درس لیا ہو اور اس کی سند اسے ملی ہو۔

شیخ محمد بن علوی مالکی انہیں فیض یافتہ باصلاحیت علماء کرام میں سے ایک ہیں جو جامع ازہر کی آغوش میں پروان چڑھے ہیں اور علماء ازہر کے دوش بدوش توحید اسلامی کا دفاع اور اخلاقِ فاضلہ کا

تحفظ کر رہے ہیں۔ بغیر کسی سب وشتم وعیب جوئی کے نہایت مہذب اسلوب میں اخلاقِ کریمانہ کے دائرہ میں رہتے ہوئے ان منحرف وگمراہ لوگوں کا مقابلہ کر رہے ہیں جو اپنے اسلام و ایمان کے مدعی ہیں۔

دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دینے والوں کو اسلامی اخلاق وکردار کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوئے تھے ان سے اپنے آپ کو مزین رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان۔ قیل وقال وکثرت سوال واضاعت سے اجتناب کرو۔ پر عمل کرتے ہوئے غیر ضروری بحث وجدال وکثرت سوال وقیل وقال سے اپنے آپ کو دور رکھنا چاہئے۔ ایسی راہ ڈھونڈھنی چاہئے جس سے مسلمانوں کے درمیان اتحاد واتفاق پیدا ہو۔ اختلاف وتفرق نہ پیدا ہو۔

دعوت وجہاد کا فریضہ ایک بار گراں ہے اس لئے اس میدان میں کام کرنے والوں کو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے اخلاق سے آراستہ رہنا چاہئے۔

شیخ محمد بن علوی مالکی کی کتاب مفاہیم یجب ان تصحح تہذیب وشائستگی اور حکمت وبصیرت سے بھرپور ایک ایسی کتاب ہے۔ جو اسلام کے نام پر مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے والے عناصر کے مکروفریب اور ان کی سازش کا پردہ چاک کردیتی ہے۔

مادی منافع اور سیاسی اغراض کے تحت ایسی سازش کرنے والے عناصر کو دنیا کے مسلمان اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں۔ اور ان کو مسترد بھی کرچکے ہیں ایسے اسلامی ذوق کے ساتھ اللہ ورسول اور مسلمانوں سے محبت رکھنے والے افرادِ امت اسلامیہ کو اللہ نے ان کے شر سے محفوظ کر رکھا ہے اور ان کے سارے داؤ بیکار کردئے ہیں۔

شیخ جلیل سید محمد بن علوی مالکی ان گنے چنے علماء کرام میں سے ہیں جو ہدایت وبصیرت اور حکمت وموعظت حسنہ کے ساتھ راہ حق میں جہاد کر رہے ہیں۔ آپ کی ذات محتاج تعارف وتعریف نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی انعام واکرام سے آپ کو نواز رکھا ہے۔

اللہ رب العزت سے میری دعا ہے کہ آپ کو اسی طرح مخلصانہ جہاد وعالمانہ کردار کے ساتھ باقی رکھے۔ آفات وشرور سے آپ کو محفوظ و مامون رکھے۔ اور آپ سے اعلاء کلمۂ حق ودعوتِ دین قویم کی اسی طرح خدمت لیتا رہے۔

وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

الدکتور رؤف شلبی ۔ وکیل الازہر الشریف بالقاہرۃ

تقریظ

فضیلة العلامة الدکتور عبد الفتاح عبد الله برکة

الامین العام لمجمع البحوث الاسلامیة بالقاهرة - مصر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ القاهر فوق عباده وهو الحکیم الخبیر۔ و الصلوٰة و السلام علی الشاهد البشیر النذیر و علی آله و اصحابه ذوی المقام الخطیر و من تبعهم و والاهم الی یوم الدین ۔ امابعد :

العالم العلامة المحقق الجلیل السید محمد بن علوی المالکی کی کتاب مفاهیم یجب ان تصحح کا میں نے مطالعہ کیا۔ عالم موصوف میرے استاذ و شیخ سید علوی بن عباس مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرزند سعید ہیں۔

میری کیا حیثیت کہ میں اس کتاب کے فضائل میں کچھ اضافہ کر سکوں۔ اور اس کے مؤلف کے محاسن و کمالات بیان کر سکوں۔ انہوں نے پیچیدہ امور کا جس طرح تحلیل و تجزیہ کیا ہے۔ مسائل کی تفہیم میں جو قابل رشک کردار ادا کیا ہے۔ فروع کی تحقیق اور انہیں اصول سے مربوط رکھنے کا جو کارنامہ انجام دیا ہے۔ وہ تعریف و تحسین سے بے نیاز اور اس کے اندر آپ کا فیضان علم و کرم میرے ذکر و بیان سے بالاتر ہے۔

میرا جذب و شوق تو بس یہ ہے کہ جلیل المرتبت علماء و افاضل جنہوں نے آپ کی تائید و تصدیق کی ہے میں بھی اپنی چند سطروں کے ساتھ ان کے زمرۂ خیر میں شمار کر لیا جاؤں۔ اور خالص حق و صواب پر مشتمل صدائے علوی کے ساتھ میری آواز بھی شامل ہو جائے۔ جس سے ان کی آواز کچھ اور بلند ہو جائے اور ان کی جماعت میں اضافہ ہو جائے۔ اور نصرت و اتباع حق میں ان کے ساتھ میں بھی کچھ ہاتھ بٹا سکوں۔

اس دور کے صحیح حالات یہ ہیں کہ امتِ مسلمہ کو خارجی عداوتوں اور مخالفتوں نے مبتلائے کرب و اضطراب کر رکھا ہے۔ اعدائے ملتِ اسلامیہ نے انہیں ہر طرف سے گھیر رکھا ہے اور ان کے خلاف طرح طرح کی سازشوں میں مصروف ہیں۔ شب و روز یہ سازشیں جاری ہیں۔ امت کو نقصان پہنچانے اور قعرِ مذلت و ظلمت میں ڈھکیلنے کے نئے نئے جواز اور ذرائع ہر لمحہ پیدا کئے جا رہے ہیں۔

اگر بات اتنی ہی ہوتی تو معاملہ کچھ آسان ہوتا۔ اور ہم اپنے اساسی استحکام کے بل بوتے پر ان سازشوں کا مقابلہ کر لیتے اور دشمن کے تیروں کا رُخ خود انہیں کی طرف پھیر دیتے۔ لیکن سلسلہ کچھ زیادہ ہی آگے بڑھ چکا ہے۔ اپنی حکمتِ عملی سے ان اعدائے اسلام نے مسلمانوں ہی سے الجھا کر ان کے درمیان بغض و عداوت کی آگ بھڑکا دی ہے اور انہیں ایک دوسرے کے خلاف سازش و بدگوئی و الزام تراشی میں مصروف کر دیا ہے۔

ہر میدان میں دشمنوں کا یہ سازشی منصوبہ قریب قریب کامیاب ہو چکا ہے۔ امتِ مسلمہ کا وجود جس فکر کی بنیاد پر قائم ہے اس میں ان کے جراثیم سرایت کر چکے ہیں۔ زہریلے اثرات بڑھتے اور پھیلتے جا رہے ہیں۔

دینی فکر سے ہٹ کر کسی دوسرے شعبہ میں اگر کسی جماعت کے اندر کوئی بات پیدا ہو تو اس کا علاج آسان ہے۔ لیکن اگر فکری اصول اور نظریاتی بنیاد رکھنے والی کسی جماعت میں اساسی نقائص پیدا ہونے لگیں تو پھر اس کے لئے کوئی کامیاب دوا اور علاج بہت مشکل کام ہے۔ بالخصوص جب اصول و معتقدات میں اختلاف کا زہر پھیل جائے تو عقلیں کام نہیں کرتیں۔ طرح طرح کے فتنے پیدا ہوتے ہیں اور صحیح راستہ نہیں ملتا۔

دین کے ہر مخلص اور ملت کے غیرت مند فرد پر فرض ہے کہ وہ اس پُر خار وادی سے دُور رہے اور اس کی آگ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے۔ امت کو ان باتوں سے بچانے کی حتی المقدور کوشش کرے جن سے فتنے پیدا ہوتے ہیں۔

گہری فکر و بصیرت کے حامل علماء اور حکمت و موعظتِ حسنہ کے ساتھ دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دینے والے دُعاۃ و مبلغین، اسلام و تعلیماتِ اسلام کے خلاف پیدا کئے جانے والے شکوک و شبہات کے ازالہ، اسبابِ اختلاف کے سدِ باب اور مسائل کو تفریق و انتشار سے بچاتے ہوئے پاکیزہ اصول کی طرف راجع کرنے کی سنجیدہ اور پُر خلوص کوشش کریں۔ تاکہ امت کی اصلاح اور

اس کے اتحاد کا تحفظ ممکن ہوسکے۔ اور اسے عزت وعظمت حاصل ہوسکے۔

اس فاضلانہ اور نفیس کتاب کے ذریعہ عالم محقق ومدقق سید محمد بن علوی مالکی نے اجتہادی واختلافی مسائل میں آثار عصبیت مٹانے اور اتحاد ملت برقرار رکھنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

استعمال مجاز عقلی، اس کی تطبیق کا معیار، مفہوم شفاعت، زیارت قبر نبوی وغیرہ حساس موضوعات پر اعتدال وتوازن کی راہ اپنائی ہے اور اسی کی ہدایت بھی دی ہے۔

مباحث عقائد ومباحث نبوت ومباحث حیات برزخی ومشروعیت زیارت وتقریبات دینی ان تین موضوعات کو آپ نے موضوع بحث بنایا ہے۔

آج مسلمانوں کو اس کی شدید ضرورت ہے کہ آپس کے شکوک وشبہات دور کریں اور ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوجائیں۔ اختلاف رائے واستنباط میں جس حد تک دین کی طرف سے گنجائش نکلے اپنے مسلمان بھائی کے لئے مناسب عذر تلاش کریں۔ ان اعداء اسلام کے مقابلہ میں حق وصداقت اور صبر واستقامت کا دامن پکڑے رہیں جو اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونک سے بجھانا چاہتے ہیں۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ تو اپنے نور کی تکمیل فرمائے گا ہی۔ ان کا فروں کو جا ہے جتنا بھی ناگوار گزرے۔

انشاء اللہ اختلافات ختم کرنے اور امت مسلمہ کے درمیان محبت واتحاد کی راہ ہموار کرنے میں اس کتاب کا مبارک ومسعود حصہ ہوگا۔

و اللہ من وراء القصد۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔
والصلوٰة و السلام علی خاتم الانبیاء والمرسلین۔ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

ا۔ د/ عبد الفتاح عبد اللہ برکة

الامین العام لمجمع البحوث الاسلامیة بالقاهرة

تقریظ

العلامة الادیب الکبیر الاستاذ احمد عبد الغفور عطار

الحائز علی جائزة الملک فیصل العالمیة فی الادب العربی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین ۔ والصلوٰۃ والسلام علی اشرف المرسلین سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ۔ اما بعد :

ایک عزیز دوست نے فضیلۃ العلامۃ الجلیل السید محمد بن علوی بن عباس المالکی کی کتاب مفاہیم یجب ان تصحح مجھے عنایت فرما کر اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں اس سے متعلق کچھ اظہار خیال کروں ۔ چنانچہ میں یہ چند سطور سپرد قلم کر رہا ہوں ۔

ویسے تو ان مذہبی وعلمی اور دعوتی میدان میں عظیم خدمات انجام دینے والی ممتاز شخصیات نے جو کچھ لکھ دیا ہے وہی کافی ہے ۔

الاستاذ عبد اللہ کنون الحسنی رئیس رابطہ علماء المغرب ۔

الشیخ محمد الخزرجی وزیر الاوقاف والشئون الاسلامیہ بدولۃ الامارات العربیۃ ۔

الشیخ محمد الشاذلی النیفر عمید کلیۃ الشریعۃ بتونس ۔

الشیخ محمد سالم عدود رئیس الحکمۃ العلیا لجمہوریۃ موریتانیہ الاسلامیۃ ۔

اور الشیخ حسنین محمد مخلوف مفتی الدیار المصریۃ السابق وعضو کبار العلماء بالازہر الشریف کا مقدمہ بڑا ہی جامع ہے ۔

لیکن اپنے دوست کی خواہش پر میں بھی کچھ لکھ رہا ہوں اور اپنی عادت کے مطابق وہی باتیں لکھ رہا ہوں جو میرے نزدیک حق ہیں ۔

مفاہیم یجب ان تصحح کا میں نے مطالعہ کیا۔ اور محسوس یہ کیا کہ حد تکفیر تک آپ سے مخالفت رکھنے والے افراد سے بھی آپ جدال کرنا نہیں چاہتے۔ بلکہ حکیمانہ اسلوب کے ساتھ صرف حق کی وضاحت آپ کا مقصود ہے۔ اپنے مخالفین پر نہ کوئی الزام تراشی کی ہے اور نہ ہی کوئی سب وشتم ہے۔ کسی موضوع پر اپنی اصل رائے سے زیادہ اپنا علم اور دلیل آپ نے پیش فرمائی ہے۔

رائے پیش کرنے میں توازن وطہارت سے مؤلف کتاب نے کام لیا ہے۔ اور یہ رائے اس حق و صواب پر مبنی ہے جو شریعت وعقیدہ، سلوک ومعاشرت، علم وادب ہر لحاظ سے کتاب وسنت سے مستنبط ومستفیض ہے۔

اسلام نے فکر ورائے پیش کرنے کا دروازہ بند کیا ہے اور نہ اس کا حق کسی ایک فرد کے لئے مخصوص کیا ہے۔ علماء اسلام کسی بھی مسئلہ میں بحث وتدقیق اور استنباط واستخراج کا حق رکھتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ حقائق ونصوص کے فہم واد راک میں فرق مراتب اور اختلاف نقطہ نظر ایک فطری چیز ہے جیسے بعض آیات کریمہ واحادیث مبارکہ کی تفسیر وتشریح میں مفسرین ومحدثین کرام کی الگ الگ رائیں ہیں اور ائمہ وفقہاء کے درمیان بھی مسائل واحکام میں بہت سارے اختلافات موجود ہیں۔۔۔۔۔۔

لیکن ان اختلافات کی وجہ سے ان حضرات میں سے کسی نے دوسرے کی تکفیر نہیں کی۔ جس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ایسے معاملات میں ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے، بہتان طرازی کرنے اور فتویٰ کفر عائد کرنے سے ہمیں دور رہنا چاہئے۔

العلامہ الجلیل السید محمد بن علوی المالکی الحسنی نے اپنی کتاب مفاہیم یجب ان تصحح میں حکمت وموعظت حسنہ کا طریقہ اپنایا ہے۔ اپنی کتاب کو سب وشتم سے محفوظ رکھ کر حق وخیر وشرف وجمال کی دعوت کو پیش نظر رکھا ہے۔ اور آپ کے دلکش اسلوب دعوت وتحریر میں خانوادہ نبوت و اہل بیت اطہار کے اخلاق کریمانہ کا عکس جمیل نظر آتا ہے۔

کتاب کے بارے میں میری رائے کا خلاصہ یہ ہے۔ یہ کتاب حق کا واضح بیان ہے۔ جس سے دینی فکر پیش کرنے کا مؤلف کا طریقہ واسلوب بھی سامنے آجاتا ہے۔ اور خود موصوف کی ذہنی فکر کا بھی اس میں بیش قیمت خزانہ نہیں بلکہ کان (معدن) ہے۔

لوگوں کے فکر واعتقاد کی آپ نے بہت اچھے پیرایہ میں اصلاح فرمائی ہے۔ جس کا اکابر اہل علم:

فضل نے پُرجوش استقبال کیا ہے۔ جس کی شہادت کتاب اور مؤلفِ کتاب کے سلسلے میں ان کی تصدیقات وتقریظات سے ملتی ہے۔ اور ہم خود بھی ان کے اس استقبال وترحیب میں برابر کے شریک ہیں۔

العلامۃ الجلیل الداعی الاسلامی الکبیر السید محمد بن علوی المالکی الحسنی نے دین اسلام پیغمبر اسلام سیدنا محمد رسول اللہ علیہ افضل الصلوٰۃ وازکی السلام کی جو مخلصانہ خدمت انجام دی ہے اس کے لئے ہم ان کی خدمت میں شکریہ ومبارکباد کی نذر گزارتے ہیں۔

ساتھ ہی دعوت الی اللہ کے میدان میں آپ نے جو سچا جہاد فرمایا ہے اس پر بھی ہم انہیں ہدیۂ تشکر وامتنان پیش کرتے ہیں۔ کہ یہی وہ جہاد ہے جس نے مشرقی وجنوبی ایشیا میں اسلام کی بنیاد مستحکم کی اور بلاد اسلامیہ وممالک عربیہ میں کلمۃ اللہ کو سربلند کیا۔

فجزاه الله كل خير ونفع بخلقه العظيم وعلمه العزيز وفضله المدرار

احمد عبد الغفور عطار - مكة المكرمة

تقریظ

مفتی السودان سماحۃ الفقیه العلامة السید احمد العوض

رئیس مجلس الافتاء الشرعی بجمهوریۃ السودان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمین مولی النعم ومنشئ الخلق من العدم ۔ والصلوٰۃ والسلام علی اکرم خلق الله سیدنا محمد بن عبد الله ارسله ربه رحمة للعالمین و علی آله وصحبه اجمعین ۔

امابعد: بحمدہ تعالیٰ عالم محقق سید محمد بن علوی مالکی مکی حسنی خادم العلم بالحرمین الشریفین کی کتاب مفاهیم یجب ان تصحح کے مطالعہ کا موقعہ میسر آیا ۔

یہ مفاہیم تین امور سے متعلق ہیں جنہیں مؤلف جلیل نے تین ابواب میں تحریر فرمایا ہے۔

پہلا باب مباحث عقیدہ پر مشتمل ہے جن میں دلائل و براہین اور باب عقائد میں آج کے معیار تکفیر وتضلیل کے نقائص کا بیان ہے۔

دوسرا باب مباحث نبوت یعنی خصائص نبوت حقیقت نبوت حقیقت بشریت اور مفہوم تبرکات وآثار نبوی پر مشتمل ہے۔ صحابہ وتابعین وائمہ سلف سے منقول دلائل و براہین قاطعہ آپ نے ذکر کردئے ہیں ۔

تیسرے باب میں حیات برزخی ومشروعیت زیارت نبوی اور آثار ومشاہد وتقریبات دینی وغیرہ کے مباحث مذکور ہیں۔ جن میں مؤلف نے تحقیق وتدقیق واصلاح فکر واعتقاد کا حق ادا کردیا ہے۔

آج جو لوگ مسلمانوں کو امر و نہی کا فریضہ انجام دینے کے مدعی ہیں۔ اور مذکورہ تینوں ابواب میں جو باتیں ان کے مزعومات کے خلاف ہیں ان کے قائل وعامل مسلمانوں کو دین سے خارج سمجھنے کے

مرض میں مبتلا ہیں وہ صحیح طور پر معیار تکفیر وتضلیل سے ناآشنا ہیں۔ اس لئے بے بصیرتی کے ساتھ مسلمانوں پر کفر و شرک کا فتویٰ دے ڈالتے ہیں۔

استاذ کبیر عالم جلیل سید محمد بن علوی مالکی نے اپنی کتاب مفاہیم یجب ان تصحح میں اصلاح فکر و اعتقاد کا فریضہ انجام دے کر شبہات و اشکالات کا قلعہ قمع کر ڈالا ہے اور کتاب و سنت وارشادات علماء ملت سے دلائل پیش کر کے تفصیل کے ساتھ سارے مباحث میں حق وصواب کو واضح اور روشن کر دیا ہے۔

مسلمانوں کی ہدایت وخیر خواہی کے مدعیوں کو اس کتاب نفیس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے تاکہ یہ حقائق مکمل طور پر ان کے سامنے آجائیں اور روشن حجت رکھنے والی ملت اسلامیہ کے خلاف وہ حکم کفر وضلال لگانے میں جلد بازی نہ کر سکیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ مؤلف کتاب کو جزائے خیر سے نوازے۔

وصلی اللّٰہ وسلم علیٰ سیدنا محمد النبی الاعظم و علیٰ آلہ وصحبہ ذوی الفضل والکرم۔

حررہ فی ۱۵ ربیع الثانی سنۃ ۱۴۰۷ھ - الموافق ۱۷ دیسمبر ۱۹۸۶م -

السید احمد العوض المدنی

قاضی المحکمۃ العلیا بجمہوریۃ السودان و

رئیس مجلس الافتاء الشرعی۔

تقریظ

فضیلة السید عبد السلام جبران

رئیس المجلس العلمی الاقلیمی بمراکش

الحمد لله الذی زین العلماء وخصهم بالخشیة وتفضل علیهم بالمعیة وصلوٰة وسلاما علی خیر البریة واصحابه والذریة ۔ اما بعد،

علم ایک بحر بیکراں ہے جس کا کوئی ساحل نہیں۔ ذات باری تبارک وتعالیٰ ہی اس کا منتہا ہے۔ اور علم نافع وہی ہے جس پر عمل بھی ہو۔ اسے مباہات سے محفوظ رکھا جائے۔ اس کے ذریعہ دوسروں کو زیر کرنے کی کوشش نہ کی جائے اور اپنی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرنا اس کا مقصد نہ ہو۔

تدریس وتالیف کے ذریعہ خدمتِ علم میں مصروف رہنا ایک عبادت ہے جس سے علم کا فضل وشرف ظاہر ہے۔ یہ علم انبیاء ومرسلین کی وراثت ہے اور اہل علم انبیاء ومرسلین کے وارث ہیں۔ لوگوں کی ضرورت کے مطابق علم کی تشریح وتدریس، تصنیف وتالیف اور اس کی تحصیل کرنے والے قابلِ مبارکباد ہیں۔

امتِ مسلمہ کو خیر وبرکت سے ہمکنار کرنے اور درس وتدریس ونشر واشاعت علم کرنے والے جلیل القدر علماء ومبلغین میں سے ایک نمایاں شخصیت سیدی محمد بن علوی مالکی حسنی کی بھی ہے جو اس کتاب مفاهیم یجب ان تصحح کے مؤلف ہیں۔

یہ کتاب اسلام کی عظیم خدمت کے طور پر ظہور پذیر ہوئی ہے جس سے لوگوں کے دل ودماغ کو جلا ملے گی اور ان کے شکوک وشبہات دُور ہوں گے۔ اپنے موضوع پر یہ کتاب دورِ حاضر کی سب سے بہتر تصنیف ہے۔ علماء عارفین نے اس کتاب کا مطالعہ کر کے اسے بے حد پسند کیا اور اس کے مؤلف کی تعریف وتوصیف کی جس نے اللہ ورسول اور ملتِ اسلامیہ کی جانب سے ان پر عائد ایک فریضہ کی تکمیل کر دی۔ اور اس کتاب نے بہت سے لوگوں کی زبانیں گنگ اور ان کے قلم کو عاجز ومبہوت بنا دیا۔

المجلس العلمی مراکش نے اس کتاب کے فصول وابواب کا نہایت دقتِ نظر سے مطالعہ کیا۔ اور وہ اس کی مکمل تصدیق وتائید کرتے ہوئے اس عظیم خدمت پر مؤلفِ کتاب کو شکریہ ومبارکباد پیش کرتی ہے۔ والسلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ۔

عبد السلام جبران رئیس المجلس العلمی بمراکش واعضاء المجلس

تقریظ

العلامة الفقیہ الشیخ محمد فال البنانی

الامین العام للرابطة الاسلامیة الموریتانیة۔

وعضو رابطة العالم الاسلامی بمکة المکرمة۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ

اشرف المرسلین قائد الغر المحجلین

امابعد: (کچھ تمہیدی کلمات)

...... صحیح اور بہتر علم اللہ ہی کو ہے۔ میں جہاں تک سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس کتاب "مفاہیم یجب ان تصحح" کے مطالعہ کے بعد معترضین و معاندین کے سامنے اس کے سوا کوئی چارہ باقی نہ رہ جائے گا کہ وہ زیر بحث مسائل کے اندر اس موقف کو تسلیم کرلیں جسے حضرت مؤلفِ کتاب نے پیش کیا ہے کیوں کہ ملتِ اسلامیہ کے سلف و خلف معتمد محدثین وائمہ کبار کا اس موقف پر تقریباً اجماع ہے۔

اللہ ان سب حضرات کو اسلام کی طرف سے بہتر جزا دے۔ مؤلفِ کتاب کو بھی جزائے خیر سے نوازے اور ان مسلمانوں کے لئے آپ کی عمر دراز فرمائے جن کا مقصد صرف اظہار حق ہے۔ آپ کو برکت و سعادت سے ہمکنار کرے۔ علم و عمل اور صلاح و تقویٰ سے آراستہ آپ کے آباء واجداد پر اپنی رحمت کی بارش برسائے جنہوں نے کتاب وسنت و دیگر علوم وفنون اسلامیہ سے فرزندانِ اسلام کے قلوب و اذہان کو روشن و منور کیا۔ زمین کے دور دراز خطوں سے تشنگانِ علومِ نبوت کے قافلے ان کے یہاں اترتے اور پھر واپس ہوکر اقصائے عالم

میں دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔

میں خود مؤلفِ کتاب کے والدمحترم جناب شیخ سید علوی عباس مالکی کی زیارت سے مشرف ہوچکا ہوں۔ اور اس بات کا گواہ ہوں کہ انہوں نے میدان دعوت وتبلیغ واشاعت علوم دینیہ میں عظیم الشان کردار ادا کیا ہے۔ مسجد حرام مکہ مکرمہ کے اندر آپ کا جو حلقۂ درس ہوتا تھا اس میں بار بار اور کئی سال میں نے حاضری دی ہے جہاں ترجمہ وتفسیر قرآن حکیم، حدیث وفقہ، توحید وعقائد وغیرہ کا آپ درس دیا کرتے تھے۔ آپ کے حلقۂ درس میں تلامذہ وسامعین کی کثرت ہوا کرتی تھی۔

اللہ تعالیٰ حضرت سید علوی عباس مالکی کو اپنی بیکراں رحمت سے نوازے۔ علم وعمل اور درس وتدریس میں آپ کے وارث وجانشین نوجوان صالح ومتقی سید محمد علوی مالکی کو عمر طویل عطا فرمائے، جو لوگوں کو گمراہی سے ہدایت کی طرف لانے والے، اللہ سے محبت رکھنے والے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق ہیں۔

حرر بنو اكشوط بتاريخ ٢٠ رجب ١٤٠٥م الموافق

١١ ابريل ١٩٨٥م - المتبرئ من الحول والقوة محمد فال البناني

عضو المجلس التاسيسى لرابطة العالم الاسلامى (بمكة)

والامين العام للرابطة الموريتانية للدفاع عن الاسلام۔

تقریظ

العلامة الشیخ یوسف بن احمد الصدیقی

القاضی الوکیل لمحکمة الاستئناف العلیا الشرعیة بدولة البحرین

وعضو رابطة العالم الاسلامی بمکة المکرمة .

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰة والسلام علی سید المرسلین وقائد الغر المحجلین.

سیدنا محمد حبیبنا وشفیعنا وطبیب قلوبنا صلوٰة وسلاما دائمین ماتعاقب اللیل والنھار

وعلی آلہ الاطھار وصحابتہ الاخیار۔

امابعد: شہزادۂ خانوادۂ نبوی مؤلف کریم علامہ فاضل سید محمد علوی مالکی کی عظیم کتاب "مفاھیم یجب ان تصحح" مفاہیم جلیلہ مقاصد عالیہ اور دلائل واضحہ کی جامع ہے۔ بالخصوص وہ مباحث جو آثار مبارکہ سے حصول برکت، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ سے توسل، مسجد نبوی اور قبر نبوی کے سامنے حاضری کے لئے اہتمام سفر پر مشتمل ہیں، کتاب و سنت کے براہین اور ممتاز علماء سلف و خلف کے اقوال سے اپنی اس کتاب کو آپ نے مدلل اور مزین کر دیا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ مؤلف کتاب کو بہتر جزا عطا فرمائے۔ دنیا و آخرت کے ثواب سے مالا مال کرے۔ ہمیں اور آپ کو اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت سے سرفراز کرے۔ آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آپ کی سنت پر قائم رکھتے ہوئے ہمیں موت دے اور کل بروز قیامت ان کے پرچم کے زیر سایہ ہمیں جمع فرمائے۔ آمین۔

ھذا وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ واتباعہ الی یوم الدین.

کتبہ یوسف بن احمد الصدیقی فی ۱۲ شعبان ۱۴۰۵ھ

القاضی الوکیل لمحکمة الاستئناف العلیا الشرعیة بدولة البحرین

وعضو المجلس التاسیسی للرابطة الاسلامیة .

تقریظ

فضیلۃ الشیخ محمد عبد الواحد احمد

وکیل وزارۃ الاوقاف بجمہوریۃ مصر العربیۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی بصرنا بالحق وھدانا الیہ وارشدنا الی الصواب و اعاننا علیہ۔ الالہ الخلق والامر تبارک اللہ رب العالمین۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ اشرف خلقہ واجلّ رسلہ محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم۔

امابعد: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امت کے مخلص علماء ودُعاۃ حق وہدایت کے ایک گروہ کو اس کی توفیق بخشی کہ وہ اسلامی درایت وروایت کے محافظ وامین بن کر اپنے آپ کو ازالۂ شبہات ورد متشابہات کے لئے وقف کرچکے ہیں۔ اوران اصول وقواعد کی تائید واستحکام کی خدمت میں مصروف ہیں جن پر جماعت اہل سنت قائم ہے۔ درحقیقت یہ لوگ بڑے عالی ہمت، بلند نگاہ اور صاحب ذوق سلیم ہیں۔

اپنے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی احسان شناسی اور آپ کے حقوق کی پاسداری و وفاداری میں ان کا یہ سارا اخلاص اور جد وجہد ہے۔ اور اپنے رب قادر وقیوم کی خوشنودی پر ان کی نظر مرکوز ہے۔ شرف ومجد والے سلف کے یہ بہترین خلف ہیں۔ رب کائنات نے جس امانت کا ان کے سلف کو حامل و امین بنایا اسے انتساب اور اس کے دفاع کی ذمہ داری بخشی۔ اس اہم امانت کے تحفظ ودفاع کی راہ میں وقار وعزیمت اور پوری قوت وطاقت کے ساتھ انہوں نے ایثار وقربانی پیش کی۔

انہیں مجتہدانہ شان رکھنے والے علماء و داعیان حق کی فہرست میں مجاہد اسلام، عارف باللہ، عاشق رسول مقبول فضیلۃ السید الشیخ الشریف محمد بن علوی المالکی الحسنی کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سید محمد بن علوی مالکی کو نیکیوں سے نوازے۔ انہیں اور زیادہ کمال ایمان عطا فرمائے۔ حق پر ان کے یقین کو قائم و ثابت رکھے۔ انہیں اور ان کے ان رفقا اہل اخلاص و ارشاد و ہدایت کے ذریعہ اسلام کو تقویت بخشے۔ جنہیں اللہ نے یہ خدمت سپرد کر رکھی ہے کہ وہ دین اسلام کا تحفظ و دفاع کریں۔ اور سید المرسلین خاتم النبیین علیہ افضل الصلوات وازکی التسلیمات کو جس منصب رفیع پر فائز کیا اس کا خوب خوب اظہار و اعلان کریں۔

سید محمد بن علوی مالکی نے صدائے حق و صداقت بلند کی ہے۔ اور خصائص و امتیازات و فضائل و کمالات مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا کا ذکر و بیان کیا ہے۔

محبت و الفت رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے قلب و روح میں سمائی ہوئی ہے۔ اس لئے آپ نے ابی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو زندہ کیا۔ محفل صلوٰۃ و سلام آراستہ کیا۔ اور افضل الرسل واشرف الخلق سیدنا محمد رسول اللہ کی نعت و مدحت و تعریف و توصیف میں نور و نکہت سے معمور نہ جانے کتنی بزمیں سجائیں۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ یوم مولدہ و یوم مبعثہ ویوم یؤذن لہ بالشفاعۃ فی ساحۃ القضاء امام رب العالمین احکم الحاکمین عزوجل۔

کتبہ محمد عبد الواحد احمد

من علماء الازہر بالقاہرۃ۔ و وکیل وزارۃ الاوقاف بمصر

تقریظ

العلامة الفقیه الاصولی الشیخ محمد سالم عدود

رئیس المحکمة العلیا بموریتانیة۔ وعضو المجمع الفقهی
برابطة العالم الاسلامی بمکة المکرمة

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(منظوم تصدیق کے کچھ اشعار)

وہ مفاہیم درست ہو گئے جن میں لوگ سرگرداں تھے اور ابہام و التباس بھی زائل ہو گیا۔

علوی مالکی نے اپنی بحث دقیق سے ہمارے سامنے ایسے حقائق واضح کردئے جن کی گہرائی تک بڑے بڑے ماہرین کا ذہن نہیں پہنچ سکا تھا۔

لوگ خواہ کچھ بھی تکرار و نزاع اور انکار کریں، لیکن آپ نے جمع و تشریح اور توضیح و تفہیم کا حق ادا کردیا ہے۔

آپ کے اخذ کردہ نتائج و مطالب کو اصول اربعہ کتاب و سنت و اجماع و قیاس کی تائید و حمایت حاصل ہے۔

ان خیالات کے ساتھ میں نے اس کتاب کی تصدیق کی ہے اور مجھے امید ہے کہ حمایت حق میں میرا حصہ ہوگا۔

محمد سالم بن محمد علی بن عبد الودود "عدود"

رئیس المحکمة العلیا للجمهوریة موریتانیة الاسلامیة

وعضو المجمع الفقهی لرابطة العالم الاسلامی بمکة المکرمة۔

تقریظ

ابوزید ابراھیم سید

موجہ اللغۃ العربیۃ بجمھوریۃ مصر والمنتدب الی دبی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(منظوم تصدیق کے کچھ اشعار)

علوی مالکی کی کتاب ایک سورج ہے جس نے حقیقت واضح اور روشن کردی۔ اس کتاب کے اندر نورِ نبوت کی تابانی و درخشانی ہے۔

سورج اس کتاب کے ساتھ طلوع ہوا اور خلقِ خدا پر اس نے عقیدہ وہدایت کے انوار بکھیرے۔

افکار وخیالات کو اس نے منور کیا۔ اور ظلمت پسند عقلوں نے اس سے ہدایت پائی۔

مؤلفِ کتاب کا مقصد صرف رضائے الٰہی اور مسلمانانِ عالم کا باہمی اتحاد واتفاق ہے۔

اللہ رب العزت اس شیخ جلیل کو برکتوں سے نوازے جس کے علوی درخت کی شاخیں بلندی پر ہیں۔

اے اللہ! عظمتِ اسلام کے لئے حامیان علوی مالکی کی نصرت فرما اور روئے زمین کے ہر خطہ پر حامیانِ حق کو عزت وقوت عطا فرما۔

ابوزید ابراھیم سید

موجہ اللغۃ العربیۃ بجمھوریۃ مصر والمنتدب الی دبی

علماء جامعہ ازھر مصر کا مشترک بیان

تقریظ

کبار علماء الازھر الشریف بالقاھرۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف المرسلین سیدنا
ومولانا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔ امابعد،

حوارمع المالکی مؤلفہ عبداللہ بن سلیمان بن منیع کے سلسلے میں مجلس
شعبۂ حدیث جامعہ ازھر قاہرہ مصر کے علماء کا بیان!

۔۔۔۔۔۔۔ ہم نے اور سعودی عرب کے اسکولوں کالجوں میں استاذ کی حدیث سے خدمت انجام دینے والے اکثر علماء و اساتذہ اور مسجد حرام مکہ مکرمہ کے بیشتر زائرین نے دیکھا ہے کہ باب السلام کے قریب حدیث نبوی کا ایک بڑا حلقۂ درس لگا ہوا ہے اور سماحۃ الشیخ الوقور فضیلۃ الدکتور السید محمد بن علوی مالکی کا فیضان علم جاری ہے۔

ہم علماء جو وہاں تدریس پر مامور تھے اور حرم شریف مکہ مکرمہ میں حاضری دیا کرتے تھے وہاں ہم نے دیکھا کہ اس محدث جلیل وکبیر کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے خدمت حدیث نبوی کا اعزاز اسی طرح مرحمت فرما رکھا ہے جیسے آپ کے والد سید علوی بن عباس مالکی کو اس سعادت سے ان سے پہلے نواز رکھا تھا۔

اس علوی خانوادہ کو بڑا ہی فضل و شرف اور اثر و نفوذ حاصل ہے۔ اور اس کی عظمت و حیثیت سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔

اس مبارک علوی خانوادہ کو ایک بڑی لائق افتخار و قابل صد رشک خصوصیت یہ حاصل ہے کہ بعض احادیث نبوی کی زبانی روایت اسے ایسی میسر ہے جس کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک صحیح و متصل ہے۔ اس عالم جلیل محدث کبیر فضیلۃ السید محمد بن علوی مالکی سے ان کے والد اور ان کے بعد سلسلہ بہ سلسلہ یہ سند روایت صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہونچتی ہے۔

دوسرا شرف و امتیاز یہ ہے کہ اسے علم وافر و نافع حاصل ہے۔ بہت سی مفید و وقیع تصنیفات و تالیفات ہیں۔ اور عالم اسلام کے ہر خطہ میں اس کے تلامذہ و معتقدین و منتسبین پھیلے ہوئے ہیں۔

سید محمد بن علوی مالکی جیسے عالم جلیل کو تو ایک علمی و روحانی خزانہ، اسلامی تہذیب و تمدن کا داعی، عالم اسلام کا مقتدا و پیشوا اور ان ائمہ حدیث میں سے ایک مقتدر امام سمجھا جانا چاہئے جن کے علم کے ساتھ ساتھ اخلاص و عمل بھی ہے۔ ہمارا اپنا سچا تاثر یہی ہے۔ اور ہم اپنی معلومات کے مطابق ہی یہ گواہی بھی دے رہے ہیں۔

افسوسناک بات یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے اس عالم و امام و محدث کبیر کی شان و حیثیت کو مجروح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور وہ اپنے اس اقدام میں راہ صواب سے دُور جا پڑے ہیں۔ بلکہ ایسی سنگین غلطی کا ارتکاب کیا ہے جس نے آپ کے مسلک کے منکرین و معترضین کو اس منزل تک پہنچا دیا کہ وہ آپ کو دائرۂ اسلام ہی سے خارج کرنے کی مذموم جسارت کر بیٹھے۔ حالاں کہ آپ کے سارے افکار و نظریات جلیل القدر ائمۂ متقدمین مثلاً علامہ جلال الدین سیوطی، علامہ ابن حجر اور علامہ تقی الدین سبکی وغیرہم کے افکار و نظریات کے عین مطابق ہیں۔

اگر یہ معترضین فضیلۃ الشیخ سید محمد بن علوی مالکی کے بیان کردہ مراجع و مآخذ کی طرف رجوع کر لیتے تو ان کی صحت کا انہیں علم ہو جاتا اور وہ یہ بھی جان لیتے کہ یہ افکار سنت نبوی سے ماخوذ و مستنبط ہیں۔ اور اکثر ائمہ و علماء اسلام انہیں کے حامی و مؤید ہیں۔

بعض عجیب و غریب خیالات جو آپ کی طرف غلط طور پر منسوب ہیں دان سے آپ بری ہیں۔ کیوں کہ ان میں تلبیس و تدلیس ہے۔ وہ آپ کے خیالات ہی نہیں بلکہ معترضین نے سیاق و سباق سے

الگ ہٹ کر خود اپنی طرف سے کوئی غلط مطلب نکال لیا ہے۔ ایسی صورت میں انہیں آپ پر حکم کفر عائد کرنے کا کیا حق ہے؟ کیا وہ آپ کا دل چیر کر دیکھ چکے ہیں؟

ہم نے سید محمد بن علوی مالکی کی تحریروں اور ان کی تصنیفات و تالیفات کا مطالعہ کر رکھا ہے جو علم و ہدایت سے مملو ہیں۔ لیکن عبداللہ بن سلیمان بن منیع نے اپنی کتاب حوار مع المالکی[1] کے ذریعہ نہ جانے کتنے شکوک و شبہات اور فتنے پیدا کر دیے ہیں۔

فضیلۃ الشیخ السید محمد بن علوی المالکی علم حدیث کے متبحر عالم ہیں۔ سب سے قدیم اور مرکزی اسلامی

---

[1] سید محمد بن علوی بن عباس مالکی نے تقریباً ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل ایک کتاب الذخائر المحمدیۃ (مطبوعہ قاہرہ مصر) لکھی۔ اور آپ ہی کا ایک کتابچہ ہے۔ حول الاحتفال بالمولد النبوی الشریف (مطبوعہ جدہ ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء) ان دونوں کتابوں کی بنیاد پر سعودی عرب کے وظیفہ خوار علماء و شیوخ نجد نے شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز الرئیس العام لادارات البحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ والارشاد کی سربراہی میں سید محمد بن علوی مالکی کو مبتدع و ضال و مضل قرار دیا

شیخ بن باز کے حکم پر ایک نجدی عالم شیخ عبداللہ بن سلیمان بن منیع نے حوار مع المالکی فی رد منکراتہ و ضلالاتہ کے نام سے تقریباً دو سو صفحات کی ایک کتاب لکھی جس پر بن باز کی تقریظ بھی ہے۔ حوار مع المالکی سید محمد بن علوی مالکی کی مذکورہ دونوں کتابوں کے رد میں ہے جسے سعودی حکومت پوری دنیا میں مفت تقسیم کرا چکی ہے۔

عالم اسلام کے سیکڑوں علماء و مشائخ سید محمد بن علوی مالکی کی حمایت اور نجدی شیوخ کی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنی تحریر و تقریر کے ذریعہ احقاقِ حق و ابطالِ باطل کا فریضہ انجام دیا۔ اس سلسلے میں یہ چند کتابیں خود میری نظر سے گزر چکی ہیں۔ اور میرے پاس موجود بھی ہیں۔

(۱) اعلام النبیل بما فی شرح الجزائری من التلبیس والتضلیل۔ مؤلفہ شیخ راشد بن ابراہیم المریکی۔ مطبوعہ بحرین۔ مصدقہ محدث المغرب السید عبدالعزیز بن محمد بن صدیق الغماری۔

(۲) الرد المحکم المنیع علیٰ منکرات وشبہات ابن منیع۔ مؤلفہ الشیخ یوسف بن السید ہاشم الرفاعی سابق وزیر اوقات کویت۔ مطبوعہ کویت ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء۔

(۳) التحذیر من الاغترار بما جاء فی الحوار۔ بقلم الشیخ عبدالحی العمروی خلیفہ رئیس فرع رابطۃ العلماء بفاس۔ والشیخ عبدالکریم مراد عضو رابطۃ العلماء بالمغرب۔ طبع اول فاس مراکش ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۴ء

اس کتاب کے ایک پیراگراف کا ترجمہ یہ ہے ـــ معلوم ہوا ہے کہ ایک مصری عالم نے بھی ابن منیع کی حوار مع المالکی کا جواب لکھ کر شائع کر دیا ہے۔ ایشیاء و افریقہ سے بھی اسی طرح کی اطلاعات مل رہی ہیں جس سے اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کی غیرت بیدار ہو چکی ہے اور وہ نصرت و دفاع حق کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ اھ۔

(۴) زیر نظر کتاب مفاہیم یجب ان تصحح مؤلفہ سید محمد بن علوی مالکی مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۹۸۵ء

(۵) بعض اسانید و مفاہیم پر نجدی اعتراضات کے جوابات بنام تعلیقات واستدراکات بقلم بعض کبار علماء السودان۔ مشمولہ مفاہیم یجب ان تصحح الطبعۃ الثالثۃ سنۃ ۱۹۸۸م۔ وزارت عدل و اوقاف دولۃ الامارات العربیۃ المتحدۃ۔

یٰسٓ اختر مصباحی

ادارہ جامعہ ازہر قاہرہ کی اعلیٰ علمی سندیں آپ کے پاس موجود ہیں۔ حدیث نبوی، تشریع اسلامی اور سیرۃ رسول پر آپ کی کئی تالیفات ہیں۔ آپ کے تلامذہ و معتقدین پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ہم نے خود آپ کی کتابوں کا مطالعہ کر رکھا ہے۔ ان سے احادیث کی سماعت کی ہے۔ ہماری ان سے ملاقات و گفت گو ہے۔ ان کا اخلاق و کردار ہمارے سامنے ہے۔ ان کی دینی و علمی مجالس میں بارہا شریک ہو چکے ہیں۔ اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی ذات سے ایک انجمن ہیں۔ اور ایک فرد نہیں بلکہ جماعت ہیں۔ اپنے علم و عمل سے لوگوں کی ہدایت و قیادت کا فریضہ شب و روز ان کی ذات سے انجام پا رہا ہے۔ علمی استناد اور دیانت و امانت کے ساتھ وہ کتابوں کی تصنیف و تالیف میں ہر لمحہ معروف و منہمک رہتے ہیں۔

سید محمد بن علوی مالکی ان عظیم علما اسلام میں سے ہیں جن کے وجود پر حکومت سعودی عرب بلکہ ہر مسلمان اور ہر عالم دین کو فخر کرنا چاہئے۔

عبد اللہ بن سلیمان بن منیع مؤلف حوار مع المالکی اور ان جیسے دوسرے لوگوں کو اپنی جسارت و حرکت پر بارگاہ الٰہی میں صدق دلی سے توبہ کرنی چاہئے جنہوں نے اس امام کبیر و محدث عظیم پر بہتان طرازی و الزام تراشی کر کے بہت بڑا گناہ مول لیا ہے۔ اسلام نے کسی مسلمان کی تکفیر سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔ کیوں کہ ایمان کا محل و مرکز قلب ہے اور یہی حال کفر کا بھی ہے اور قلوب کے احوال صرف علام الغیوب جانتا ہے۔

کسی جہاد میں ایک شخص کا اسامہ بن زید سے سامنا ہو گیا۔ اس نے آپ سے سلام کیا لیکن آپ نے کافر سمجھ کر قتل کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ بن زید کے اس فعل پر اظہار ناگواری فرمایا۔ اسلام نے اس سلسلے میں پوری طرح تحقیق کر لینے کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ (نساء ۹۴)

اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کرو تو تحقیق کر لو۔ اور جو تم سے سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تم مسلمان نہیں۔ تم جتنی دنیا کے اسباب چاہتے ہو تو اللہ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ بن زید کا عذر قبول نہیں کیا اور فرمایا کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو اے کافر کہہ کر پکارے تو دونوں میں سے کسی ایک پر کفر لوٹ آتا ہے۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ جس شخص نے کسی کی طرف کفر کا انتساب کر کے اسے پکارا یا اسے عدو اللہ کہا۔ اور وہ ایسا نہ ہو تو اس کا قول اسی کی طرف لوٹ آئے گا۔ رواہ مسلم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تین چیزوں کا تعلق اصل ایمان سے ہے۔ جس نے لا الہ الا اللہ کہا اس پر سے رک جاتا ہے۔ اسے اس کے کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں گے نہ اس کے کسی جہل کی وجہ سے اسے اسلام سے خارج کریں گے۔ رواہ ابو داؤد وسعید بن منصور ولہ شواھد۔

یہ ہے اسلام کا حکم جو نص کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ پھر حوار مع المالکی کے مؤلف اور ان جیسے دوسرے لوگ آخر اس اتہام وبہتان اور ظلم وعدوان کے مرتکب کیسے ہوتے؟ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْن۔ ایسے شہرۂ آفاق عالم دین کی طرف انتساب کفران لوگوں نے کیسے کر دیا جس کی تصنیفات وتالیفات عالم اسلام کو آفتاب وماہتاب کی طرح روشن ومنور کر رہی ہیں۔ سبحٰنک ھذا بھتان عظیم۔

اس جرم عظیم اور سنگین غلطی کا ارتکاب کرنے والوں کو ہم پھر متنبہ کرتے ہیں اور انہیں دعوت حق و ہدایت دیتے ہوئے عرض گزار ہیں کہ وہ عقل کے ناخن لیں۔ اور کج بحثی وکج روی سے باز آکر اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں سچی توبہ کریں اور کلمۂ شہادت پڑھیں۔

ابن منیع نے حوار مع المالکی میں فضیلۃ الشیخ السید محمد بن علوی المالکی کی شخصیت ان کے علم وفضل اور ان کے نسب ہر ایک پر جارحانہ حملہ کیا ہے اور اپنی اس جارحیت کے ذریعہ سب وشتم کیا ہے جب کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ سباب المومن فسوق وقتالہ کفر۔

کتاب حوار مع المالکی کے ذریعہ صہیونیت واعداء اسلام کی مدد

ہم علماء جامعہ ازہر مصر کی رائے اور ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ عبد اللہ بن سلیمان بن منیع کی کتاب حوار مع المالکی اور اس جیسی دوسری کتابوں پر پابندی عائد کر دی جائے اور انہیں کوئی مسلمان نہ پڑھے۔ کیوں کہ ایسی کتابیں مسلمانوں کی وحدت وسالمیت کے لئے زہر قاتل ہیں۔

شیخ سید محمد بن علوی مالکی کے جن افکار وخیالات کی حوار مع المالکی کے ذریعہ تجہیل وتحمیق کی گئی

ہے وہ باوزن علمی افکار وخیالات ہیں جن کی کتاب وسنت سے سند ملتی ہے۔ اور قابل احترام علما وائمہ کرام کے مسلک کے مطابق ہیں۔

کتاب حوار مع المالکی درحقیقت تفریق بین المسلمین کا ایک آلہ اور عالمی صیہونیت وکمیونزم واعداء اسلام کا خطرناک ہتھیار ہے۔ علماء اسلام کے اتحاد واتفاق کی بنیاد پر چلنے والا ایک تیشہ ہے۔ جس سے اسلامی اجتماعیت اور اسلامی دعوت وتبلیغ کو بھی زبردست خطرہ لاحق ہوگیا ہے۔

تفاسیر قرآن وشروح احادیث میں مفسرین ومحدثین کے درمیان بہت سارے اختلافات ہیں۔ اور ان کے الگ الگ اپنے مسالک وآراء اور ان کے دلائل ہیں۔ پھر بھی کوئی کسی کی تجہیل وتحقیق نہیں کرتا نہ کسی کے خلاف حکم کفر لگاتا ہے۔ کیوں کہ قلوب کے احوال تو بس علام الغیوب ہی جانتا ہے۔

حوار مع المالکی اور اس کے مؤلف نیز ان کی بولی بولنے والے دوسرے حضرات جو عالم جلیل داعی اسلام شیخ سید محمد بن علوی مالکی کو نشانہ بنا رہے ہیں وہ درحقیقت اس عالمی صیہونیت والحاد وکمیونزم و اسلام دشمن عناصر کے ان سازشی منصوبوں کو کامیاب بنانے میں مدد دے رہے ہیں جو مسلمانوں کی قوت وشوکت پاش پاش کرنے اور ان کے درمیان اختلاف ونفاق کا بیج بونے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور اسلام ومسلمین کے خلاف اپنے حربے آزمانے میں شب وروز مصروف ہیں۔

جب علماء کا ایک طبقہ ہی مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے لگے اور ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگے تو دشمنانِ اسلام کا مقصد خود بخود پورا ہو جائے گا۔ اور ان کی تو یہی خواہش وکوشش ہی ہے۔

سامراج کا پرانا طریقہ تھا کہ لڑاؤ اور حکومت کرو۔ اب فکری وثقافتی محاذ پر اس کا نیا حربہ یہ ہے کہ علماء وداعیانِ اسلام کی شخصیت کو فکری وثقافتی اعتبار سے مسلم معاشرہ میں مجروح کردو۔ حوار مع المالکی جیسی کتاب علما اور مسلمانوں کے باہمی اعتبار واعتقاد اور ہم آہنگی کی بنیاد پر ایک ضرب کاری ہے۔

حوار مع المالکی اور اس جیسی دوسری کتابیں اسلام پر ایک ضرب کاری

مؤلف حوار مع المالکی اور ان جیسی بولی بولنے والے حضرات مسلمانوں کے درمیان اختلاف و تفریق پیدا کرنے اور اختلافات کی خلیج کو وسیع کرنے کی مہم میں لگے ہوئے ہیں۔

عالمی صیہونیت وملحد کمیونزم اور سامراج جو مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے درپے ہیں۔

اور کچھ علماء و مبلغین اس حملے کا مقابلہ اور اعداء اسلام سے جہاد کر رہے ہیں۔ ایسی صورت حال میں جب مسلمان یہ دیکھیں گے کہ بعض علماء ایک دوسرے کی تجہیل و تکفیر میں لگے ہوئے ہیں تو آخر وہ کیا سوچیں گے اور کون سا راستہ اپنائیں گے؟

کمیونزم کے تعاون سے جدید سیکولرزم کا منصوبہ یہ ہے کہ دین کو ریاست اور ہر شعبۂ زندگی سے جدا کر دیا جائے اور مسلم عوام کے سامنے یہ دلیل پیش کی جائے کہ اسلام اب مسلمانوں کے لئے مفید و نفع بخش نہیں رہ گیا ہے۔ ماہر اور سینئر کمیونسٹوں کی نظر میں دین کو نظامِ حکومت اور شعبہائے زندگی سے خارج کرنے کی واحد تدبیر یہ ہے کہ خود اسلام کے بنیادی عقائد و مسلّمات کو شکوک و شبہات کا نشانہ بنا دیا جائے۔ اور اسلام کو مشکوک بنانے کے لئے ضروری ہے کہ مسلم معاشرہ کے مؤثر و مقبول و معتمد علماء و داعیانِ اسلام کو مشکوک بنا دیا جائے۔ جب ان علماء و مبلغین پر سے مسلمانوں کا اعتبار اٹھ جائے گا تو ان کی باتوں کو بھی وہ مستند اور قابل توجہ نہیں سمجھیں گے۔ اس طرح صیہونیت و کمیونزم اور استعمار کا مشترک مقصد پورا ہو جائے گا۔

کتاب حوار مع المالکی اور اس جیسی دوسری کتابیں یہی کردار ادا کر رہی ہیں کہ دین و علم کے ناشر و مبلغ، عالم باعمل، مجاہد اسلام، محدث کبیر شیخ سید محمد بن علوی مالکی کی باوزن اور مستند مذہبی شخصیت کو مسلمانوں کی نظر میں مشکوک بنانا چاہ رہی ہیں۔

ابن منیع! کیا آپ علماء اسلام کو مطعون و مجروح کرنے والے اعداء اسلام کا آلۂ کار بن کر ان کا ہاتھ بٹا رہے ہیں؟

آپ کو تو ان اعداء اسلام سے مقابلہ کرنا چاہئے تھا جو ہمارے اسلامی عقائد سے برسرپیکار رہیں۔ اسی طرح الحاد، صیہونیت، ماسونیت، قادیانیت، بہائیت اور کمیونزم وغیرہ سے جنگ کرنی چاہئے تھی۔ لیکن افسوس کہ آپ نے ایسے عالم ربانی کی راہ میں روڑے اٹکانا شروع کر دیا جن کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی ہے۔ جنہوں نے اپنے علم و عمل، سیرت و کردار اور تحریر و تصنیف کے ذریعہ اسلام کی بے شمار خدمات انجام دیں۔

مسلمانوں کی وحدت کو قائم رکھنا ایک مقدس فریضہ ہے۔ اور جو شخص اس پر ضرب لگائے اسے اس مذموم عمل سے سختی کے ساتھ روکا جانا چاہئے۔

کتاب حوار مع المالکی سب وشتم والزام تراشی وبہتان طرازی پر مشتمل ہے۔ اور مؤلف کتاب کے خلاف حکم شریعت کا نفاذ ہو تو انہیں اسّی کوڑے لگائے جائیں اور مردود الشہادۃ قرار دیا جائے۔

ہم دنیا بھر کے علماء اسلام سے عموماً اور علماء سعودی عرب سے خصوصاً عرض گزار ہیں کہ وہ اس حرکت انتشار و تفریق اور شر پسندی پر جس طرح بھی ہو سکے پابندی عائد کریں۔

حجاز مقدس تو مہبطِ وحی وگہوارۂ علم ہے۔ دائرۂ فکر اسلامی اور مرکز اتحاد عالم اسلام ہے جو تفریق نہیں بلکہ وحدت واجتماعیت کا داعی ہے۔

ہم علماء اسلام فرمانروائے نجد وحجاز اور ان کی حکومت سے اپیل کرتے ہیں کہ علماء اسلام کی صفوں میں انتشار پھیلانے والے اور وحدتِ امتِ مسلمہ کو سبوتاژ کرنے والے ان ناپاک ہاتھوں کو قابو میں رکھیں اور انہیں قرار واقعی سزا دیں۔

اور ہم یہ بھی پُرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ عالم کبیر محدث جلیل، داعی مخلص فضیلۃ السید محمد بن علوی مالکی کو حسب سابق حرم مکی میں اس کی باضابطہ اجازت دی جائے کہ وہ حلقۂ درس وافادہ کے ذریعہ طالبان علوم کتاب وسنت اور علماء ومحبین کو فیض پہنچانے کا قدیم سلسلہ شروع کر سکیں۔ اور آپ کی شخصیت اور علم وفضل سے خلقِ خدا کو نفعِ عام پہونچ سکے۔

وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

توقیعات علماء مجلس قسم الحدیث النبوی بجامعۃ الازہر بالقاہرۃ

وبعض کبار علماء الازہر الشریف بالقاہرۃ

الدکتور احمد عمر ھاشم
رئیس مجلس قسم الحدیث سابقا
وعمید کلیۃ اصول الدین بالزقازیق

الشیخ محمد الزاوی
المفتش الاول بالازہر الشریف
والمستشار الدینی لمحافظۃ الفیوم

الدکتور عبد الغنی الراجحی
استاذ قسم الدراسات العلیا بجامعۃ الازہر بالقاہرۃ

تقاریظ

علماء و فضلاء جمهوریہ یمن

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی اشرف المرسلین سیدنا محمد و علی آلہ و صحبہ اجمعین ۔ اما بعد :

فضیلۃ السید علامہ سید محمد بن علوی مالکی کی کتاب مفاہیم یجب ان تصحح کا مطالعہ کر کے یمن کے علماء و فضلاء نے اس کی تحسین و تائید و تصدیق کی۔ اور اسے اپنے موضوع پر نہایت مفید و ممتاز تصنیف قرار دیا۔ جس میں مؤلف نے عقیدۂ سلف و خلف کے درمیان تطابق و توافق کے نشانات واضح کئے اور لوگوں کے اعتراضات و شبہات کا ازالہ فرمادیا۔ اہل سنت کی قدیم و جدید منظوم و منثور کتابوں کی گردن میں یہ ایک بیش قیمت ہار ہے۔ اپنے موضوع پر نہایت جامع و مکمل ہونے کے ساتھ طالبان علم نبوت کے اذہان و قلوب اس سے مطمئن و مسرور ہوتے ہیں۔ اور اس کے مشتملات عقائد اہل سنت کے عین مطابق ہیں۔ فجزاہ اللہ عن الاسلام و المسلمین خیر الجزاء۔

١ مفتی الجمهوریة الیمنیة السید احمد بن محمد زبارة
٢ مفتی لواء تعز السید ابراهیم بن عمر بن عقیل
٣ الشیخ اسد بن حمزة بن عبد القادر رئیس علماء زبید
٤ الشیخ احمد داؤد الیمنی
٥ السید عبد الهادی عجیل رئیس الانقاذ الاسلامی الیمنی
٦ رئیس المرکز الاسلامی بتعز محمد حزام المقرمی
٧ الشیخ احمد علی الوصابی عامل وصایا قضاء زبید
٨ مفتی زبید السید محمد بن سلیمان
٩ الشیخ عبد الکریم بن عبد اللہ
١٠ الشیخ حسین بن عبد اللہ الوصابی
١١ الشیخ السید محمد علی البطاح
١٢ مفتی لواء الحدیدة محمد علی مکرم
١٣ مدیر المعاهد العلمیة بصنعاء الشیخ محمد بن علی المنصور

بعض تصدیقات و تقاریظ علماء کرام

"مناهیم یجب ان تصحح" کی تصدیق و تائید اور تعریف و تحسین میں کچھ اور مشاہیر علماء اسلام نے بھی اپنی تحریروں سے نوازا۔ فجزاهم الله خیر الجزاء۔
طوالت کے خوف سے ہم انہیں شائع کرنے سے معذور ہیں۔ تقریظ و تصدیق لکھنے والے حضرات کا یہاں صرف نام دے دینا ہم کافی سمجھتے ہیں۔ ان حضرات کی رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے اس کتاب کے مشتملات کی مکمل تائید و حمایت فرمائی ہے۔ اسماء گرامی یہ ہیں:

۱۔ سماحة الامام العلامة الاصولی اللغوی الشیخ سیدی الفاروقی الرحالی۔ شیخ العلماء و رئیس مجلس العلماء بالمغرب۔ مراکش۔

۲۔ فضیلة العلامة الفقیه محدث المغرب بل محدث الدنیا الشیخ السید عبد الله بن محمد بن الصدیق الغماری۔

۳۔ فضیلة العلامة المحدث الاصولی السید عبد العزیز بن محمد بن الصدیق الغماری۔

٤۔ فضیلة الاستاذ الداعی الی الله السید محمد بن علی الحبشی رئیس المرکز الاسلامی باندونیشیا۔

۵۔ سماحة الامام العلامة العارف بالله والداعی الیه الحبیب عبد القادر السقاف۔ مفتی حضرموت وشیخ العلماء بها۔

٦۔ فضیلة العلامة الفقیه السید ابراهیم بن عقیل۔ مفتی الحدیدة۔

دیوبندی علماء کی تصدیقات

تصدیق

مولانا شیخ محمد عزیز الرحمٰن حقانی ہزاروی

خطیب و امام مسجد صدیق اکبر۔ راولپنڈی۔ پاکستان

بسم الله الرحمٰن الرحیم

الحمد لله وحده و الصلوٰة و السلام علی من لا نبی بعده و علی آله و اصحابه و من اتبع هدیه . اما بعد ،

فضیلۃ العلامۃ الجلیل السید محمد بن علوی المالکی الحسنی المکی کی کتاب مفاهیم یجب ان تصحح کا میں نے مطالعہ کیا۔ ماشاء اللہ عالمانہ وقار اور حکیمانہ طرز پر بنہایت نفیس اسلوب میں اپنی اس وقیع و قویم کتاب کے اندر آپ نے بہت سے فوائد و دلائل جمع کر دیے ہیں۔ فجزاه الله خیرا کثیرا.

مجموعی طور پر اس کتاب میں وہی مسلک پیش کیا گیا ہے جس پر علماء اہل سنت و جماعت سلفاً و خلفاً قائم رہے ہیں۔ اور ہمارے مفسر و محدث و فقیہ مشائخ کرام کا بھی یہی مسلک رہا ہے جن میں سے چند حضرات کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کی اولاد و تلامذہ۔ الامیر المجاہد الامام عارف باللہ الشیخ امداد اللہ الفاروقی مہاجر مکی اور ان کے رفقاء۔ حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتوی۔ قطب الارشاد الامام رشید احمد گنگوہی۔ حکیم الامۃ الامام الشاہ اشرف علی تھانوی۔ شیخ الاسلام الامام حسین احمد مدنی۔ قطب الاقطاب برکۃ العصر شیخ الحدیث الامام محمد زکریا کاندھلوی ثم مہاجر مدنی قدس اللہ سرہم۔ اور برصغیر ہندوستان کے دیگر اکابر علماء اہل سنت و جماعت۔

مذکورہ حضرات کے اکثر رسائل و کتب میں ان مسائل کا بیان ہے جن پر اس کتاب "مفاہیم" میں گفتگو کی گئی ہے۔ بالخصوص گراں قدر کتاب "المهند علی المفند" مرتبہ الامام المحقق الجلیل العلامہ الشیخ خلیل احمد (انبیٹھوی) محدث سہارنپوری جس پر اس دور کے تقریباً سبھی بڑے علماء کی تصدیقات ہیں۔

مفاہیم یجب ان تصحح کے اندر مذکور اکثر مسائل المہند علی المفند میں موجود ہیں۔ عبارت و اسلوب تحریر اگرچہ الگ الگ ہے مگر دونوں کتابوں کے مقاصد ایک ہی ہیں۔ مفاہیم و معانی بھی ایک ہی ہیں۔ بقول شاعر:

عباراتنا شتی وحسنک واحد وکل الی ذاک الجمال یشیر

اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس حق مبین کے گرد مسلمانوں کو مجتمع فرما دے اور ان کی صفوں میں اتحاد پیدا فرما دے۔ کیوں کہ ان کے درمیان اتحاد و اتفاق کی ضرورت اس دور میں پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔

شرق و غرب میں یہود و ہنود و نصاریٰ و ملاحدہ اور کمیونسٹوں نے ہر طرف سے ان پر دھاوا بول دیا ہے۔ اسی طرح قادیانیت و بہائیت و اسماعیلیت و باطنیت و رافضیت کی گمراہیاں ان کے خلاف سرگرم ہو گئی ہیں۔ اور اہل سنت ہیں کہ خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، جو بیدار ہیں ان کی قوت اور جد و جہد الگ الگ خانوں میں تقسیم ہے۔ ایک دوسرے کے دل بھی ملے ہوئے نہیں ہیں۔ کچھ معمولی نوعیت کے قدیم اختلافی مسائل کی وجہ سے امتِ مسلمہ کو درپیش عظیم خطرات و مفاسد سے وہ یکسر غافل ہیں۔

کاش! اے فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت کے وہ علما جو بعض اختلافی مسائل کی بنیاد پر ایک دوسرے کی تضلیل و تکفیر میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ ہوش میں آ کر ان حالات سے عبرت پکڑیں اور مسلمانوں کو متحد کرنے میں لگ جائیں صحیح دینی رہنمائی کا فریضہ انجام دیں۔ اور اطاعتِ الٰہی و اتباع نبوی کی ہدایت دینے لگیں۔

یہ خدمت تو اسی وقت انجام دی جا سکتی ہے کہ مہر و محبت، اعلیٰ ظرفی و کشادہ دلی، اور حکمت و موعظتِ حسنہ سے کام لیا جائے۔ اختلافی مسائل میں چشم پوشی برتی جائے اور شدت و غلو سے اجتناب کیا جائے۔

اللہ رب العزت خود اپنے محبوب و منتخب بندہ اور افضل المرسلین و خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح ارشاد فرماتا ہے۔

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۔ (آل عمران ۱۵۹)

اگر تم تند خو سخت مزاج ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ علامہ سید محمد بن علوی مالکی حسنی کی مساعیٔ جمیلہ کو قبول فرمائے اور انہیں مزید توفیق و قبولیت سے نوازے کہ آپ نے اپنی کتاب مفاہیم کے اندر اپنے ان مخالفین کے ساتھ بھی حسن سلوک اختیار کیا ہے جنہوں نے آپ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا۔ اور بے بنیاد طور پر آپ کی جانب کفر و ضلال کی نسبت کی۔ اپنے کسی بھی مخالف کی آپ برائی کیا کرتے کہ آپ نے کسی کا نام بھی لینا پسند نہیں کیا۔

آپ نے صرف روشن شرعی حجت قائم فرمائی۔ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ و اقوال صحابہ و ائمہ و علماء سے دلائل و براہین پیش کئے۔ یہی اصل بھی اور مناسب بھی ہے۔ اور یہی طرز و اسلوب آپ کی شایان شان بھی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور توفیق خیر سے نوازتا رہے۔ آمین

ہم نے ہمیشہ اپنے شیخ الامام القطب محمد زکریا کاندھلوی مدنی قدس اللہ سرہ کو سید محمد بن علوی مالکی سے بے پناہ محبت کرتے ہوئے اور اپنے ایک بیٹے کی طرح چاہتے ہوئے پایا۔ اور آپ بھی ہمارے شیخ سے ان کی حیات میں اور وفات کے بعد بھی اسی طرح محبت کرتے ہوئے دیکھا۔ اسی طرح وہ اپنے مشائخ اور ہمارے ان مشائخ کی محبت و تعظیم کرتے تھے جن کے علوم کا آپ پر فیضان ہوا مثلاً امام العصر المحدث الجلیل السید محمد یوسف بنوری۔ الامام المحدث الکبیر السید فخر الدین مرادآبادی شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند۔ الامام الداعی المحدث الشیخ محمد یوسف کاندھلوی وغیرہم۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس کتاب کو شرف قبولیت سے نوازے۔ اسے اپنے بندوں کے لئے نفع بخش اور ذریعۂ رشد و ہدایت بنائے۔ آمین۔

وصلی اللہ علی سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔ والحمد للہ رب العالمین۔

محمد عزیز الرحمٰن حقانی ہزاروی

خطیب و امام مسجد صدیق اکبر۔ راولپنڈی۔ پاکستان و خلیفۂ امام محدث علامہ محمد زکریا کاندھلوی ثم مدنی۔

تصدیق

مولانا محمد عبد القادر آزاد

خطیب و امام شاہی مسجد لاہور۔ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لانبی بعدہ وعلیٰ آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔ امابعد:

میں سید محمد عبد القادر آزاد رئیس مجلس علما پاکستان خود اپنی جانب سے اور بفضلہ تعالیٰ پاکستان وبیرون پاکستان ہر شہر میں پھیلے ہوئے اس مجلس علما پاکستان کے ذمہ داران وارکان جن کی تعداد تقریباً بیس ہزار ہے۔ ان سب علما کی جانب سے یہ سطور سپرد قلم کررہا ہوں۔

فضیلۃ العلامہ السید الشریف محمد بن علوی المالکی الحسنی کی کتاب مفاہیم یجب ان تصحح کا ہم نے مطالعہ کیا۔ یہ کتاب اسی مسلک کے مطابق ہے جس پر اہل سنت وجماعت سلفاً وخلفاً قائم ہیں۔ بہت اچھے اور مفید وبہتر طریقہ سے آپ نے قرآن وحدیث سے دلائل فراہم کردئے ہیں۔

اللہ سبحٰنہ وتعالیٰ حق مبین کی بنیاد پر مسلمانوں کو اتحاد واتفاق کی نعمت سے نوازے۔

دعوت الی اللہ اور نصرت اہل حق اہل سنت وجماعت کے اس جہاد میں ہم سید محمد بن علوی مالکی کے ساتھ ہیں۔

وصلی اللہ علیٰ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ واتباعہ وبارک وسلم تسلیما۔

سید محمد عبد القادر آزاد۔ رئیس مجلس علما پاکستان۔ وخطیب وامام

شاہی مسجد۔ لاہور۔ ۱/۵/۱۴۰۸ھ

نفیس حسینی۔ خلیفہ امام شیخ عبد القادر رائے پوری۔

محمد عبد الغنی۔ الجامعۃ المدینہ۔ لاہور۔

علی اصغر خطیب پنجاب۔ لاہور۔

محمد عبد الواحد۔ خطیب وامام جامع مسجد سیالکوٹ۔ پاکستان۔

تصدیق

مولانا محمد عبد المالک کاندھلوی
شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور۔ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین و العاقبۃ للمتقین و صلی اللہ تعالیٰ علی خاتم الانبیاء والمرسلین و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔

امابعد، فضیلۃ العلامۃ الاستاذ الشیخ السید محمد بن علوی المالکی الحسنی کی مبنی برحق و ہدایت کتاب مفاہیم یجب ان تصحح کا میں نے مطالعہ کیا۔

یہ کتاب ایک نادر موضوع پر لکھی گئی ہے جس کے مضامین نہایت بلند پایہ ہیں۔ علماء وطلبہ کو ایسی کتاب کی شدید ضرورت تھی۔

مؤلف کا حسن ذوق و بلندئ فکر اس کتاب سے نمایاں ہے۔ اصول دین کے بہت سے موضوعات کے مبہم و مشکل مسائل اس کتاب سے حل ہو جاتے ہیں۔ بلاشبہ اس کتاب نے ایسے دقیق نکات سے پردہ اٹھادیا ہے جو علماء کی نظر سے پوشیدہ تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور اپنی ظاہری و باطنی نعمتوں سے متمتع و فیضیاب فرمائے۔ مسلمانانِ شرق و غرب کو عموماً اور علماء کو خصوصاً آپ کے وجود اور فیضانِ علم سے سیراب و سرفراز فرمائے۔ وما ذلك على الله بعزيز۔ آمین یارب العلمین۔

محمد عبد المالک کاندھلوی غفر اللہ لہ۔ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور۔

مفتی محمد عبد اللہ۔ رئیس جامعہ اشرفیہ لاہور۔

عبد الرحمٰن۔ نائب رئیس جامعہ اشرفیہ لاہور۔

حامد میاں بن محمد میاں۔ خلیفہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی۔

تصدیق

ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر

ناظم اعلیٰ و ناظم تعلیمات جامعہ اسلامیہ۔ کراچی۔ پاکستان

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ اشرف الانبیاء و المرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔ امابعد:

فضیلۃ الشیخ الفاضل السید محمد بن علوی المالکی حفظہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس پر علماء کرام کی تصدیقات وتقریظات کا میں نے مطالعہ کیا۔

فضیلۃ العلامہ المفتی الشیخ حسنین محمد مخلوف حفظہ اللہ تعالیٰ کی تحریر سے مجھے مکمل طور پر اتفاق ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ علماء حق کے اتحاد و اتفاق کا مناسب وقت آپہنچا ہے اور انہیں اپنے مشترک دشمن کے مقابلہ میں مضبوط صف بندی کرلینی چاہئے کیونکہ یہ دشمن اپنی پوری طاقت و توانائی کے ساتھ دین حنیف اور اس کے ماننے والوں کو نیست و نابود کردینے کے درپے ہے اور مقامات مقدسہ کے نشانات مٹا دینا چاہتا ہے۔

ہمیں اپنے اجتہادی و اختلافی مسائل میں ایک دوسرے کے ساتھ کشادہ ظرفی اور درگذر سے کام لینا چاہئے۔ تاکہ ہماری قوت آپس ہی میں ضائع ہو کر نہ رہ جائے۔ بلکہ ہمارا فرض بنتا ہے کہ دین حنیف کی نشر و اشاعت اور اس کے دفاع میں اپنی قوت صرف کریں۔

فضیلۃ الشیخ الفاضل السید محمد بن علوی المالکی جن دنوں کراچی میں تحقیق و مطالعہ کے سلسلے میں کئی ماہ مقیم رہے۔ ان ایام میں کئی بار میں نے انہیں قریب سے دیکھا ہے۔ اکابر علماء اہل حق و توحید مثلاً فضیلۃ العلامہ المحدث الجلیل الشیخ محمد یوسف بنوری وفضیلۃ العلامہ المفتی الجلیل الشیخ محمد شفیع دیوبندی رحمہما اللہ تعالیٰ کے پاس آپ بڑے شوق اور دلچسپی کے ساتھ آیا جایا کرتے تھے۔

واسأل اللہ سبحٰنہ لہ التوفیق والسداد

ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر ناظم اعلیٰ و ناظم تعلیمات جامعہ اسلامیہ۔ کراچی۔

محمد بن محمد یوسف بنوری نائب رئیس الجامعۃ الاسلامیہ۔ کراچی۔

ابوابِ کتاب

اس کتاب کے مندرجہ ذیل تین ابواب ہیں

پہلا باب

مباحث عقیدہ :

دَورِ حاضر کے معیار تکفیر و تضلیل کے نقائص و مفاسد

دوسرا باب

مباحث نبویہ :

خصائص رسول صلی اللہ علیہ وسلم ۔ حقیقت نبوت ۔ حقیقت بشریت ۔ مفہوم تبرکات و آثار نبویہ ۔

تیسرا باب

مباحث مختلفہ :

حیات برزخی ، استحباب زیارت نبوی و آثار و مشاہد و تقریباتِ دینی ۔

پہلا باب

بے بنیاد تکفیرِ اہلِ قبلہ کے بارے میں تنبیہ و وعید

وہ اسباب جن کی بنیاد پر کوئی شخص خارج از اسلام ہو اور اس پر حکم کفر عائد کیا جائے ان کی حقیقت سے بیشتر لوگ ناواقف اور غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں۔ اللہ ان کی ہدایت و اصلاح فرمائے۔

محض اختلاف رائے کی وجہ سے ایسے لوگ کسی مسلمان پر کفر کا حکم لگانے میں جلد بازی کر ڈالتے ہیں۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے خیال کے مطابق روئے زمین پر بس تھوڑے ہی مسلمان باقی رہ جاتے ہیں۔

ہم حسن ظن سے کام لیتے ہوئے انہیں علیٰ سبیل التنزل و الافتراض ایک حد تک معذور سمجھ سکتے ہیں۔ اور یہ کہہ سکتے ہیں کہ فریضۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے جذبہ سے شاید وہ نیک نیت ہوں۔

لیکن اس نکتہ تک ان کے ذہن کی رسائی نہ ہوسکی کہ فریضۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ادائیگی کے لئے حکمت و موعظت حسنہ ضروری ہے۔ اور جب بحث تک معاملہ پہونچے تو اس کا بھی بہتر انداز ہونا چاہئے۔

رب کائنات ارشاد فرماتا ہے۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔ (سورۂ نحل۔ آیت ۱۲۵)

اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو بہتر ہے۔

یہ طریقہ زیادہ قابلِ قبول اور حصولِ مقصد کے لئے زیادہ مفید ہوتا ہے۔ اور اس طریقہ سے گریز و مخالفت غلطی بھی ہے اور حماقت بھی۔

کوئی مسلمان جو نمازی ہو، فرائضِ اسلام ادا کرتا ہو، محرمات سے بچتا ہو، دعوتِ حق دیتا ہو، مساجد کی تعمیر میں حصہ لیتا ہو، مراکزِ دین کے قیام میں دلچسپی رکھتا ہو، اسے اگر آپ کسی ایسے امر کی دعوت دیں جسے آپ حق اور وہ باطل سمجھتا ہو ساتھ ہی اس کے حق و ناحق ہونے پر پہلے ہی سے علماء کے درمیان اختلاف رہا ہو جس کی وجہ سے وہ شخص آپ کی رائے سے اتفاق نہ کرے تو محض اس اختلافِ رائے کی وجہ سے اس کے اوپر آپ کا حکم کفر نہایت غلط بات، ناپسندیدہ جرم، اور بہت ہی سنگین معاملہ ہے جس سے اللہ منع فرماتا ہے اور ایسی شکل میں حکمت و موعظتِ حسنہ کی دعوت دیتا ہے۔

کسی اہلِ قبلہ کی تکفیر نہ کرنے پر علماءِ امت کا اجماع ہے۔ صرف اس شکل میں تکفیر کی جائے گی کہ وہ وجودِ باری تعالیٰ کا منکر ہو یا ایسے شرکِ جلی کا مرتکب ہو جس میں تاویل ممکن نہ ہو یا انکارِ نبوت کرے یا ضروریاتِ دین کا منکر ہو یا اہلِ ایمان کے تواتر کا انکار کرے یا کسی بھی متفق علیہ دینی حکم و عمل کا انکار کرے۔

ضروریاتِ دین مثلاً توحیدِ باری تعالیٰ، نبوتِ انبیاء کرام، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختمِ نبوت، حشر و نشر، حساب و جزاء، جنت و دوزخ کا منکر کافر ہے۔ کسی مسلمان کا یہ عذر قابلِ قبول نہیں ہوگا کہ وہ ان چیزوں سے ناواقف ہے۔ صرف نو مسلم کا عذر اس وقت تک مانا جائے گا جب تک کہ وہ ان چیزوں کو سیکھ نہ لے۔ اس کے بعد اس کا عذر بھی نہیں مانا جائے گا۔

متواتر وہ خبر ہے جس کے راوی اتنے کثیر ہوں کہ ان کا جھوٹ پر متفق ہونا عادۃً محال ہو۔ خواہ بحیثیت اسناد ہو جیسے حدیثِ رسول ہے۔ من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ جو شخص جان بوجھ کر میری طرف جھوٹا انتساب کرے وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنالے۔

خواہ بحیثیت طبقہ ہو جیسے تواترِ قرآن! جس پر شرق و غرب میں درس و تلاوت

وحفظ کے ذریعہ تواتر ہے۔ عہد بہ عہد طبقہ بہ طبقہ لوگوں تک قرآن پہنچا ہے اس لئے وہ محتاج اسناد نہیں۔

کبھی تواتر عمل و توارث ہوتا ہے۔ جیسے عہد رسالت سے آج تک کسی چیز پر تواتر عمل ہو۔ یا تواتر علم ہو جیسے تواتر معجزات رسول! جن میں بعض اگرچہ آحاد ہوں لیکن ان کی قدر مشترک ہر مسلمان کے علم میں قطعی طور پر متواتر ہے۔

مذکورہ امور کے علاوہ کسی مسلمان پر حکم کفر لگانا بڑی سنگین بات ہے۔ حدیث رسول میں وارد ہے "جب آدمی اپنے بھائی کو اے کافر کہے تو ان دونوں میں سے کسی پر وہ لوٹ آتا ہے"

رواہ البخاری عن ابی ھریرۃ۔

یہ حکم لگانا اسی عالم کے لئے صحیح ہوگا جو نور شریعت کی برکت سے خوب اچھی طرح جانتا ہو کہ شریعت مطہرہ کے نزدیک ایمان و کفر کے درمیان حد فاصل کیا ہے اور کفر کی ابتدا و انتہا کیا ہے۔

قطعی علم اور یقین و اذعان کے بغیر محض ظن و تخمین سے کسی کی تکفیر کرنا اور اس میدان میں گھوڑے دوڑانا جائز نہیں ورنہ وہ خود گم کردہ راہ ہو جائے گا اور اس کے خیال کے مطابق روئے زمین پر کچھ ہی مسلمان باقی رہ جائیں گے۔

شہادت توحید و رسالت کے ہوتے ہوئے اگر کوئی شخص گناہوں کا ارتکاب کر رہا ہے تو اس کی تکفیر بھی جائز نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا؛

تین چیزیں ایمان کی اصل ہیں۔ لا الٰہ الا اللہ پر ایمان رکھنے والے شخص سے کف لسان اور محض اس کے کسی گناہ کی وجہ سے اس کی تکفیر نہ کرنا۔ اور ایسے عمل کے سبب اسے اسلام سے خارج نہ کرنا۔ جب سے اللہ نے مجھے مبعوث فرمایا اس وقت سے دجال کے ساتھ جہاد کرنے والے میرے آخری امتی تک جہاد کا جاری رہنا جسے کسی ظالم کا ظلم اور عادل کا عدل باطل نہیں کرسکتا اور تقدیر پر ایمان رکھنا۔ اخرجہ ابوداؤد۔

امام الحرمین فرمایا کرتے تھے۔ اگر ہم سے پوچھا جائے کہ کن اقوال وعبارات سے تکفیر ہوتی ہے اور کن سے نہیں۔ تو ہم کہیں گے کہ تمہاری یہ بے محل خواہش ہے کیوں کہ اس کی تہ تک پہنچنا اور اس کی راہ طے کرلینا بڑا ہی سخت و دشوار ہے۔ اسے اصول توحید و ایمان

کی مدد سے ہی حل کیا جاسکتا ہے۔ اور جسے اس کی گہرائی وگیرائی تک رسائی حاصل نہیں وہ یقین واعتماد کی بنیاد کے ساتھ دلائل تکفیر تک نہیں پہونچ سکے گا۔

اسی لئے مذکورہ مقامات کے علاوہ بے بنیاد تکفیر پر سخت تنبیہ و وعید ہے۔ اور یہ بڑا ہی سخت و سنگین معاملہ ہے۔ واللہ الھادی الی سواء السبیل و الیہ المصیر۔

مسلمانوں کو سب وشتم اور ان سے قتال فسق وکفر

مذکورہ اسباب کی بنا پر مسلمانوں سے عناد و عداوت اور ان کا مقاطعہ حرام ہے۔ مسلمانوں کو سب وشتم فسق اور ان سے قتال کفر ہے، جب کہ وہ اسے جائز سمجھے۔

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بنی جذیمہ سے جنگ کے وقت انہیں دعوتِ اسلام دیتے ہوئے جو کچھ کہا اور کیا اس کا واقعہ اس باب میں عبرت ونصیحت کے لئے کافی ہے۔

حضرت خالد بن ولید جب بنی جذیمہ کے قریب پہنچے تو اس سے کہا کہ اسلام قبول کرلو لوگوں نے کہا کہ ہم تو مسلمان ہیں۔ آپ نے فرمایا اپنے ہتھیار پھینک دو اور اتر آؤ۔ انہوں نے کہا واللہ! ایسا نہیں ہوسکتا۔ ہتھیار پھینکنے کے بعد تو ہم قتل کردیے جائیں گے۔ ہمیں آپ پر اور آپ کے ساتھیوں پر اطمینان نہیں ہے۔ حضرت خالد نے کہا۔ تمہیں تو بس اسی وقت امان ہے جب تم اتر آؤ۔ یہ سن کر ایک جماعت اپنی سواری سے اتر آئی اور باقی لوگ منتشر ہوگئے۔

ایک روایت میں ہے۔ حضرت خالد جب ان لوگوں کے قریب پہنچے تو وہ آپ کے پاس آئے۔ آپ نے ان سے پوچھا تم کیا ہو؟ یعنی مسلمان ہو یا کافر؟ انہوں نے کہا ہم مسلمان ہیں نماز پڑھتے ہیں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے ہیں۔ ہم نے اپنے یہاں مسجدیں بنا رکھی ہیں جن میں اذان دیتے ہیں۔

مگر یہ لوگ اپنی مراد صحیح طور پر نہ ظاہر کرسکے اور اسلمنا کی بجائے صبانا صبانا کہہ دیا۔ یعنی یہ نہیں کہہ سکے کہ ہم اسلام قبول کر چکے ہیں بلکہ اس کی جگہ پر یہ کہا کہ ہم دین بدل چکے ہیں، ہم دین بدل چکے ہیں۔

حضرت خالد نے پوچھا تم نہیا۔ بند کیوں ہو؟ انہوں نے کہا ہمارے اور کچھ عربوں کے

درمیان عداوت ہے۔ ہمیں خطرہ گزرا کہ یہ وہی لوگ ہیں اس لئے ہتھیار اپنے ساتھ لے لیا۔ آپ نے فرمایا اب ہتھیار رکھ دو۔ تو انہوں نے اپنے ہتھیار اتار دئے۔

اس کے بعد حضرت خالد نے حکم دیا کہ ان سب کو قید کر لیا جائے۔ تو آپ کے حکم پر انہیں قیدی بنالیا گیا اور مشکیں کس دی گئیں اور لوگوں کے درمیان انہیں الگ الگ جگہوں پر بھیج دیا گیا۔ جب صبح ہوئی تو حضرت خالد کے ایک منادی نے اعلان کیا کہ جس کے پاس جو قیدی ہو اسے وہ قتل کر دے۔ چنانچہ بنی سلیم کے پاس جو قیدی تھے انہیں بنو سلیم نے قتل کر دیا اور انصار و مہاجرین نے قتل سے انکار کر دیا اور اپنے قیدیوں کو چھوڑ دیا۔ یہ خبر جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچی کہ خالد بن ولید نے ایسا ایسا کیا ہے تو آپ نے دوبارہ یہ ارشاد فرمایا۔

اللّٰھم انی ابرأ الیك مما صنع خالد۔ اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا اس سے میں تیری بارگاہ میں اظہار برأت کرتا ہوں۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت خالد بن ولید نے یہ سمجھا کہ وہ لوگ اسلام کے مطیع و منقاد نہیں ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے معاملے میں عجلت پسندی اور سرسری انداز کو ناپسند کیا۔ انہیں پہلے صبانا کا صحیح مفہوم و مراد سمجھ لینی چاہئے تھی۔ حالاں کہ یہی وہ خالد بن ولید ہیں جن کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ اللہ کی شمشیر ہیں جنہیں اللہ نے کفار و منافقین پر بے نیام کر رکھا ہے۔

اسی طرح حضرت اسامہ بن زید کا واقعہ ہے۔ امام بخاری نے ابو ظبیان کی روایت نقل کی ہے۔ انہوں نے کہا۔ میں نے اسامہ بن زید کو یہ کہتے ہوئے سنا،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مقام حرقہ کی طرف بھیجا۔ ہم صبح کے وقت وہاں پہنچے اور اس کے سبھی آدمیوں کو ہم نے شکست دی۔ میں نے اور ایک انصاری نے مل کر ایک آدمی کا پیچھا کیا۔ جب ہم اس کے قریب پہونچ کر اس پر چھاگئے تو اس نے کہا لا الٰہ الا اللہ۔ انصاری یہ سن کر رک گئے لیکن میں نے اسے نیزہ مار کر قتل کر ڈالا۔ جب ہم واپس آئے اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ اے اسامہ! لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی تم نے اسے مار ڈالا؟ میں نے کہا یا رسول اللہ! وہ اپنی جان کی امان

کے لیے ایسا کہہ رہا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مذکورہ بات بار بار دہرانے لگے۔ یہاں تک کہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ کاش! اس دن تک میں نے اسلام نہ قبول کیا ہوتا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تم نے اس کا دل کیوں نہ شق کر ڈالا جس سے تم یہ جان لیتے کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا۔ اسامہ بن زید نے کہا۔ میں ایسے شخص سے قتال نہیں کروں گا جو لا الہ الا اللہ کی شہادت دے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے آپ کی مخالف جماعتوں کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا وہ کافر ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں! وہ کفر سے دور ہیں۔ پھر پوچھا گیا کیا وہ منافق ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں، منافق اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔ اور یہ اللہ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ پھر پوچھا گیا تو یہ لوگ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ یہ فتنہ میں مبتلا ہیں۔ اندھے بہرے ہو چکے ہیں۔

مقامِ خالق و مقامِ مخلوق

مقامِ خالق و مخلوق کے درمیان جو فرق ہے وہی اسلام وکفر کے درمیان حد فاصل ہے اور جو شخص ان دونوں مقامات کو خلط ملط کرے اس نے کفر کیا۔ والعیاذ باللہ!

ہر مقام کے مخصوص حقوق ہیں۔ کچھ امور یہاں ذکر کئے جائیں گے۔ بالخصوص ذات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے وہ خصائص جو آپ کو دوسرے انسانوں سے ممتاز کر کے آپ کی شخصیت وحیثیت کو ارفع واعلیٰ بنا دیتے ہیں۔ بعض لوگوں کی کم عقلی، کوتاہ فکری اور تنگ نظری وغلط فہمی کی وجہ سے یہ امور ان کے لئے مشتبہ و ناقابلِ فہم بن گئے ہیں، جس کی وجہ سے وہ امتیاز واختصاص رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قائلین پر اس بدگمانی کے ساتھ حکم کفر عائد کرنے اور انہیں دائرۂ اسلام سے خارج کرنے میں عجلت پسندی سے کام لیتے ہیں کہ انہوں نے مقامِ خالق و مخلوق کو خلط ملط کر دیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کو مقامِ الوہیت تک پہنچا دیا ہے۔ جس سے ہم اللہ کی بارگاہ میں اظہارِ برأت کرتے ہیں۔

اللہ کے فضل و کرم سے ہم اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ اللہ کے حقوق کیا ہیں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کیا ہیں۔ اسی طرح ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ کون ساحق صرف اللہ کا ہے اور کون ساحق اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

نفع وضرر، منع وعطاء ذاتی، غلبہ وتسلط کامل، تخلیق و تدبیر، ملکیت وانفرادیت کاملہ اور اجلال وتقدیس وتفرد بالعبادۃ کے مختلف مراتب وانواع واحوال کی صفات وخصائص الوہیت وربوبیت کے حدود تک پہنچنے والا کوئی غلو ہم شانِ رسالت میں نہیں کرتے۔

البتہ محبت واطاعت رسول اور عشق ووارفتگی رسول کا جہاں تک معاملہ ہے تو اس میں شغف وانہماک ہمارے نزدیک محمود ومستحسن اور محبوب ہے جیسا کہ حدیث رسول میں وارد ہے۔

لا تطرونی کما اطرأت النصاریٰ ابن مریم ۔میری اس طرح بیجا تعریف نہ کرو جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم کی بے جا تعریف کی۔

واضح مطلب یہ ہے کہ جو تعریف و توصیف رسول بے جا نہ ہو وہ محمود و مطلوب ہے۔اور اگر اس کا کوئی دوسرا معنی لیا جائے تو اس کا مطلب ہوگا کہ آپ کی تعریف بالکل ہی ممنوع ہے۔ جب کہ ایسی بات کوئی جاہل ترین مسلمان بھی نہیں کہہ سکتا۔کیوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن عظیم میں آپ کی عظمتِ شان بیان کی ہے۔اس لیے ہمارا بھی فرض ہے کہ جس رسول کی عظمت شان اللہ نے بیان کی اور اس کی تعظیم کا ہمیں حکم دیا اس کی عظمتِ شان ہم بھی بیان کریں۔ البتہ ہمارے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس تعریف و توصیف میں کوئی صفتِ ربوبیت نہ شامل ہونے پائے۔امام بوصیری نے اس سلسلے میں بڑی اچھی بات کہی ہے:

دع ما ادّعتہ النصاریٰ فی نبیھم

واحکم بماشئت مدحاً فیہ واحتکم

نصاریٰ نے اپنے نبی کے بارے میں جو دعویٰ کیا اسے چھوڑ کر اپنے نبی کی تعریف میں جس بات کا حکم لگانا اور فیصلہ کرنا چاہو وہ کر سکتے ہو۔

• صفاتِ ربوبیت سے مستثنیٰ کرکے رسول کی جو بھی تعظیم و توصیف کی جائے وہ نہ کفر ہے نہ شرک ہے۔بلکہ ایسی تعظیم و توصیف سب سے بڑی طاعت و تقرب ہے۔اسی طرح انبیاء ومرسلین وملائکہ وصدیقین وشہداء وصالحین جن کی عظمت کا بیان خود اللہ نے کیا ہے ان کی تعظیم و توصیف بھی امر طاعت و قربت ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ (سورۂ حج آیت ۳۰) اور جو شخص اللہ کی محترم چیزوں کی تعظیم کرے تو یہ اس کے رب کے پاس بہتر اندوختہ ہے۔

کعبہ مقدسہ، حجر اسود، مقام ابراہیم جو پتھر ہیں ان کی بھی تعظیم کا اللہ نے ہمیں اس طرح حکم دیا ہے کہ کعبہ کا طواف کریں۔رکن یمانی کو ہاتھ سے مس کریں اور مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھیں۔اسی طرح مستجار، درِ کعبہ اور ملتزم کے قریب دعا کے لئے کھڑے ہونے کا حکم ہے۔ یہ سارا کام کرتے ہوئے ہم معاذ اللہ کسی غیر اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔عبادت تو

صرف اللہ کے لئے خاص ہے۔ ہم کسی غیر اللہ کی تاثیر اور نفع وضرر رسانی کا بھی عقیدہ نہیں رکھتے ہیں۔ یہ ساری صفات صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہیں۔

مقام مخلوق

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ بشر ہیں۔ دوسرے انسانوں کو لاحق ہونے والے امراض وعوارض جو باعث نقص وتنفر نہیں وہ آپ کے لئے بھی ممکن وجائز ہیں۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفع وضرر وحیات وموت کے خود سے مالک نہیں الا ما شاء اللہ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۔ (الاعراف۔ آیت ۱۸۸)

تم کہو میں اپنے لئے نفع وضرر کا خود سے مالک نہیں مگر اللہ جتنا چاہے۔ اور اگر میں غیب خود سے جان لیا کرتا تو بہت سی بھلائیاں جمع کر لیتا اور مجھے تکلیف وہ بات پیش نہ آتی۔ میں تو ڈرانے والا خوشخبری سنانے والا ہوں ایسے لوگوں کے لئے جو صاحب ایمان ہوں۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ رسالت کا فریضہ انجام دیا۔ امانت لوگوں تک پہونچائی۔ امت کے لئے خیر خواہی وہدایت فرمائی۔ اللہ کی راہ میں مجاہدہ وجہاد فرمایا پھر انتقال فرمایا اور اپنے رب کے جوار رحمت میں پہونچ گئے۔ ارشاد ربانی ہے اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ (سورۂ زمر آیت ۳۰) بے شک تمہیں انتقال کرنا ہے اور انہیں بھی مرنا ہے۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ اَفَاِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ۔ (سورۂ انبیاء آیت ۳۴)

اور ہم نے تم سے پہلے کسی آدمی کے لئے دنیا میں ہمیشگی نہ بنائی تو کیا اگر تم انتقال فرماؤ تو یہ ہمیشہ رہیں گے۔

عبودیت حضرت محمد رسول اللہ کی سب سے بڑی اور اعلیٰ صفت ہے اسی لئے اس پر فخر کرتے

ہوئے آپ فرماتے ہیں انما انا عبد ۔ میں بندہ ہی ہوں ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی یہ صفت اس طرح بیان فرمائی ۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا (الآیۃ)

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ کو رات کے ایک حصہ میں سیر کرائی ۔

اور فرمایا وَاَنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ یَدْعُوْہُ کَادُوْا یَکُوْنُوْنَ عَلَیْہِ لِبَدًا ۔ (سورۂ جن ۔ آیت ۱۹)

اور یہ کہ جب اللہ کا بندہ اس کی بندگی کرنے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ جن اس پر ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہو جائیں ۔

بشریت آپ کا اعجاز ہے ۔ آپ جنس بشر میں شامل ہیں لیکن دوسرے بشر سے ممتاز و ارفع اعلیٰ ہیں ۔ آپ کے مقام امتیاز تک نہ کسی کی رسائی ہو سکتی ہے اور نہ کوئی اس کے برابر ہو سکتا ہے ۔ حدیث صحیح میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے اپنے بارے میں خود ارشاد فرماتے ہیں ۔

انی لست کھیئتکم انی ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی ۔ میں تمہاری طرح نہیں ہوں ۔ میں اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے ۔

اس حدیث صحیح سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کے وصف بشریت کا ذکر کرتے ہوئے آپ کے خصائص و مناقب حمیدہ کا ذکر بھی ہمارے لئے ضروری ہے تا کہ عام بشر سے آپ کی حیثیت ممتاز رہے ۔

یہ طریقہ صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص نہیں بلکہ تمام انبیاء و مرسلین کے حق میں عام ہے تا کہ ان کا بلند مقام و مرتبہ ہماری نظر کے سامنے رہے ۔

انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو محض عام بشری سطح پر رکھنا جاہلانہ مشرکانہ خیال و نظریہ ہے ۔ قرآن حکیم کے اندر اس کے شواہد موجود ہیں ۔ حضرت نوح کے بارے میں ان کی قوم کا خیال تھا ۔

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ مَا نَرٰکَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا ۔ (سورۂ ہود ۔ آیت ۲۷)

قوم کے سردار جو کافر ہوئے تھے بولے ہم تو تمہیں اپنے ہی جیسا آدمی دیکھتے ہیں ۔

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے بارے میں ان کی قوم نے کہا تھا ۔

فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ ۔ (المومنون۔ آیت ۴۷)

تو بولے کیا ہم ایمان لے آئیں اپنے جیسے دو آدمیوں پر جب کہ ان دونوں کی قوم ہماری غلامی کر رہی ہے۔

حضرت صالح کے بارے میں قوم ثمود نے کہا۔

مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا فَأْتِ بِآيَةٍ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۔ (سورۃ الشعراء: ۱۵۴)

تم تو ہمیں جیسے آدمی ہو تو کوئی نشانی لاؤ اگر سچے ہو۔

حضرت شعیب کے بارے میں اصحاب ایکہ نے کہا۔ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَإِنْ نَظُنُّكَ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ۔ (سورۃ الشعراء: ۱۸۶)

بولے تم پر جادو ہوا ہے تم تو نہیں ہو مگر ہمارے جیسے آدمی اور بیشک ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔

ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکوں نے بھی محض بشر سمجھا۔

وَقَالُوا مَالِ هٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ ۔ (سورۃ فرقان۔ ۷)

اور بولے اس رسول کو کیا ہوا ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جن اوصاف و کمالات اور معجزات سے سرفراز فرما کر انہیں نوع بشر سے ممتاز[1] فرمایا ہے ان کا آپ نے خود اپنی زبان مبارک سے ذکر فرمایا ہے۔

حدیث صحیح ہے تنام عینای ولا ینام قلبی۔ میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔

حدیث صحیح ہے انی اراکم من وراء ظهری کما اراکم من امامی۔ تمہیں پیٹھ پیچھے بھی میں اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح اپنے آگے دیکھتا ہوں۔

حدیث صحیح ہے اوتیت مفاتیح خزائن الارض۔ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئیں۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت طاری ہوئی مگر وہ کامل برزخی حیات کے ساتھ زندہ ہیں۔ لوگوں کی باتیں سنتے ہیں۔ سلام کا جواب دیتے ہیں۔ درود و سلام بھیجنے والوں کا تحفہ ان تک پہنچتا ہے۔ اچھے کام کرنے والوں سے خوش ہوتے ہیں اور برے کام کرنے والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں۔

اللہ نے آپ کے جسد اطہر کو زمین کی خوراک بننا حرام قرار دیا ہے اس لئے وہ زمین

---

[1] انبیاء بشر ہیں لیکن ..... کے عنوان سے آئندہ صفحات میں ایک مستقل بحث ملاحظہ فرمائیں۔

کے عوارض و آفات سے محفوظ ہے۔

اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من افضل ایامکم یوم الجمعۃ، فیہ خلق آدم وفیہ قبض وفیہ النفخۃ وفیہ الصعقۃ. فاکثروا علیّ من الصلوٰۃ فیہ فان صلواتکم معروضۃ علیّ. قالوا یا رسول اللہ وکیف تعرض صلاتنا علیک و قد ارمت یعنی بلیت. فقال ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔
(رواہ احمد و ابوداؤد وابن ماجہ و ابن حبان فی صحیحہ والحاکم وصححہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جمعہ کا دن تمہارے لئے سب سے بہتر دن ہے۔ اسی دن آدم کی تخلیق ہوئی اور اسی دن ان کی روح قبض کی گئی۔ اسی دن نفخہ قیامت ہے۔ اسی دن اس سے افاقہ ہے اس لئے اس دن مجھ پر زیادہ درود بھیجو۔ تمہارے درود مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ پر ہمارے درود کیسے پیش کئے جائیں گے جب کہ آپ بوسیدہ ہو چکے ہوں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا بے شک اللہ نے انبیاء کے اجسام کو زمین کی خوراک بننا حرام قرار دیا ہے۔

اس موضوع پر علامہ حافظ جلال الدین سیوطی کا ایک مستقل رسالہ بنام "انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء" ہے۔

عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ حیاتی خیر لکم تحدثون ویحدث لکم. فاذا انا مت کانت وفاتی خیرا لکم تعرض علیّ اعمالکم. فان رأیت خیرا حمدت اللہ و ان رأیت شراً استغفرت لکم۔
قال الهیثمی رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح۔

میری حیات تمہارے لئے بہتر ہے۔ تم باتیں کرتے ہو اور تمہارے لئے تم سے باتیں کی جاتی ہیں۔ جب مجھے موت طاری ہو جائے تو میری وفات تمہارے لئے بہتر ہو گی تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جائیں گے۔ اگر میں خیر دیکھوں گا تو اللہ کی حمد و ثنا کروں گا اور اگر شر دیکھوں گا تو تمہارے لئے استغفار کروں گا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مامن احد یسلم علی الارد اللہ علیّ روحی حتیٰ ارد علیہ السلام ۔ (رواہ احمد وابوداؤد)

جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف بھیج دیتا ہے اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

بعض علماء نے کہا کہ روح کو لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ گویائی واپس آجاتی ہے۔[1]

عمار بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ وکل بقبری ملکاً اعطاہ اللہ اسماع الخلائق فلا یصلی علیّ احد الی یوم القیامۃ الا ابلغنی باسمہ واسم ابیہ ھذا فلان بن فلان قد صلی علیک ....

(رواہ البزاز و ابوالشیخ ابن حبان ولفظہٗ)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان للہ تبارک وتعالیٰ ملکا اعطاہ اسماع الخلائق فھو قائم علیٰ قبری اذا مت فلیس احد یصلی علی صلوٰۃ الا قال، یا محمد صلی علیک فلان بن فلان قال: فیصلی الرب تبارک وتعالیٰ علی ذالک الرجل بکل واحدۃ عشرا .... (رواہ الطبرانی فی الکبیر بنحوہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ نے میری قبر پر ایک فرشتہ کو لوگوں کی باتیں سننے کی صلاحیت دے کر مقرر کر رکھا ہے۔ قیامت تک مجھ پر جتنے بھی درود بھیجنے والے ہوں گے ان سب کا اور ان کے باپ کا نام وہ میرے پاس پہونچائے گا کہ فلاں بن فلاں نے آپ پر درود بھیجا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جسے اس نے لوگوں کی باتیں سننے کی صلاحیت دے رکھی ہے اور وہ میری قبر کے پاس میرے وصال کے بعد سے کھڑا ہوگا جو کوئی مجھ پر درود بھیجے گا اس کے بارے میں وہ فرشتہ مجھ سے کہے گا۔ اے محمد! آپ پر فلاں بن فلاں نے درود بھیجا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کے ہر درود کے بدلے میں دس رحمتیں اس پر نازل فرمائے گا۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اگرچہ موت طاری ہوئی مگر ان کا فضل و شرف مقام و منصب بارگاہ رب العزت میں باقی ہے۔ جس میں اہل ایمان کو کسی طرح کا کوئی شک و شبہ نہیں۔

---

[1] علماء اس کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ روح مبارکہ جسے ہر وقت قرب خاص و ترقی مدارج میں استغراق حاصل رہتا ہے اس کی توجہ سلام بھیجنے والے کی طرف پھیر دی جاتی ہے۔ (مترجم)

اللہ کی بارگاہ میں آپ کی ذات مقدسہ کے توسل کے اندر بھی درحقیقت یہی اعتقاد ہے کہ آپ کا مقام و مرتبہ اس کی بارگاہ میں باقی ہے۔ آپ کی ذات آپ کی رسالت آپ کی محبت سب پر ہمارا ایمان ہے۔ اور یہ آپ کی عبادت نہیں ہے۔ خواہ آپ کا درجہ در تبہ کتنا ہی عظیم ہو۔ آپ مخلوق ہیں۔ بے اذنِ الٰہی کوئی نفع و ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ رب تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ (الکہف۔ ۱۱۰)

تم کہو میں بشری ہوں بظاہر تمہارے جیسا۔ میری طرف وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔

مشترک امور کا حکم

مقام خالق و مخلوق کے درمیان مشترک امور کے سلسلے میں بہت سے لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ اور وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ مقامِ مخلوق کی طرف ان کی نسبت شرک باللہ ہے۔

مثلاً بعض خصائص نبوی کو ایسے لوگ معیار شریعت پر قیاس کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان خصائص کے ساتھ متصف کرنا ان کے نزدیک اتنی بڑی چیز ہے کہ وہ انہیں صفاتِ الوہیت سے تعبیر کرنے لگے ہیں۔ حالاں کہ یہ خالص جہالت ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ جسے چاہے جیسے چاہے بلا روک ٹوک عطا فرمائے۔ جسے شرف بخشنا چاہے رفعتِ مقام عطا فرمانا چاہے اور دوسرے انسانوں پر اسے فضیلت دینا چاہے وہ نواز دے۔ اس میں حقوق ربوبیت اور صفاتِ الوہیت میں نقص و تخفیف کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اللہ کی شان اور اس کے مقام کے لائق جو اوصاف و خصائص ہیں وہ تو بالکل محفوظ و مامون ہیں۔ مخلوق کی جو صفت ہوگی وہ اس کی بشریت کے لحاظ سے اللہ کے اذن اور اس کے فضل و مشیت سے مستفید و محدود ہوگی۔ خود مخلوق کی قوت و تدبیر دامرسے نہیں ہوگی۔ کیوں کہ وہ عاجز، ضعیف ہے۔ نفع و ضرر، حیات و موت کا اپنے لئے خود مالک نہیں۔ بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو بظاہر اللہ کی صفت معلوم ہوتی ہیں، لیکن اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر نفوس قدسیہ کو انہیں عطا کر کے احسان فرمایا ہے۔ جن سے متصف کرنا انہیں مقام الوہیت تک نہیں پہنچا دیتا نہ انہیں اللہ کا شریک بنا دیتا ہے

مثلاً شفاعت : یہ اللہ کے لئے ہے ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ
تم کہو شفاعت اللہ ہی کے لئے ہے ۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر اہل شفاعت کے لئے بھی باذن اللہ یہ ثابت ہے ۔

حدیث مبارک ہے ۔ اوتیت الشفاعة ۔ مجھے شفاعت سے نوازا گیا ۔

حدیث مبارک ہے ۔ انا اول شافع ومشفع ۔ میں سب سے پہلے شفاعت کروں گا اور میری شفاعت سب سے پہلے مقبول ہو گی ۔

مثلاً علم غیب : یہ اللہ کے لئے ہے ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔ قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ (النمل ۔ ۶۵)

تم کہو زمین و آسمان میں رہنے والے غیب نہیں جانتے صرف اللہ جانتا ہے ۔

اور یہ ثابت ہے کہ اللہ نے اپنے نبی کو غیب کا جو علم دینا چاہا وہ دیا اور جتنا نوازنا چاہا نوازا ہے ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۔ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ ۔ (الجن ۲۶) وہ عالم الغیب اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوا پسندیدہ رسولوں کے ۔

مثلاً ہدایت ؛ یہ اللہ کے لئے خاص ہے ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۔ (الآیۃ) تم جسے چاہو ہدایت نہیں دے سکتے اللہ جسے چاہے ہدایت دے ۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہدایت کا حصہ ملا ہے ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔ وَ اِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۔ (الآیۃ) اور بیشک تم صراط مستقیم کی ہدایت دیتے ہو ۔

پہلی ہدایت الگ ہے دوسری ہدایت الگ ہے ۔ اس فرق کو وہ عقل مند اچھی طرح جانتے ہیں جو مقام خالق و مخلوق کا فرق سمجھتے ہیں ۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ کہنے کی ضرورت پیش آتی ۔ وانك لتهدی هدایة ۔ یا یہ کہا جاتا وانك لتهدی هدایة غیر هدایتنا ۔ لیکن ان میں سے کوئی بات نہیں کہی گئی ۔ بلکہ ہدایت مطلقہ بلا قید و شرط کے ثابت کی گئی ۔ کیوں کہ اہل اسلام موحدین جو اس کے مخاطب ہیں وہ جانتے ہیں کہ اللہ کی طرف جس لفظ کی نسبت ہو اور رسول اللہ کی طرف جس لفظ کی نسبت ہو ان الفاظ کے اپنی اپنی جگہ پر معنی و مدلول کیا کیا ہیں ۔ جیسا کہ قرآن حکیم

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف رحمت و رافت کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔
بالمؤمنین رؤوف رحیم۔ اور اللہ نے خود اپنے بارے میں ایک سے زائد جگہ قرآن حکیم میں کہا ہے رؤوف رحیم۔ یہاں سب کو معلوم ہے کہ دوسری رافت و رحمت وہ نہیں ہے جو پہلی ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف بیان کیا گیا تو مطلقاً بلا قید و شرط بیان کیا گیا اس لئے کہ مخاطب مؤحد مومن ہے۔ وہ مقام خالق و مخلوق کے فرق سے واقف ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف بیان کرتے ہوئے یہ کہنے کی ضرورت پیش آتی رؤوف برافة غیر رافتنا و رحیم برحمة غیر رحمتنا۔ یا یہ کہا جاتا۔ رؤوف برحمة خاصة و رحیم برحمة خاصة۔ یا یہ کہا جاتا۔ رؤوف برأفة بشریة و رحیم برحمة بشریة۔ لیکن یہ سب نہیں کہا گیا بلکہ آپ کے لئے رافتِ مطلقہ و رحمتِ مطلقہ بلا قید و شرط ثابت کرتے ہوئے کہا گیا۔ بالمؤمنین رؤوف رحیم۔ الآیۃ۔

مجاز عقلی کا استعمال

کتاب وسنت میں مجاز عقلی کا استعمال ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا۔ (الانفال۔۲) اور جب اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جائیں تو ایمان میں اضافہ کر دیتی ہیں۔

آیات کی طرف زیادتی کی نسبت مجاز عقلی ہے کیوں کہ آیتیں سببِ زیادتی ہیں۔ حالاں کہ حقیقۃً ایمان زیادہ کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا۔ (المزمل۔۱۷) ایسا دن جو بچوں کو بوڑھا بنا دے۔

بوڑھا بنانے کی نسبت یوم کی طرف مجاز عقلی ہے کیوں کہ یوم بوڑھا بنائے جانے کا ظرف ہے کہ یہ بنانا اس دن واقع ہوگا۔ حالاں کہ بنانے والا حقیقۃً اللہ تعالیٰ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلَا يَغُوْثَ وَ يَعُوْقَ وَنَسْرًا وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا (سورۂ نوح۔۲۳) اور نہ یغوث ویعوق اور نسر کو جنہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔

گمراہ کرنے کی نسبت یغوث ویعوق ونسر کی طرف مجاز عقلی ہے کیوں کہ وہ سبب گمراہی بنے۔ حالاں کہ ہدایت دینے والا اور گمراہ کرنے والا حقیقۃً صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

قرآن حکیم میں ہے۔ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا (مومن ۳۶)

اے ہامان میرے لئے ایک قلعہ تعمیر کر دو۔

ہامان کی طرف تعمیر کی نسبت مجاز عقلی ہے۔ اس لئے کہ وہ سبب ہے۔ حکم تعمیر صادر کر رہا ہے خود تعمیر نہیں کر رہا ہے۔ تعمیر کرنے والے تو معمار و مزدور ہیں۔

احادیث رسول کے اندر بھی مجاز عقلی کی بہت سی مثالیں ہیں۔ علم حدیث جاننے والے

اس سے بخوبی واقف ہیں۔ حقیقی و مجازی نسبت کے درمیان جو فرق ہے اسے جاننے والوں کے لئے اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔

اہل علم کہتے ہیں کہ ایسی نسبت کا استعمال موحد کی طرف سے ہو تو وہ نسبت مجازی ہے اس لئے کہ اس کے نزدیک بندے اور ان کے افعال کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے علاوہ وہ کسی زندہ مردہ کی تاثیر حقیقی کا اعتقاد نہیں رکھتا۔ اس کے توحید خالص کا عقیدہ ایسی کسی بھی نسبت کو مجازی بنانے کے لئے کافی ہے۔ اور اس کے علاوہ اگر کسی کا عقیدہ ہے تو پھر وہ شرک ہے۔

معیار کفر و ایمان میں
مجازی نسبت مدِ نظر رکھنے کی ضرورت

بعض گمراہ فرقوں نے ظاہر الفاظ کے شبہات کا دامن تھام رکھا ہے۔ قرآن و مقاصد کی طرف ان کی توجہ نہیں ہوتی۔ تعارض ختم کرنے والی چیزوں کی طرف بھی ان کی نظر نہیں ہوتی۔

مثلاً فتنۂ خلق قرآن برپا کرنے والوں کا استدلال اس آیت سے ہے۔ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا۔ (زخرف - ۲) ہم نے اسے عربی قرآن اتارا۔

فرقۂ قدریہ کا استدلال اس آیت سے ہے۔ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ۔ (شوریٰ - ۳۰) تمہارے ہاتھوں کی کمائی سے ہے۔

فرقۂ جبریہ کا استدلال ان آیات سے ہے۔ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ۔ (الصافات - ۹۶) اللہ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا۔

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ (الانفال - ۱۷)

اور وہ خاک جو تم نے پھینکی وہ تم نے نہ پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی۔

فرقۂ قدریہ کے علاوہ جمہور امت کا اعتقاد ہے کہ افعال عباد مخلوق ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ۔ (الصافات - ۹۶) اللہ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا۔

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ (الانفال - ۱۷)

اور وہ خاک جو تم نے پھینکی وہ تم نے نہ پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی۔

اور یہ افعال بندہ کے تعلق سے اکتسابی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ۔ (بقرہ - ۲۸۶) اس کا فائدہ ہے جو اچھا کمایا اور اس کا نقصان ہے جو برا کمایا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ۔ (شوری۔ ۳۰)
تو تمہارے ہاتھوں کی کمائی سے ہے۔

ان کے علاوہ بھی دوسری آیات میں صراحۃً کسب کی نسبت بندہ کی طرف ہے۔ مقدور پر قدرت کے لئے ایجاد و اختراع ہی ضروری نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تخلیق ازل سے ہی دنیا کے لئے ہے جب کہ اللہ نے اسے وجود بھی نہیں بخشا تھا۔ اور جب اس نے اپنی صفت خلقِ عالم کا ظہور فرمایا تو اس دنیا کے ساتھ اس کی قدرت کا تعلق ایک دوسری نوعیت کا ہے۔

نسبت افعال عباد کی حقیقت: قدرت کا تعلق حصول مقدور کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بندوں کی طرف افعال کی نسبت بطریق کسب ہے بطریق اختراع نہیں۔ انہیں اختراع کرنے والا اور قدرت و ارادہ والا تو صرف اللہ ہے۔ ممنوعات پر بھی اسی کا ارادہ چلتا ہے۔ کیوں کہ امر الگ چیز ہے ارادہ الگ چیز ہے۔ سارے انسانوں کو ایمان لانے کا اللہ کی طرف سے امر ہے، لیکن ارادہ صرف اکثر کے لئے ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ وَمَا اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ (یوسف۔ ۱۰۳) تمہاری خواہش کے باوجود بہت سے لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

افعال کی نسبت بندوں کی طرف نسبت مسبب الیٰ سبب یا واسطہ ہے۔ جس میں کوئی منافات نہیں۔ اس لئے کہ مسبب الاسباب ہی نے واسطہ پیدا کیا ہے۔ اور اس کے اندر وساطت کی صلاحیت پیدا کی ہے۔ اگر اس میں اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت ودیعت نہ ہوتی تو واسطہ کے لائق بھی نہ ہوتا۔ عاقل یا غیر عاقل دونوں طرح کے واسطے برابر ہیں۔ مثلاً فرشتے یا انسان یا جن ہوں۔ یا آب و آتش و جمادات و افلاک ہوں۔

لفظ کی نسبت بدل جانے سے معنی کی تبدیلی: شاید کسی کے ذہن میں یہ اعتراض سر ابھارے کہ فعل واحد کی نسبت دو فاعلوں کی طرف غیر معقول ہے کیوں کہ اثر واحد کے ساتھ اجتماع مؤثرین محال ہے۔

اس کا جواب یہ ہوگا کہ آپ کا اعتراض صحیح ہے لیکن ایسا اس وقت ہوگا جب فاعل کا معنی واحد ہی مستعمل ہو۔ اور جب اس کے دو معنی ہوں تو دونوں معنوں میں اس کا استعمال ہوگا۔ اس وقت ان دونوں معنوں میں سے کسی ایک پر بھی اس کا اطلاق ممتنع نہیں ہوگا۔ جیسا کہ

مشترک اسماء یا حقیقت و مجاز کے استعمال کا طریقہ سب کو معلوم ہے۔

مثلاً کہا جائے کہ امیر نے فلاں کو قتل کیا۔ یا جلاد نے فلاں کو قتل کیا۔ اس صورت میں امیر اور جلاد پر قتل کا اطلاق الگ الگ معنوں میں ہوگا۔

مثلاً کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ فاعل ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ مخترع موجد ہے اور کہا جائے کہ مخلوق فاعل ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے اندر اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ علم و ارادہ و قدرت ہے۔

قدرت کا ارادہ سے اور حرکت کا قدرت سے ارتباط ایسے ہی ہے جیسے معلول کا علت سے اور مخترع کا مخترع سے ارتباط ہے۔ یہ اس وقت ہے جب کہ وہ محل عاقل ہو۔ ورنہ مسبب کی ترتیب سبب کے ساتھ ہوگی۔ پھر جس چیز کا بھی قدرت سے ارتباط ہوگا اسے فاعل کہا جاسکتا ہے چاہے وہ جیسا بھی ارتباط ہو۔ جیسے جلاد کو ایک اعتبار سے اور امیر کو دوسرے اعتبار سے کہا جائے گا۔ اس لیے کہ قتل کا ارتباط دونوں سے ہے۔ اور اگر اس کا ارتباط دو مختلف وجوہ سے ہو تو ہر ایک کو فاعل کہا جاسکتا ہے۔ جیسے مقدورات کا دو قدرتوں سے ارتباط ہونا۔ اس نسبت اور اس کے تطابق کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے افعال کی نسبت کبھی ملائکہ کے ساتھ کی ہے کبھی بندوں کے ساتھ اور کبھی خود انہیں افعال کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ۔ (سجدہ - ۱۱)

تم کہو تمہیں موت کا فرشتہ وفات دیتا ہے جو تم پر مقرر ہے۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا۔ (زمر - ۴۲)

اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت۔

اَفَرَاَيْتُمْ مَا تَحْرُثُوْنَ۔ (واقعۃ - ۶۳) بھلا بتاؤ تو جو بوتے ہو۔

اس آیت میں بندوں کی طرف نسبت فعل ہے۔ پھر ارشاد فرماتا ہے۔

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا۔ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا۔ (عبس ۲۷)

ہم نے خوب پانی ڈالا پھر زمین کو چیرا اور اس میں سے اناج اگایا۔

فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔ (مریم - ۱۷)

ہم نے مریم کے پاس اپنا ایک روحانی فرشتہ بھیجا جو اس کے پاس ایک تندرست آدمی کی صورت میں ظاہر ہوا۔

پھر فرمایا۔ فَنَفَخْنَا فِيهَا مِن رُّوحِنَا ۔ (انبیاء - ۹۱ - تحریم - ۱۲)

تو اس میں ہم نے اپنی طرف کی روح پھونکی۔

یہ رُوح پھونکنے والے جبریل علیہ السلام ہیں۔

فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۔ (قیامۃ - ۱۸)

تو جب ہم اسے پڑھ چکیں تو اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرأت سنانے والے جبریل علیہ السلام ہیں۔

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ ۔ (انفال - ۱۷)

تو تم نے انہیں نہیں قتل کیا تھا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا تھا۔

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۔ (انفال ۱۷)

اور وہ خاک جو تم نے پھینکی وہ تم نے نہ پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی۔

ان سے قتل کی نفی کر کے اسے اپنے لئے ثابت کیا۔ اور کنکری پھینکنے کی نفی کر کے اسے اپنے لئے ثابت کیا۔ یہاں قتل اور کنکری پھینکنے کی نفی نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ قاتلین کا قتل اور کنکری پھینکنے والے کا کنکری پھینکنا اس معنی میں نہیں جو رب قادر و قیوم کے لئے خاص ہے یعنی اختراع و تقدیر۔ افعال کے دونوں معنی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

کبھی افعال کی نسبت دونوں کی طرف ایک ساتھ ہوتی ہے۔ مثلاً:

وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ ۔ (توبہ - ۵۹)

اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو ان کو اللہ ورسول نے دیا اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے۔ اللہ دیتا ہے ہمیں اپنے فضل سے اور اللہ کا رسول۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جب رحم مادر میں بچہ پیدا کرنا چاہتا ہے تو ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو رحم مادر میں داخل ہو کر نطفہ اپنے ہاتھ میں لیتا ہے پھر اسے جسم کی شکل میں تبدیل کرتا ہے۔ اس کے بعد کہتا ہے۔ اے میرے رب!

اسے مذکر یا مونث بناؤں ؟ سیدھا یا ٹیڑھا بناؤں ؟ اللہ تعالیٰ اس سے فرماتا ہے جو چاہو بناؤ۔ پھر وہ فرشتہ اسے پیدا کر دیتا ہے۔ وفی لفظ آخر۔ پھر فرشتہ اس کی صورت بنا کر اس میں سعادت یا شقاوت کی روح پھونکتا ہے۔

یہ بات سمجھنے کے بعد اس کی وضاحت ہوگئی کہ فعل کا استعمال مختلف طریقوں سے ہوتا ہے اور ان میں کوئی تناقض نہیں ہوتا ہے۔

اسی لئے فعل کی نسبت کبھی جمادات کی طرف ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

تُؤْتِيْ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۔ (ابراہیم - ۲۵)

اپنے رب کے حکم سے ہر وقت اپنا پھل دیتا ہے۔

اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شخص نے کھجور دی تو آپ نے فرمایا۔ خذها لو لم تاتها لاتتك۔ (کمافی الطبرانی وابن حبان) اسے لے لو اگر تم اس کے پاس نہیں آؤگے تو یہ تمہارے پاس آئے گی۔

اس میں آنے کی نسبت آدمی کی طرف بھی ہے اور کھجور کی طرف بھی ہے اور دونوں جگہ آنے کا معنی ایک دوسرے سے الگ ہے۔ اور ان کا الگ الگ مجازی معنی ہے۔ آدمی کے لئے آنے کا مجازی معنی یہ ہے کہ اللہ نے اس کے اندر کھجور تک پہنچنے کی قدرت وارادہ پیدا کیا ہے اور کھجور کے آنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا سبب پیدا فرماتا ہے کہ اسے کوئی لا دیتا ہے۔ جب کہ آنے کی حقیقی نسبت ہر ایک کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔

وسائط میں اعتبار الگ الگ ہونے کی وجہ سے کبھی کبھی وسائط افعال کفر ہوتے ہیں۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کو قارون کا یہ جواب اِنَّمَا اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ (قصص ۷۸) مجھے ایک علم سے ملا ہے جو میرے پاس ہے۔

حدیث قدسی ہے۔ میرے بندے مجھ پر ایمان لانے والے بھی ہیں اور کفر کرنے والے بھی۔ جس نے کہا ہم پر اللہ کے فضل ورحمت سے بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان لانے والا اور ستارہ کا انکار کرنے والا ہوا۔ اور جس نے کہا ہم پر فلاں ستارہ کے اثر سے بارش ہوئی وہ میرے ساتھ کفر کرنے والا اور ستارہ پر ایمان لانے والا ہوا۔

یہ کفر اس وجہ سے ہے کہ واسطہ کو مؤثر مخترع مانا گیا۔

امام نووی کہتے ہیں. جس نے کہا کہ ہم پر فلاں ستارہ کے اثر سے بارش ہوئی (الخ) کے کفر کے سلسلے میں علماء کے دو اقوال ہیں۔

۱۔ اللہ کے ساتھ کفر ہے۔ اصل ایمان سلب ہو جاتا ہے۔ ملتِ اسلامیہ سے اس کا قائل خارج ہو جاتا ہے۔

علماء نے کہا. یہ حکم اس شخص کے بارے میں ہوگا جس کا اعتقاد ہو کہ ستارہ فاعل مدبر ہے بارش برسانے والا ہے: جیسا کہ اہل جاہلیت کا خیال تھا۔ ایسا اعتقاد رکھنے والے شخص کے کفر میں کوئی شبہ نہیں۔ یہ رائے جمہور علماء کی ہے۔ امام شافعی کی بھی یہی رائے ہے اور حدیث سے یہی ظاہر بھی ہے۔

علماء نے یہ بھی کہا۔ اور اگر اس نے کہا کہ ہم پر فلاں ستارہ کی وجہ سے بارش ہوئی اور اس کا اعتقاد ہے کہ اللہ کی طرف سے اس کی رحمت سے یہ بارش ہوئی۔ اور ستارہ عمومی طور پر بارش کی ایک میقات و علامت ہے تو گویا اس نے یہ کہا کہ فلاں وقت ہم پر بارش ہوئی۔ اور یہ کفر نہیں۔ البتہ اس کی کراہت کے سلسلے میں علماء کے الگ الگ خیالات ہیں۔ لیکن یہ کراہت تنزیہی ہے، جو گناہ نہیں۔ سبب کراہت یہ ہے کہ ایسا کلمہ اہل کفر وغیرہ کے درمیان مستعمل ہے۔ اس لئے ایسا کہنے والے کے ساتھ بدگمانی ہو سکتی ہے۔ جاہلیت اور اس کے طرز پر چلنے والے بھی ایسا کلمہ بار بار اپنی زبان سے ادا کرتے ہیں۔ لہٰذا ایسا کہنا مکروہ تنزیہی ہے۔

۲۔ حدیث مؤول ہے۔ مراد یہ ہے کہ نعمت الٰہی کا کفران ہے کہ اس نے بارش کی نسبت ستارہ کی طرف کی۔

یہ اس شخص کے بارے میں کہا جائے گا جو تدبیر کوکب کا اعتقاد نہ رکھتا ہو۔

اس تاویل کی تائید اس دوسری روایت سے ہوتی ہے۔ اصبح من الناس شاکر وکافر لوگ شکر گزار بھی ہیں اور ناشکری کرنے والے بھی ہیں۔

اور ایک دوسری روایت ہے۔ ما انزل اللہ تعالیٰ من السماء من برکۃ الا اصبح فریق من الناس بھا کافرین۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے جو برکت نازل فرمائی اس سے ایک گروہ انسان نے ناشکری کی۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ یہ کفران نعمت ہے۔ واللہ اعلم۔

علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جس نے فعل کی نسبت واسطہ کی طرف کی اس نے کفر نہیں کیا۔ کفر صرف اس وقت ہوگا جب اس قائل کا اعتقاد یہ ہو کہ یہ واسطہ ہی فاعل مدبر مخترع ہے۔ اور اگر واسطہ کو ایسا نہ سمجھا جائے بلکہ اسے علامت یا ظرف سمجھا جائے تو یہ کفر نہیں۔

بلکہ کبھی کبھی واسطہ کی رعایت شرعاً مستحسن ہوگی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو شخص تمہارے ساتھ کوئی بھلائی کرے تم اس کا اچھا بدلہ دو۔ اور اگر ایسا نہ کرسکو تو اس کے لئے اس وقت تک دعا کرتے رہو جب تک یہ نہ سمجھ لو کہ اس کا بدلہ پورا ہو چکا۔

اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جس نے انسانوں کا شکریہ نہیں ادا کیا اس نے اللہ کی شکرگزاری نہیں کی۔

ان دونوں احادیث میں واسطہ کی یہ رعایت اعتقاد منت و احسان خداوندی کے منافی نہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کے اعمال کی کئی جگہوں پر تعریف کی ہے بلکہ ان پر ثواب بھی دیا ہے۔ جب کہ اللہ ہی ان بندوں کے اندر ان اعمال کی انجام دہی کی اہلیت وصلاحیت اور قدرت پیدا کرتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ۔ (ص۔ ۴۴)

کیا اچھا بندہ بے شک وہ بہت رجوع والا ہے۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے۔ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ۔ (یونس۔ ۲۶)

بھلائی والوں کے لئے بھلائی ہے اور اس سے بھی زیادہ۔

اور ارشاد ربانی ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا۔ (شمس۔ ۹)

بے شک مراد کو پہنچا جس نے اسے ستھرا کیا۔

جب یہ معلوم ہوگیا کہ فعل کئی وجوہ وطرق سے استعمال ہوتا ہے تو مختلف معانی مراد لینے میں کوئی تناقض نہیں۔

معانی عبارتوں سے زیادہ وسیع اور سینے کتابوں سے زیادہ کشادہ ہوتے ہیں۔ اگر ہم مجاز کو نظرانداز کر کے صرف حقیقتِ لفظ ہر وقت سامنے رکھ کر اسی کے مطابق فیصلہ کرنے لگیں

تو نصوص کے درمیان تطبیق یا تفریق کا کوئی جواز ہی باقی نہیں رہ جائے گا۔

ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ۔ (ابراہیم۔ ۳۶)

میرے رب! بے شک بتوں نے بہت سے لوگوں کو بہکا دیا۔

کیا کوئی یہ باور کر سکتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جماد کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کر سکتے ہیں۔

دوسری جگہ ابراہیم علیہ السلام ہی کہتے ہیں۔ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ۔ (الصّٰفّٰت۔ ۹۵-۹۶) کیا اپنے ہاتھ کے تراشوں کو پوجتے ہو اور اللہ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا فرمایا۔

اس سلسلے میں جامع و فیصلہ کُن بات یہ ہے کہ جو شخص اللہ جل جلالہ کے ساتھ کسی غیر کو تخلیق و تاثیر میں شریک کرے وہ مشرک ہے خواہ یہ غیر جماد ہو یا آدمی ہو نبی و غیر نبی۔ یا فرشتہ یا جن یا کچھ بھی ہو۔

اور جو شخص اس سلسلے میں صرف سببیت کا اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے حصول مسبب کے لئے سبب بنا رکھا ہے اور فاعل حقیقی اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے، وہ مومن ہے۔ اگرچہ اس کی یہ غلط فہمی ہو کہ جو سبب نہیں ہے اسے سبب سمجھ رہا ہے۔ اس کی غلطی سبب کے اندر ہو سکتی ہے مسبب میں نہیں۔ مسبب خالق مدبر ہے۔ جَلَّ جَلالُہٗ۔

عبادت اور تعظیم کا فرق

بہت سے لوگ عبادت اور تعظیم کی حقیقت کے سلسلے میں غلط فہمیوں کا شکار ہیں۔ وہ عبادت و تعظیم کو خلط ملط کر دیتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ کسی بھی طرح کی تعظیم اس شے معظم کی عبادت ہے۔ قیام، دست بوسی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تعظیماً سیدنا و مولانا کہنا، زیارت کے وقت آپ کے سامنے ادب و وقار و انکسار کے ساتھ کھڑا ہونا یہ سب ان کے نزدیک ایسے غلو ہیں جن کا نتیجہ عبادتِ غیر اللہ ہے۔

یہ خیالات درحقیقت جہل و تشدد پسندی پر مبنی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ ہیں۔ اور یہ خود ساختہ نظریات روح شریعت اسلامی کے بھی خلاف ہیں۔

جنس انسانی کا آغاز حضرت آدم سے ہوا۔ اور یہی اللہ کے پہلے بندۂ صالح ہیں۔ انہیں اپنے علم سے نواز کر جمیع مخلوقات کے درمیان منتخب کرنے کی خبر دینے کے لئے ملائکہ کو تعظیم و اکرام کے طور پر اللہ وحدہ لا شریک نے حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِىْ كَرَّمْتَ عَلَىَّ۔ الی آخرالآیۃ۔ (اسراء ۶۱)

اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے۔ اس نے کہا کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا۔ بولا دیکھ تو اسے جسے تو نے مجھ سے معزز کیا۔

ایک دوسری آیت میں ہے۔ ابلیس نے کہا اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ۔ (اعراف ۱۲)

میں اس آدم سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا۔

اور ایک دوسری آیت میں ہے۔ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِيْسَ

اَبٰیٓ اَنْ یَّکُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ۔ (حجر۔ ۳۱)

سارے فرشتوں نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے۔ اس نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ دینے سے انکار کیا۔

ملائکہ نے اللہ کے معظم بنائے ہوئے آدم کو سجدہ کیا۔ اور ابلیس نے مٹی سے پیدا کئے گئے آدم کا سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

دین کو اپنی رائے پر قیاس کرنے کا کام سب سے پہلے اسی ابلیس نے کیا۔ اور کہا کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ اور اس کی علت یہ بتلائی کہ وہ آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔ اس کی بنیاد پر ابلیس نے تعظیم آدم کو ناپسند کیا اور سجدۂ آدم سے انکار کر دیا۔

ابلیس وہ پہلا مغرور و متکبر ہے جس نے اللہ کے معظم بنائے ہوئے فرد کی تعظیم نہیں کی۔ اور اللہ کی رحمت سے دور اور مردود بنا دیا گیا۔

عبد صالح حضرت آدم سے تکبر کرنا درحقیقت اللہ کے ساتھ تکبر ہے۔ اس لئے کہ سجدہ تو اللہ ہی کے لئے ہے کیوں کہ اس کا حکم اسی نے دیا ہے۔ اور آدم کو سجدہ کرنے کا یہ حکم ان سب پر فضیلت و کرامت ظاہر کرنے کے لئے تھا۔ ابلیس مؤحد تھا لیکن اس کی یہ توحید اس کے کام نہ آئی۔

تعظیم صالحین کا شریعت میں حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے بارے میں کہا۔

وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَی الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۔ (یوسف۔ ۱۰۰)

اور اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا اور سب اس کے لئے سجدہ میں گر گئے۔

اس آیت میں تحیۃ و تکریم و تعظیم اور بھائیوں پر یوسف علیہ السلام کی فضیلت ہے اور وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا سے معلوم ہوا کہ ان بھائیوں نے زمین پر گر کر آپ کو سجدہ کیا۔ یہ سجدہ غالباً ان کی شریعت میں جائز تھا۔ یا جس طرح آدم علیہ السلام کو ملائکہ نے اللہ کے حکم کی تعمیل اور تعظیم و تکریم کے طور پر سجدہ کیا۔ ویسا ہی معاملہ یہاں ہے جو یوسف علیہ السلام کے خواب کی تاویل ہے کیوں کہ انبیاء کا خواب وحی ہے۔

ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۔ (فتح۔ ۸۔ ۹)

ہم نے تمہیں شاہد و مبشر و نذیر بنا کر بھیجا تاکہ اے لوگو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو۔

اور فرمایا۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ۔ (حجرات۔ ۱)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔

اور فرمایا۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ۔ (حجرات۔ ۲)

اے ایمان والو! اپنی آواز کو نبی کی آواز سے اونچی نہ کرو۔

اور فرمایا۔ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔ (نور۔ ۶۳)

رسول کے پکارنے کو ایسا نہ بنا لو جیسے آپس میں تم لوگ ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

آپ کے سامنے گفتگو میں پہل کرنا سوء ادب اور ممنوع ہے۔ سہل بن عبداللہ نے کہا آپ کی گفتگو سے پہلے کوئی بات نہ کی جائے اور جب آپ کوئی بات ارشاد فرمائیں تو اسے خاموشی کے ساتھ غور سے سنا جائے۔

کسی معاملہ میں آپ کا فیصلہ سامنے آنے سے پہلے خود سے کوئی فیصلہ کرنے میں عجلت و بیش قدمی اور کسی دینی معاملہ مثلاً جہاد وغیرہ میں آپ کا حکم ہونے سے پہلے کسی طرح کی بھی سبقت سے صحابہ کرام کو روک دیا گیا اور آپ کے حکم و فیصلہ کی ادنیٰ مخالفت سے بھی یہ کہہ کر ڈرایا گیا۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۔ (الآیۃ) اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سننے جاننے والا ہے۔

السلمی نے کہا۔ آپ کے حق میں کسی طرح کی کوتاہی اور عظمت و حرمت میں کسی بھی تخفیف کے ذریعہ جرم کا ارتکاب نہ کرو اور اللہ سے ڈرو۔ وہ تمہاری باتیں سننے والا تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

پھر آپ کے سامنے زور سے بات کرنے آپ کی آواز سے اپنی آواز اونچی کرنے سے روکا گیا ہے کہ جس طرح آپس میں ایسا کرتے ہو اپنے نبی کے ساتھ تمہارا یہ شیوہ ہرگز نہیں ہونا چاہئے۔

ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ جس طرح آپس میں ایک دوسرے کا نام لے کر پکارتے ہو یہاں ایسا نہ کرو۔

ابو محمد مکی نے کہا۔ آپ کے ساتھ گفتگو میں سبقت نہ کرو۔ سختی سے بات نہ کرو۔ ایک دوسرے کی طرح نام لے کر نہ پکارو۔ بلکہ آپ کی تعظیم و توقیر کرو اور جس بہتر طریقے سے آپ کو پکارا جا سکتا ہے

اس طرح پکارا جائے مثلاً یا رسول اللہ! یا نبی اللہ! جیسے ایک آیت میں ہے ۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۔ (نور - ۶۳)

رسول کے پکارنے کو ایسا نہ بنا لو جیسے تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو ۔

بعض دوسرے علماء نے کہا ۔ آپ کی بات کچھے بغیر آپ سے بات نہ کرو ۔

پھر اللہ نے انہیں ڈرایا کہ انہوں نے اگر اس ادب اور طرز گفتگو کی خلاف ورزی کی تو ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے ۔

گزشتہ آیت کا نزول ایک جماعت کے بارے میں ہوا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے پکار کر کہا اے محمد! ہمارے پاس آیئے ۔ اللہ نے ان کی اس جہالت کو ناپسند کیا اور کہا کہ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۔ الآیۃ

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ۔ میرے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کی محبت نہ تھی ۔ نہ کوئی آپ سے زیادہ میری نظر میں جلیل المرتبت تھا ۔ میں آپ کے اکرام و تعظیم کی وجہ سے آنکھ بھر کر آپ کو نہیں دیکھ پاتا تھا ۔ اور اگر کوئی مجھ سے آپ کا حلیہ پوچھے تو میرے لئے بتانا مشکل ہے کیوں کہ میں آنکھ بھر کر آپ کو دیکھ ہی نہیں پاتا تھا ۔

حضرت انس سے روایت ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مہاجرین و انصار اصحاب کے پاس جاتے جہاں ان کی مجلس میں ابوبکر و عمر بھی ہوتے تھے ۔ سوائے ابوبکر و عمر کے کوئی صحابی آپ کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا ۔ یہی دونوں آپ کی طرف دیکھتے تھے اور آپ ان دونوں کی طرف دیکھتے تھے اور انہیں دیکھ کر مسکراتے تھے ۔ رواہ الترمذی

اسامہ بن شریک سے روایت ہے ۔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا صحابہ آپ کے گرد اس طرح با ادب بیٹھے تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے ہوں ۔

آپ جب گفتگو فرماتے تھے تو آپ کی محفل میں بیٹھنے والے سر جھکا کر بیٹھے رہتے اور معلوم ہوتا کہ پرندے ان کے سروں پر بیٹھے ہوئے ہیں ۔

عروہ بن مسعود کو جب قریش نے صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجی اور انہوں نے صحابہ کو دیکھا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طرح تعظیم بجا لا رہے تھے کہ آپ جب

وضو فرماتے تو اس کا پانی لینے کے لئے وہ دوڑ پڑتے۔ ایسا محسوس ہوتا کہ آپس میں لڑ پڑیں گے۔ جب آپ لعاب مبارک منہ سے باہر پھینکتے اور ناک صاف کرتے تو اسے وہ اپنی ہتھیلیوں میں لے کر اپنے چہروں اور جسموں پر ملنے لگتے۔ آپ کا بال بدن سے گرتا تو اسے لینے کے لئے جھپٹ پڑتے۔ جب آپ کوئی حکم دیتے تو اس کی تعمیل کے لئے وہ دوڑ پڑتے۔ جب آپ گفتگو فرماتے تو وہ خاموش رہتے۔ آپ کی تعظیم کے پیش نظر آپ کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے۔

یہ منظر دیکھ کر عروہ بن مسعود قریش کے پاس واپس آئے اور انہیں خطاب کرتے ہوئے کہا۔ اے گروہ قریش! میں کسریٰ کے دربار میں گیا ہوں، قیصر کے دربار میں گیا ہوں، نجاشی کے دربار میں گیا ہوں لیکن واللہ العظیم! کسی بادشاہ کو کسی قوم میں اتنا معزز نہیں دیکھا جتنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کے اصحاب کے درمیان میں نے دیکھا ہے۔ (صحیح بخاری وسیرۃ ابن ھشام)

اور ایک روایت میں ہے۔ میں نے کوئی بادشاہ ایسا نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کے ساتھی انہیں کبھی کسی کے حوالہ نہیں کر سکتے۔

اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس طرح بیٹھے تھے جیسے ہمارے سروں پر پرندے ہوں۔ ہم میں سے کوئی بھی بات نہیں کر رہا تھا۔ اسی اثنا میں آپ کے پاس کچھ آدمی آئے اور آپ سے سوال کیا کون بندہ اللہ کے یہاں زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ سب سے بہتر اخلاق والا بندہ! (کذا فی الترغیب۔ اخرج الطبرانی وابن حبان فی صحیحہ (ج ٤۔ ص ١٨٧) وقال رواہ الطبرانی برجال محتج بہم فی الصحیح۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا، لیکن آپ کی ہیبت کی وجہ سے دو سال تک اسے میں ٹالتا رہا

(اخرج ابو یعلیٰ وصححہ)۔

امام زہری سے روایت ہے۔ مجھ سے ایک غیر متہم انصاری نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے یا ناک صاف کرتے تو لوگ اسے جھپٹ کر حاصل کر لیتے اور اپنے چہرے و جسم پر مل لیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم لوگ ایسا کیوں کرتے ہو؟ لوگوں نے

کہا ہم اس سے برکت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ جو یہ چاہتا ہو کہ اللہ اور اس کے رسول اس سے محبت کریں تو وہ سچ بولے، امانت ادا کرے، اور اپنے پڑوسی کو نہ ستائے۔

اخرج البیھقی۔ کذا فی الکنز (ج ۸۔ ص ۲۲۸)

خلاصہ یہ کہ دو چیزیں سامنے رکھنی ضروری ہیں۔

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور ساری مخلوق سے آپ کو افضل جاننا فرض ہے۔

۲۔ اللہ کی ربوبیت میں کوئی شریک وسہیم نہیں۔ اللہ اپنی ذات وصفات وافعال میں واحد و یکتا ہے۔

جو شخص کسی مخلوق کو کسی چیز میں ذات باری تعالیٰ کا شریک سمجھے اس نے شرک کیا۔ جیسے مشرکین! جو بتوں کے اندر الوہیت کا عقیدہ رکھتے تھے اور انہیں مستحق عبادت سمجھتے۔

جو شخص کسی بھی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ میں کچھ تنقیص کرے اس نے نافرمانی یا کفر کیا اور شانِ رسالت میں بے ادبی وگستاخی کفر ہے۔

لیکن جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر طرح تعظیم وتکریم کرے اور آپ کو اللہ عزوجل کی کسی صفت کے ساتھ کسی طرح متصف نہ کرے وہ حق وصواب پر ہے۔ اس نے شانِ ربوبیت اور منصبِ رسالت ہر ایک کا پورا پورا لحاظ رکھا۔ یہی وہ صحیح بات ہے جس میں کوئی افراط و تفریط نہیں۔

اہل ایمان کے کلام میں جب کسی چیز کی نسبت غیر اللہ کی طرف ملے تو اسے مجاز عقلی پر محمول کرنا فرض ہے۔ ان کی تکفیر کا کوئی راستہ اور کوئی جواز نہیں۔ کیوں کہ مجاز عقلی کا کتاب وسنت میں استعمال ہے۔

مشرکانہ توسّط

حقیقتِ واسطہ کے سلسلے میں بہت سے لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ اور بڑی جسارت کے ساتھ یہ بے بنیاد حکم لگا دیتے ہیں کہ واسطہ شرک ہے اور کسی بھی شکل وکیفیت میں کوئی بھی واسطہ استعمال کرنے والا شخص مشرک باللہ ہے اور اس کا حال ان مشرکوں جیسا ہے جو یہ کہا کرتے تھے۔

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی۔ (زمر۔ ۳)

ہم ان کی صرف اس لئے عبادت کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کردیں۔

استعمالِ واسطہ پر شرک کا حکم لگانے والوں کی یہ بات مردود و نامقبول ہے اور آیت مذکورہ سے ان کا استدلال بے محل ہے۔ اس لئے کہ آیت کریمہ ان مشرکوں کا صراحۃً رد وانکار کر رہی ہے جنہوں نے بتوں کی پوجا کی۔ اللہ کو چھوڑ کر انہیں معبود بنایا۔ دعویٰ ربوبیت میں انہیں شریک کیا یہ کہہ کر کہ ان بتوں کی پوجا اس لئے ہے کہ وہ انہیں اللہ سے قریب کردیں گے۔ ان کا کفر و شرک اس حیثیت سے ہے کہ انہوں نے ان کی عبادت کی اور یہ اعتقاد رکھا کہ وہ ارباب من دون اللہ ہیں۔

یہاں ایک اہم نکتہ قابلِ بیان ہے۔ یہ آیتِ کریمہ گواہی دے رہی ہے کہ مشرکین عبادتِ اصنام کو جائز سمجھنے کی وجہ سے اپنے اس قول میں سنجیدہ نہیں ہیں کہ ہم تقرب خداوندی کے لئے ان کی عبادت کر رہے ہیں۔

اگر وہ اپنی بات میں سچے ہوتے تو اللہ کی عظمت وجلالت ان کے نزدیک ان بتوں سے زیادہ ہوتی اور وہ غیر اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔

مشرکین کے بتوں کو سب وشتم کرنے سے اللہ نے مسلمانوں کو منع فرمایا۔ چنانچہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (انعام - ۱۰۸)

اور وہ جنہیں اللہ کے سوا پوجتے ہیں انہیں گالی مت دو کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے۔ زیادتی اور جہالت کے سبب۔ یوں ہی ہم نے ہر امت کے لئے اس کے عمل بھلے کر دئے ہیں پھر انہیں اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے اور وہ انہیں بتا دے گا جو وہ کرتے تھے۔

عبدالرزاق وعبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابوالشیخ نے سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انہوں نے کہا کہ مسلمان کافروں کے بتوں کو سب وشتم کرتے تھے تو کفار اللہ کو سب وشتم کیا کرتے تھے (اعاذنا اللہ) اس وقت یہ آیت اتری۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ (انعام - ۱۰۸)

یہ اس آیت کا سبب نزول ہے۔ اور یہ آیت اہل ایمان کے لئے یہ بات حرام قرار دیتی ہے کہ وہ ان پتھروں کے سلسلے میں کوئی تنقیص کریں جنہیں مشرکین مکہ پوجتے ہیں۔ اس لئے کہ ایسی بات سے یہ بت پرست ان پتھروں کے سلسلے میں غیرت میں آجاتے ہیں جنہیں وہ قلب کی گہرائی سے نفع ونقصان کا مالک معبود سمجھتے ہیں، تو غصہ میں آکر مسلمانوں کو اس کا جواب دیتے ہیں اور ان کے اس رب کو سب وشتم کرتے ہیں جو رب العالمین ہے اور اس کے لئے عیوب ونقائص کا الزام لگاتے ہیں جب کہ وہ ہر نقص وعیب سے پاک ہے۔

اگر مشرکین اپنی اس بات میں سچے ہوتے کہ بتوں کی عبادت صرف تقرب خداوندی کے لئے ہے تو اپنے معبودوں کو سب وشتم کرنے والوں کے انتقام میں اللہ کو سب وشتم نہیں کرتے۔ اس سے تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ کی عظمت ان پتھروں سے بھی کم ہے۔

یہی معاملہ اس ارشاد خداوندی میں بھی ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔ (لقمٰن - ۲۵)

اور اگر تم ان سے پوچھو زمین وآسمان کس نے پیدا کئے تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔

اگر حقیقۃً مشرکوں کا یہ اعتقاد ہوتا کہ صرف اللہ وحدہ لاشریک خالق ہے۔ ان کے بت خالق نہیں ہیں۔ تو ان کی عبادت صرف اللہ کے لئے ہوتی بتوں کے لئے نہیں۔ یا کم از کم اللہ کا احترام وہ ان بتوں سے زیادہ کرتے۔

کیا بتوں کی غیرت و انتقام کے بدلے میں اللہ کو سب وشتم کرنا ان دونوں باتوں (یعنی صرف اللہ کی عبادت یا بتوں سے زیادہ اس کا احترام) سے کچھ بھی مطابقت رکھتا ہے؟ بداہۃً ثابت ہے کہ ہرگز کوئی مطابقت نہیں۔

مشرکوں کا اپنے بتوں سے اللہ کو کم سمجھنا مذکورہ ہی آیت سے نہیں بلکہ کئی آیتوں سے واضح ہے۔ مثلاً۔ وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ۔ (الانعام - ۱۳۶)

اور اللہ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کئے ان میں سے ایک حصہ دار ٹھہرایا تو بولے یہ اللہ کا ہے ان کے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں کا۔ تو وہ جو ان کے شریکوں کا ہے وہ اللہ کو نہیں پہنچتا اور جو اللہ کا ہے وہ ان کے شریکوں کو پہنچتا ہے۔ کیا ہی برا حکم لگاتے ہیں۔

اگر ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ ان پتھروں سے کم نہ ہوتا تو وہ انہیں اللہ پر ترجیح نہ دیتے۔ جس کا اس آیت میں ذکر ہے اور وہ اللہ کے اس فیصلہ کے مستحق ہوتے۔ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ الآیۃ۔ کیا ہی برا حکم لگاتے ہیں۔

اسلام لانے سے پہلے ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کا یہ قول اسی قبیل سے ہے۔ اعل ھُبل۔ کما رواہ البخاری۔ اپنے بت ہبل کا نام لے کر پکار رہے ہیں کہ وہ اس مصیبت میں رب السموات والارض پر بلند و غالب ہو جائے تاکہ وہ اور ان کا لشکر ان ایمان والوں کے لشکر پر فتح پالے جو لشکر اسلام ان کے معبودوں پر فتح پانے کی کوشش کر رہا ہے۔

بتوں کے ساتھ اور اللہ رب العالمین کے ساتھ مشرکوں کی یہ سطح اور ان کا یہ معاملہ رہا ہے۔ اس لئے اچھی طرح مذکورہ حقیقت سمجھ لی جائے کیوں کہ بہت سے لوگ اسے نہیں سمجھ پاتے اور طرح طرح کا حکم لگانے لگتے ہیں۔

کیا نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے جب مسلمانوں کو کعبہ کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھنے کا حکم دیا تو وہ اس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے لگے اور اسے اپنا قبلہ بنا لیا۔ اور یہ کعبہ کی عبادت نہیں ہے۔ اور حجر اسود کا بوسہ دینے لگے جو محض اللہ کی عبودیت کا اظہار ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی اقتداء واتباع ہے۔

اگر کوئی مسلمان کعبہ اور حجر اسود کی عبادت کی نیت کرے تو وہ بت پرستوں کی طرح مشرک ہو جائے گا۔

واسطہ ایک ضروری چیز ہے اور یہ شرک نہیں ہے۔ نہ ہی اپنے اور اللہ کے درمیان واسطہ استعمال کرنے والے شخص کو مشرک سمجھا جائے گا۔ ورنہ سارے انسان مشرک باللہ ہو جائیں گے کیوں کہ ان کا سارا کام واسطہ پر مبنی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل کے واسطہ سے قرآن پایا۔ تو جبریل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے واسطہ ہوئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے واسطہ عظمیٰ ہیں۔ وہ اپنی مشکلات میں آپ کے دربار کو جائے پناہ سمجھتے تھے۔ آپ سے عرض احوال کرتے تھے۔ اللہ کی بارگاہ میں آپ سے توسل کرتے تھے۔ آپ سے دعا کی درخواست کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے حالات میں یہ نہیں فرماتے تھے کہ تم نے شرک وکفر کیا۔ کیوں کہ مجھ سے کوئی شکایت جائز نہیں۔ اور مجھ سے کچھ نہ طلب کرو بلکہ تم خود جا کر اللہ سے دعا وسوال کرو کیوں کہ مجھ سے زیادہ اللہ تم سے قریب ہے۔

نہیں نہیں آپ نے ایسا نہیں کہا بلکہ خاموش رہے اور ان کے لئے دعا کی۔ صحابہ کرام بھی مکمل طور پر جانتے تھے کہ دینے والا حقیقۃً اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ مانع وباسط و رازق اللہ ہی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اذن وفضل سے عطا کرنے والے ہیں اور آپ خود فرماتے ہیں۔ میں تقسیم کرنے والا ہوں اللہ دینے والا ہے۔ (مشکوٰۃ)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی عام آدمی کے لئے بھی یہ کہنا جائز ہے کہ اس نے مشکل آسان کی اور ضرورت پوری کی۔ یعنی وہ واسطہ بنا۔

تو سید کریم نبی عظیم اشرف الکونین سید الثقلین افضل خلق اللہ علی الاطلاق کے واسطے کی کتنی قبولیت وعظمت ہوگی۔

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد نہیں فرمایا۔ (حدیث صحیح)

من فرج عن مومن کربۃ من کرب الدنیا۔ جس نے مومن کی کوئی دنیاوی مصیبت دور کی۔

تو مومن مفرج الکربات یعنی مشکل آسان کرنے والا ہوا۔

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا۔ من قضیٰ لاخیہ حاجۃ کنت واقفا عند میزانہ فان رجح والا شفعت لہ۔ جس نے اپنے بھائی کی کوئی ضرورت پوری کی اس کے میزان کے پاس میں کھڑا رہوں گا اگر میزان بھاری رہا تو ٹھیک ہے ورنہ میں اس کی شفاعت کردوں گا۔

تو مومن قاضی للحاجات یعنی ضروریات پوری کرنے والا ہوا۔

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا۔ (حدیث صحیح) من ستر مسلما۔ جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی۔

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا۔ ان للہ خلقا یفزع الیھم للحوائج۔ اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں جن کی طرف حوائج میں پناہ لی جاتی ہے۔

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا۔ (حدیث صحیح) واللہ فی عون العبد ما دام العبد فی عون اخیہ۔ اللہ بندے کی مدد کرتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا ہے۔

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا۔ من اغاث ملھوفا کتب اللہ لہ ثلاثا وتسعین حسنۃ۔ جس نے کسی مصیبت زدہ کی مدد کی اللہ اس کے لئے ترانوے نیکیاں لکھ دیتا ہے۔

رواہ ابو یعلیٰ والبزار والبیھقی۔

مومن ان احادیث کی روشنی میں مشکل آسان کرنے والا، اعانت کرنے والا، مدد کرنے والا، ضرورت پوری کرنے والا، پردہ پوشی کرنے والا اور پناہ دینے والا ہوا۔ جب کہ مشکل آسان کرنے والا، ضرورت پوری کرنے والا، پردہ پوشی کرنے والا، اعانت کرنے والا حقیقۃً صرف اللہ عزوجل ہے۔ لیکن مومن جب واسطہ بنا تو فعل کی نسبت اس کی جائز اور صحیح ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی ایسی احادیث مروی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ

اللہ تعالیٰ استغفار کرنے والوں اور مسجدوں کے عابدوں کے ذریعہ عذاب کو اہل زمین کے سر سے ٹالتا اور دور کرتا ہے۔ اور ان کے ذریعہ اہل زمین کو رزق دیتا ہے۔ ان کی مدد کرتا ہے اور ان سے غرق و بلا کا رخ پھیرتا ہے۔

مانع الدیلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لولا عباد للہ رکع وصبیۃ رضع وبھائم رتع لصب علیکم العذاب صبا ثم رض رضا (روی الطبرانی فی الکبیر والبیھقی فی السنن) اگر اللہ کے کچھ رکوع کرنے والے عبادت گزار بندے اور دودھ پیتے بچے اور چرنے والے جانور نہ ہوتے تو تم پر عذاب نازل کر کے تمہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاتا۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ھل تنصرون وترزقون الا بضعفائکم۔ (رواہ البخاری) کیا صرف تمہارے کمزور لوگوں کے ذریعہ تمہاری مدد نہیں کی جاتی ہے؟ اور تمہیں رزق نہیں دیا جاتا ہے؟

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ لعلک ترزق بہ۔ روی الترمذی وصححہ والحاکم۔ تاکہ تمہیں اس کے ذریعہ رزق دیا جائے۔

عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ان للہ عزوجل خلقا خلقھم لحوائج الناس۔ یفزع الیھم الناس فی حوائجھم۔ اولئک الآمنون من عذاب اللہ تعالیٰ۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر وابونعیم والقضاعی وحومن) اللہ کے کچھ بندے ہیں جنہیں اس نے لوگوں کی ضروریات کے لئے پیدا کیا ہے۔ لوگ اپنی ضروریات کے لئے ان کی طرف جاتے ہیں۔ یہی لوگ اللہ کے عذاب سے مامون ہیں۔

جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان اللہ لیصلح بصلاح الرجل المسلم ولدہ و ولد ولدہ واھل دویرتہ و دویرات حولہ و لا یزالون فی حفظ اللہ عز و جل مادام فیھم۔ اللہ تعالیٰ مسلمان شخص کی نیکی کے بدلے میں اس کے لڑکے اس کے پوتے، اہل مکان اور اس کے ارد گرد والوں کو صلاح و سعادت سے نوازتا ہے۔ جب تک وہ شخص ان کے درمیان رہتا ہے اس وقت تک وہ اللہ کی امان میں رہتے ہیں۔

ابن عمر سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ان اللہ لیدفع بالمسلم الصالح عن مأة اھل بیت من جیرانہ بلاء۔ (رواہ الطبرانی) اللہ تعالیٰ صالح مسلمان کی وجہ سے اس کے سو پڑوسی گھرانوں سے بلاء دور فرماتا ہے۔

ثم قرأ ابن عمر: لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْاَرْضُ۔ الآیۃ۔

ثوبان سے یہ حدیث مرفوع مروی ہے۔ لایزال فیکم سبعۃ بھم تنصرون وبھم تمطرون وبھم ترزقون حتی یاتی امر اللہ۔ تمہارے درمیان ہمیشہ ایسے سات موجود رہیں گے جن کے ذریعہ تمہاری مدد ہوگی تم پر بارش ہوگی۔ تمہیں رزق دیا جائے گا یہاں تک کہ حکم الٰہی آجائے۔

عبادہ بن صامت سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

الابدال فی امتی ثلاثون بھم ترزقون وبھم تمطرون وبھم تنصرون۔ (رواہ الطبرانی) میری امت میں تیس ابدال ہوں گے ان کے ذریعہ تمہیں رزق دیا جائے گا، بارش برسائی جائے گی اور مدد کی جائے گی۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ (سورۂ بقرہ) کے تحت تفسیر حافظ ابن کثیر میں یہ چاروں احادیث درج ہیں۔ وھی صالحۃ للاحتجاج ومن مجموعھا یصیر الخبر صحیحا۔

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ زمین ایسے چالیس افراد سے کبھی خالی نہیں رہے گی کہ۔ فبھم تسقون وبھم تنصرون مامات احد الا ابدل اللہ مکانہ آخر۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط واسنادہ حسن۔ کذا فی مجمع الزوائد ج ۱۰/۶۳

انہیں کے ذریعہ تم سیراب کئے جاؤ گے اور مدد کئے جاؤ گے ان میں سے جب کوئی انتقال کرتا ہے تو اللہ اس کی جگہ دوسرے کو مقرر کر دیتا ہے۔

واسطۂ عظمیٰ:۔ یوم محشر جو یوم توحید وایمان ہے۔ اس دن واسطۂ عظمیٰ صاحب لواء الحمد و مقام محمود، مالک حوض کوثر، شافع ومشفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وفضیلت کا ظہور ہوگا۔ آپ کی شفاعت مقبول ہوگی۔ آپ کی ضمانت کی حیثیت واہمیت ہوگی اس

ذات وحدہ لاشریک کے نزدیک جس نے آپ سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ آپ کی خواہش کو نامراد نہیں بنائے گا۔ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ کو مبتلائے رنج وغم نہیں کرے گا۔ اپنی امت کے سلسلے میں آپ کو کسی تکلیف دہ مرحلہ سے نہیں گزرنے دے گا۔ جہاں خلق خدا کا رخ آپ ہی کی طرف ہوگا۔ لوگ آپ سے شفاعت چاہیں گے تو آپ اٹھ کھڑے ہوں گے اور اس وقت تک واپسی نہیں ہوگی جب تک خلعت احسان اور تاج کرامت سے آپ کو نواز نہ دیا جائے۔ جس کی شکل اس ارشاد باری تعالیٰ میں نمایاں ہوگی۔

یا محمد! ارفع رأسك واشفع تشفع وسل تعط۔

اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی اور مانگو تمہیں عطا کیا جائے گا۔

ابن عمر سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ان اللہ لیدفع بالمسلم الصالح عن مأۃ اھل بیت من جیرانہ بلاء۔ (رواہ الطبرانی) اللہ تعالیٰ صالح مسلمان کی وجہ سے اس کے سو پڑوسی گھرانوں سے بلاء دور فرماتا ہے۔

ثم قرأ ابن عمر، وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْاَرْضُ۔ الآیۃ۔

ثوبان سے یہ حدیث مرفوع مروی ہے۔ لایزال فیکم سبعۃ بھم تنصرون وبھم تمطرون وبھم ترزقون حتی یاتی امر اللہ۔ تمہارے درمیان ہمیشہ ایسے سات موجود رہیں گے جن کے ذریعہ تمہاری مدد ہوگی۔ تم پر بارش ہوگی۔ تمہیں رزق دیا جائے گا یہاں تک کہ حکم الٰہی آجائے۔

عبادہ بن صامت سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

الابدال فی امتی ثلاثون بھم ترزقون وبھم تمطرون وبھم تنصرون۔ (رواہ الطبرانی) میری امت میں تیس ابدال ہوں گے ان کے ذریعہ تمہیں رزق دیا جائے گا، بارش برسائی جائے گی اور مدد کی جائے گی۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ (سورۂ بقرہ) کے تحت تفسیر حافظ ابن کثیر میں یہ چاروں احادیث درج ہیں۔ وھی صالحۃ للاحتجاج ومن مجموعھا یصیر الخبر صحیحا۔

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ زمین ایسے چالیس افراد سے کبھی خالی نہیں رہے گی کہ۔ فبھم تسقون وبھم تنصرون ما مات احد الا ابدل اللہ مکانہ آخر۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط واسنادہ حسن۔ کذا فی مجمع الزوائد ج ۱۰/۶۲)

انہیں کے ذریعہ تم سیراب کیے جاؤ گے اور مدد کیے جاؤ گے ان میں سے جب کوئی انتقال کرتا ہے تو اللہ اس کی جگہ دوسرے کو مقرر کر دیتا ہے۔

واسطۂ عظمیٰ: - یوم محشر جو یوم توحید وایمان ہے۔ اس دن واسطۂ عظمیٰ، صاحب لوا الحمد ومقام محمود، مالک حوض کوثر، شافع ومشفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وفضیلت کا ظہور ہوگا۔ آپ کی شفاعت مقبول ہوگی۔ آپ کی ضمانت کی حیثیت واہمیت ہوگی اس

ذات وحدہ لاشریک کے نزدیک جس نے آپ سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ آپ کی خواہش کو نامراد نہیں بنائے گا۔ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ کو مبتلائے رنج وغم نہیں کرے گا۔ اپنی امت کے سلسلے میں آپ کو کسی تکلیف دہ مرحلہ سے نہیں گزرنے دے گا۔ جہاں خلق خدا کا رخ آپ ہی کی طرف ہوگا۔ لوگ آپ سے شفاعت چاہیں گے تو آپ اٹھ کھڑے ہوں گے اور اس وقت تک واپسی نہیں ہوگی جب تک خلعت احسان اور تاج کرامت سے آپ کو نواز نہ دیا جائے۔ جس کی شکل اس ارشاد باری تعالیٰ میں نمایاں ہوگی۔

یا محمد! ارفع رأسك واشفع تشفع وسل تعط۔

اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی اور مانگو تمہیں عطا کیا جائے گا۔

لباسِ مکر و فریب

بساطِ حقیقت کے بے بنیاد طفیلی بہت سے لوگ ہیں جب کہ حقیقت ان سے دور و بری الذمہ ہے اور حقیقت کے ساتھ ان کا انتساب بھی فرضی ہے۔

وَ کُلٌّ یدّعی وصلاً بلیلیٰ
وَلیلیٰ لاتُقِرُّ لھم بذاکا

ہر بوالہوس وصلِ لیلیٰ کا مدعی ہے اور لیلیٰ ان کے اس دعویٰ وصال کی منکر ہے۔

مزید برآں یہ مدعیان حقیقت صورت حقیقت کو مسخ کر کے اس کی بدنامی کا باعث بنتے ہیں۔ ان پر تو یہ حکیمانہ بیانِ نبوی بالکل صادق آتا ہے المتشبع بما لم یعط کلابس ثوب زور۔ جو چیز نہیں دی گئی اس سے استغناء و سیری ظاہر کرنے والا شخص لباسِ مکر و فریب پہننے والے کی طرح ہے۔

مسلمان ایسے بہت سے شاطروں کی آزمائش میں مبتلا ہیں جو امت کے صاف و شفاف چہرے کو داغدار بنا رہے ہیں اور مختلف جماعتوں میں افتراق و انتشار پیدا کر رہے ہیں۔ بھائی بھائی اور باپ بیٹے کے درمیان عداوت کا بیج بو رہے ہیں۔

تصحیح مفاہیم اسلام کے نام پر نافرمانی کا باب اور تمسک بآثار سلف کے نام پر انکار کی راہ اختیار کر رہے ہیں۔ حکمت و موعظتِ حسنہ اور رحمت و رأفت کو انہوں نے بدذوقی بے ادبی اور شدت و غلظت میں تبدیل کر دیا ہے۔

یہ لوگ اپنا انتساب تصوف کی طرف کرتے ہیں۔ حالاں کہ تصوف کی حقیقت اور اس کے جوہر سے یہ سب سے زیادہ دور ہیں۔ انہوں نے تصوف کی صورت بگاڑ دی۔ اس کی حرمت کو پامال کیا۔ اس کے کردار و روش کو فاسد کر ڈالا اور تصوف و ائمہ و شیوخ تصوف و مرشدین کاملین پر بے جا تنقید و تنقیص کو انہوں نے روا رکھا۔

خرافات واباطیل اور دجل وفریب سے بھرے ہوئے ایسے کسی تصوف کو ہم جانتے بھی نہیں۔
ہم تصوف کو فلسفیانہ نظریات یا غیر اسلامی افکار یا مشرکانہ عقائد سے کسی وابستگی کے ساتھ نہیں جانتے۔ ہم ایسے ہر تصوف سے اللہ کی بارگاہ میں بری ہیں اور جو چیز بھی کتاب وسنت کے خلاف اور ناقابل تاویل ہو اسے جھوٹ اور گنہ گار و مجرم وضعیف الاعتقاد لوگوں کی آمیزش سمجھتے ہیں۔
ہم تصوف کو علمی وفکری مرکز و درسگاہ سمجھتے ہیں۔ جس کے سارے اسالیب ومناہج فکر و اعتقاد اسلامی اور ہمارے آداب وخدمات کے اعلیٰ نمونے ہیں۔ کمال ایمان وکمال امور حیات ہیں۔ ہر ربانی دعوت کے پاکیزہ و خالص نمونے ہیں۔
یہ تصوف صداقت و امانت ہے۔ ایثار و وفاداری ہے۔ شرف وکرم ہے۔ کمزور کی نصرت ہے۔ مصیبت زدہ کی امداد ہے۔ نیکی وتقویٰ کا تعاون ہے۔ حق وصبر کی اعانت ہے۔ امور خیر میں مسابقت ہے۔ اخلاق صحیحہ کاملہ کا نمونہ ہے۔
اسی بافیض سیرت اور پاکیزہ اخلاق کے ذریعہ اسلام کے صدر اول میں بے مثال کارنامے ظہور پذیر ہوئے۔ ائمہ دین وعلم اور بہادران صف شکن پیدا ہوئے۔ اور ہمارے سامنے اسلامی شخصیت کا چہرہ خوبصورت و پاکیزہ شکل میں اپنی اعلیٰ و اکمل صفت کے ساتھ نمودار ہوا۔ اور تاریخ کے صفحات پر اس کے فخر و مجد، عزت وسیادت، مقابلہ وجہاد و اسباق تہذیب وتمدن اسلامی ثبت ہیں۔
ان مثالوں اور نمونوں کی بنیاد پر ہمیں یقین ہے کہ بڑے بڑے انقلابات ایمان کی ہدایت اور روح کے پیغام پر لبیک کہنے ہی سے وجود میں آتے ہیں مضبوط اخلاق وکردار ہی پر مبنی ہوتے ہیں اور انہیں مقدس اسلامی عقائد سے غذا حاصل ہوتی رہتی ہے۔
روحانی اخلاقی جسمانی صفات، اقوام وقبائل کا سرمایہ و ذخیرہ ہوا کرتی ہیں۔ انہیں سے امتیں بنتی ہیں اور انسانی کارواں اپنے اغراض ومقاصد کو حاصل کرتا اور اپنی منزل تک پہنچتا ہے۔
سلف صالحین وعرفاء ومرشدین کی سوانح کا مطالعہ کرنے والا شخص ان اقدار و اخلاق کا تاریخ اسلام کے مشہور وکامیاب کارناموں میں براہ راست اثر پائے گا۔ اسلامی رجال و شخصیات کی شوکت واثر ورسوخ محض ایمان کی بنیاد پر ہے۔ خالص وکامل زندہ و تابندہ

ایمان جو شوق و محبت پر قائم ہے۔ یہ ایمان اللہ کے تقرب کے لئے اپنے متبعین کے دلوں میں لپکتا ہوا شعلہ دہکا دیتا ہے۔ اور مقام احسان و تزکیہ سے سرفراز ہو کر یہ نفوس قدسیہ ہر شئے میں اللہ کی تجلیات کا دیدار کرتے ہیں۔ ہر سانس میں اس کا جلوہ پاتے ہیں۔

یہ ایمان زندگی میں مکمل شعور و بیداری پیدا کر دیتا ہے۔ اور یہ گہرا احساس اجاگر کر دیتا ہے کہ کائنات کے اندر اللہ کی ربوبیت و ربانیت جاری و ساری ہے۔ ہمارا اندرون، ہمارے دل کی دھڑکنیں، ہماری سرگوشیاں، ہماری نگاہوں کی حرکتیں، اور ہمارے سینوں کے راز سب کے سب اس کے احاطۂ علم میں ہیں۔

سنتِ حسنہ و بدعتِ سیئہ

کچھ ایسے نووارد و دخیل حضرات بھی ہیں جو سلف صالحین کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہوئے نہایت جاہلانہ وحشی پن، اندھی عصبیت، بیمار و بنجر عقل و فہم اور تنگ دلی کے ساتھ سلفیت کی دعوت دیتے ہیں۔ ہر نئی چیز سے جنگ، ہر مفید اختراع سے تکدر و تنفر، اور دعویٰ یہ کہ یہ تو بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

انواع بدعت[1] میں ان کے یہاں کوئی فرق نہیں۔ حالاں کہ روح شریعت اسلامی کا تقاضہ

---

[1] حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی حدیث مبارک۔ وشرّ الامور محدثاتھا وکل بدعۃ ضلالۃ (رواہ مسلم) کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی قاری بن سلطان محمد ہروی متوفی ۱۰۱۴ھ۔ ابو زکریا محی الدین یحییٰ بن شرف المعروف بہ امام نووی متوفی ۶۷۶ھ کے ذکر کردہ تقسیم بدعت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

امام نووی نے کہا۔ البدعۃ کل شئ عمل علی غیر مثال سبق۔ لغت میں بدعت کا معنی ایسا کام ہے جس کی مثال زمانہ سابقہ میں نہ ہو۔ وفی الشرع احداث مالم یکن فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اصطلاح شریعت میں بدعت ایسا کام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں نہ ہوا ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کل بدعۃ ضلالۃ عام مخصوص ہے۔ (یعنی بدعت سے مراد بدعت سیئہ ہے) ص ۱۷۹۔ جلد اول مرقاۃ شرح مشکوٰۃ۔

پھر اسی صفحہ پر امام نووی نے شیخ عزالدین بن عبدالسلام کی کتاب القواعد سے بدعت کی یہ پانچ قسمیں نقل کی ہیں۔ حرام، مکروہ، مباح، مستحب، واجب۔ اور ان پانچوں کی مثالیں بھی دی ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں۔

بدعت کبھی واجب ہوتی ہے جیسے گمراہ فرقوں پر رد کے دلائل قائم کرنا اور علم نحو کا سیکھنا جو فہم کتاب و سنت میں معاون ہے۔ اور کبھی مستحب ہوتی ہے جیسے مدارس اور مسافر خانے کی تعمیر اور ہر وہ نیک کام

ہے کہ انواعِ بدعت کے درمیان فرق وامتیاز رکھ کر یہ کہا جائے کہ کچھ بدعتیں حسنہ ہوتی ہیں اور کچھ سیئہ ہوتی ہیں۔ یہی عقل وشعور اور فکر ونظر کا تقاضہ بھی ہے۔

اس امت کے اسلاف میں جو علماء اصول ہیں ان کی یہی تحقیق ہے جیسے امام عز بن عبدالسلام امام نودی، علامہ جلال الدین سیوطی، امام محلی۔ علامہ ابن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

احادیث مبارکہ سے ایک دوسرے کی وضاحت وتفصیل سامنے آتی ہے اور بعض احادیث دوسری احادیث کی تکمیل کرتی ہیں اس لئے ان احادیث پر ایک بھرپور نظر ڈال لینی چاہئے۔ اور ان کی تشریح و توضیح روح شریعت اسلامی اور اہل نظر کے بیان کردہ متفق علیہ معنی ومراد کے ساتھ ہونی چاہئے۔

احادیث رسول کی توضیح وتشریح کے لئے علم ودانش، فکر وشعور، فہم وخرد، قلب سلیم اور ذوق صحیح کی ضرورت ہے جو شریعت مطہرہ کے سمندر سے فیض یاب ومستفید ہو۔ احوال وضروریات امت کا لحاظ رکھے۔ نصوص کتاب وسنت وقواعد شرعیہ کے حدود کی پاسداری کرے۔

مثلاً ایک حدیث ہے کل بدعة ضلالة ہر بدعت گمراہی ہے۔ اس کی تشریح میں یہ بتلانا ضروری ہے کہ یہاں وہ بدعتِ سیئہ مراد ہے جو کسی اصل شرعی کے تحت نہ داخل ہو۔

یہ تقیید دوسری حدیث میں وارد ہے۔ مثلاً حدیث لاصلوٰة لجار المسجد الا فی المسجد مسجد کے پڑوس میں رہنے والے کی نماز صرف مسجد میں ہوگی۔

اس حدیث کا ظاہری مفہوم یہی ہے کہ مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے اندر ہی ہوگی اس سے باہر نہیں۔ مگر دوسری احادیث سے معلوم ہوا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کامل نماز مسجد سے باہر نہ ہوگی۔

مثلاً یہ حدیث ہے لاصلوٰة بحضرة طعام کھانے کی موجودگی میں نماز نہ ہوگی۔ علماء حدیث اس کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ کامل نماز نہ ہوگی۔

مثلاً یہ حدیث ہے۔ لایؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ۔ تم میں کا کوئی مومن نہ ہوگا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی بات نہ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

(ص۱۵۱ کا بقیہ)

جو صدر اول میں نہ رہا ہو۔ اور کبھی مکروہ ہوتی ہے جیسے تزئین مساجد۔ اور کبھی مباح ہوتی ہے جیسے کھانے پینے اور پہننے میں کشادگی اختیار کرنا۔ ص ۳۹۳۔ جلد اول شامی۔ (اختر مصباحی)

علماء حدیث اس کا یہ مطلب بتلاتے ہیں کہ مومن کامل نہ ہوگا۔

مثلاً یہ حدیث ہے واللہ لایؤمن واللہ لایؤمن واللہ لایؤمن ۔خدا کی قسم مامون نہ ہوگا خدا کی قسم مامون نہ ہوگا۔ خدا کی قسم مامون نہ ہوگا۔صحابہ کرام نے سوال کیا کون یا رسول اللہ؟ آپ نے ارشاد فرمایا جس کا پڑوسی اس کے شر سے مامون نہ ہو۔

مثلاً یہ حدیث ہے۔ لایدخل الجنۃ قتات.... ولا یدخل الجنۃ قاطع رحم..... وعاق لوالدیہ...جنت میں چھوٹا نہیں داخل ہوگا.... اور رشتے منقطع کرنے والا نہیں داخل ہوگا.... اور اپنے والدین کا نافرمان۔

علماء کرام کہتے ہیں کہ جنت میں داخل نہ ہونے کا مطلب ہے کہ پہلے نہیں بلکہ بعد میں جنت میں جائے گا۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کو جائز سمجھنے والا نہیں جائے گا۔

حاصل یہ ہے کہ ان احادیث کا صرف ظاہری معنی نہیں لیا گیا ہے بلکہ ان کی تاویل کی گئی ہے۔

حدیث کل بدعۃ ضلالۃ بھی اسی طرح ہے۔ عام احادیث و احوال صحابہ سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں بدعت سے بدعت سیئہ مراد ہے جو کسی اصل شرعی کے تحت نہ داخل ہو۔

حدیث مبارک یہ بھی ہے۔

من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرہا واجر من عمل بہا من بعدہ
جس نے کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا اس کے لئے اس کا اجر ہوگا اور جو بھی اس کے بعد اس پر عمل کرے گا اس کا اجر بھی اسے ملے گا۔ (مسلم شریف)

اور حدیث میں یہ بھی ہے علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین ۔میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔

نماز تراویح کی جماعت کے بارے میں عمر فاروق کہتے ہیں۔ نعمت البدعۃ ھذہ یہ کتنی اچھی نئی چیز ہے۔

اللہ توفیقِ ھدایت وخیر سے نوازے۔

ائمۂ تصوّف کی دعوتِ اتباعِ شریعت

مظلوم تصوف! جس پر تہمتوں کی یلغار ہے، اس کے ساتھ انصاف کرنے والے کم ہی ہیں۔ کچھ لوگوں کی جسارت و بے حیائی یہاں تک بڑھ چکی ہے کہ ان کے نزدیک تصوف ایسی قبیح و مذموم چیز ہے جس سے شہادت ساقط اور عدالت زائل ہو جاتی ہے۔ ثقاہت مجروح اور خبر نامقبول ہو جاتی ہے۔ اگر سوال کیا جائے کہ ایسا کیوں؟ تو جواب ملے گا ——— چوں کہ وہ صوفی ہے۔

ان حالات کے پیش نظر میں نے چاہا کہ یہاں ان ائمۂ دین کے اقوال نقل کر دوں جو تصوف کے مشہور رجال و شخصیات اور اس کے ستون ہیں۔

شریعت اسلامیہ کے بارے میں ان ائمۂ تصوف کا بیان نقل کیا جا رہا ہے تاکہ ان کا صحیح اور حقیقی موقف واضح ہو جائے۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ آدمی کو خود اسی کے ذریعہ جانیں پہچانیں۔ کسی دوسرے کی رائے کے ذریعہ آدمی کو سمجھنے سے بہتر خود اسی کے ذریعہ سمجھنا ہے۔ اور کسی تنقید و تنقیص کرنے والے سے زیادہ قابل اعتماد طریقہ یہ ہے کہ خود متعلقہ شخص کو براہ راست اسی کے ذریعہ سمجھا جائے۔

جنید بغدادی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے، آپ کی سنت کی اتباع کرنے اور آپ کے طریقہ پر مسلسل چلتے رہنے کے علاوہ مخلوق کے سامنے سارے راستے بند ہیں۔ اس لئے کہ خیر کے سارے راستے صرف آپ پر اور آپ کے نقش قدم پر چلنے والوں کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔

بایزید بسطامی قدس سرہ اپنے اصحاب و رفقاء سے ایک روز فرماتے ہیں ——— چلو! ہم اس شخص کو دیکھیں جس نے اپنی ولایت کا چرچا کر رکھا ہے۔ پھر سب کے سب چلے اور اس کے پاس پہنچے۔ وہ مسجد کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے قبلہ کی طرف تھوکا۔ یہ دیکھ کر بایزید بسطامی واپس

پلٹ آئے اور اسے سلام بھی نہیں کیا اور فرمایا اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ادب ملحوظ نہیں رکھا تو پھر اولیاء وصدیقین کے جن مقامات ومراتب کا یہ مدعی ہے بھلا ان کی یہ کیا رعایت کر سکے گا۔ اور ان کا ادب کیسے ملحوظ رکھ سکے گا۔

ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ـــــ کلام کے یہ چار مدار ہیں۔ حُبِّ جلیل ۔ بُغضِ قلیل ۔ اتباعِ تنزیل ۔ خوفِ تحویل۔

اللہ سے محبت رکھنے والے کی پہچان یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و افعال و اوامر وسنن کی پیروی کرے۔

سری سقطی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ـــــ تصوف تین چیزوں کا نام ہے۔ اس کا نور معرفت اس کے نور زہد وورع کو نہ بجھائے۔ کسی چیز کے اندر کوئی ایسی بات نہ کرے جو کتاب وسنت کے خلاف ہو۔ محارم کی پردہ دری پر اس کی کرامتیں اسے نہ ابھاریں۔

ابونصر بشر بن حارث حافی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ـــــ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا۔ اے بشر! تمہیں معلوم ہے کہ اللہ نے تمہارے معاصرین کے درمیان تمہیں کیوں بلند مرتبہ فرمایا ؟ میں نے کہا۔ نہیں یارسول اللہ ! آپ نے ارشاد فرمایا۔ تمہارا مرتبہ اس لئے بلند ہوا کہ تم نے میری سنت کی اتباع کی۔ صالحین کی خدمت کی۔ اپنے بھائیوں کے ساتھ خیر خواہی کی۔ میرے اصحاب و اہل بیت سے محبت رکھی۔ اسی صفت نے تمہیں منازلِ ابرار تک پہنچا دیا۔

ابویزید بن طیفور بن عیسیٰ بسطامی فرماتے ہیں ـــــ میرے دل میں خیال آیا کہ میں اللہ سے دعا کروں کہ وہ مجھے کھانے اور عورتوں کی ذمہ داری سے بے نیاز کر دے۔ پھر میں نے سوچا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی دعا نہیں کی تو میرے لئے ایسی دعا کا کیا جواز ہے۔ یہ سوچ کر میں نے دعا نہیں کی۔

اللہ کا فضل ایسا ہوا کہ اس نے مجھے عورتوں کی ذمہ داری سے بے نیاز کر دیا۔ اور ایسا حال ہوگیا کہ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ میرے سامنے عورت ہے یا دیوار۔

آپ ہی کا کہنا ہے۔ اگر تم صاحب کرامت شخص کو دیکھو کہ وہ ہوا میں اڑ رہا ہے تو اس سے

دھوکہ نہ کھاؤ جب تک کہ اسے اداء شریعت، حفاظتِ حدود اللہ، اور امر و نہی میں صحیح نہ پاؤ۔

سلیمان عبد الرحمٰن بن عطیہ دارانی فرماتے ہیں ـــــ بسا اوقات میرے دل میں لوگوں کے کچھ نکات ولطائف آتے تو میں اپنے دل کی بات اس وقت تک نہیں مانتا جبتک کہ دو عادل گواہان کتاب وسنت کی ان نکات کے بارے میں میرے دل کو گواہی نہ مل جاتی۔

ابو الحسن احمد بن ابی حواری فرماتے ہیں ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے جو عمل خالی ہو وہ باطل ہے۔

ابو حفص عمر بن سلمہ حداد فرماتے ہیں ـــــ جو شخص کتاب وسنت کے میزان میں اپنا فعل نہ تولے اسے دیوان رجال میں نہ شمار کرو۔

ابو القاسم جنید محمد فرماتے ہیں ـــــ جو شخص قرآن حکیم حفظ نہ رکھے، حدیث رسول نہ لکھے اس کی اس معاملے میں اقتدار نہ کی جائے گی کیوں کہ ہمارا علم کتاب وسنت کے ساتھ وابستہ ہے۔

اور فرمایا ـــــ ہمارے اس مشرب کا اصول کتاب وسنت سے وابستگی ہے اور ہمارے اس علم کو حدیث رسول سے استحکام حاصل ہے۔

ابو عثمان سعید بن اسمٰعیل جبری فرماتے ہیں ـــــ جب ابو عثمان کا حال دگرگوں ہوگیا تو ان کے فرزند ابوبکر نے اپنا کرتہ پھاڑ ڈالا۔ ابو عثمان نے اپنی آنکھیں کھولیں اور کہا بیٹے! ظاہر میں بھی سنت کی اتباع باطن کے کمال کی علامت ہے۔

اور فرمایا ـــــ حسن ادب اور احساس ہیبت کے ساتھ اللہ کا تصور کرنا چاہیئے۔ اتباع سنت اور التزام ظاہر علم کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں رہنا چاہیئے۔ احترام و خدمت کے ساتھ اولیاء اللہ کی صحبت میں رہنا چاہیئے۔ حسن اخلاق کے ساتھ اہل و عیال میں رہنا چاہیئے۔ خندہ پیشانی سے بھائیوں کے ساتھ پیش آنا چاہیئے۔ دعاء ورحم دلی سے جاہلوں کے ساتھ معاملہ رکھنا چاہیئے۔

اور فرمایا ـــــ جس نے قول وفعل میں سنت رسول کو اپنے اوپر حادی کیا وہ حکمت کی باتیں کرے گا۔ اور جو شخص قول وفعل میں خواہش نفس کو اپنے اوپر مسلط کرے گا وہ بدعت کی باتیں کرے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَاِنۡ تُطِيۡعُوۡهُ تَهۡتَدُوۡا (الآیۃ) اگر تم اس کی اطاعت کروگے

تو ہدایت پاؤ گے۔

ابوالحسن بن احمد بن محمد نووی نے فرمایا ــــ جو شخص علم شریعت کی حد سے نکلتے ہوئے یہ دعویٰ کرے کہ وہ اللہ کے ساتھ ہے اس کے قریب نہ جاؤ۔

ابوالفوارس شاہ بن شجاع کرمانی فرماتے ہیں ــــ جو شخص محارم سے نگاہ نیچی رکھے شہوتوں سے اپنے آپ کو روکے۔ اپنے باطن کو مراقبہ سے اور ظاہر کو اتباع سنت رسول سے آباد رکھے۔ اپنے آپ کو اکل حلال کا عادی بنائے۔ اس کی فہم و فراست اسے خطاء و لغزش سے محفوظ رکھے گی۔

ابوالعباس احمد بن محمد بن سہل بن عطاء ادمی فرماتے ہیں جو شخص آداب شریعت کا التزام کرے اللہ اس کے دل کو نور معرفت سے روشن کر دیتا ہے۔ اور اوامر و افعال و اخلاق میں اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا مقام دیا جاتا ہے۔

ابو حمزہ بغدادی بزاز فرماتے ہیں ــــ جو شخص راہ حق جان لے اس کے لئے اللہ اس پر چلنا آسان کر دیتا ہے۔ اور اللہ کی راہ پر چلنے کے لئے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اقوال و احوال سے رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

ابو اسحٰق ابراہیم بن داود رقی فرماتے ہیں ــــ اللہ کی اطاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہی اللہ کی محبت کی علامت ہے۔

ممشاد دینوری فرماتے ہیں ــــ اپنے نفس پر اتباع شریعت، اسباب سے بے نیازی بھائیوں کی خدمت اور مشائخ کے احترام کی مریدوں کو نصیحت کرو۔

ابو محمد عبداللہ بن منازل فرماتے ہیں ــــ جو شخص اللہ کے کسی فریضہ کو ضائع کرتا ہے۔ اسے اللہ سنتوں کی اضاعت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور جو شخص سنتیں ضائع کرتا ہے اسے اللہ جلدی بدعات میں مبتلا کر دیتا ہے۔

حقیقت اشاعرہ

بہت سے مسلمان مذہب اشاعرہ سے ناواقف ہیں۔ نہ وہ اشاعرہ کے بارے میں کچھ جانتے ہیں نہ ان کے امور عقیدہ اور ان کے مسلک سے کوئی واقفیت رکھتے ہیں۔ کچھ لوگ بے احتیاطی وبے باکی کے ساتھ ان کی طرف الحاد فی صفات اللہ یا گمراہی کا الزام لگاتے ہیں اور انہیں دین سے خارج سمجھتے ہیں۔

مذہب اشاعرہ سے اس ناواقفیت کے سبب اہل سنت کی وحدت واجتماعیت پارہ پارہ ہوئی۔ اور کچھ لوگ اشاعرہ کو ایک گمراہ فرقہ سمجھنے لگے۔

مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ اہل ایمان اور اہل ضلال کے درمیان موازنہ کا یہ کیسا معیار ہے؟ اور اہل سنت و غالی معتزلہ جو جہمیہ ہیں انہیں کس طرح ایک جیسا سمجھ لیا جاتا ہے؟

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ۔ (قلم - ۳۵-۳۶)

کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کی طرح کردیں۔ تمہیں کیا ہوا کیسا حکم لگاتے ہو۔

اشاعرہ:۔ ہدایت کے وہ بلند مینار مسلم علماء ہیں جن کا علم مشرق و مغرب میں پھیلا اور چھایا ہوا ہے۔ ان کے دین و دیانت اور علم و فضل پر جمہور کا اتفاق ہے۔ وہ اہل سنت کے ایسے عظیم علماء اور جلیل القدر فضلاء ہیں جنہوں نے معتزلہ کے طغیان و سرکشی کے دور میں اپنے آپ کو ہدایت و صواب کی راہ پر گامزن رکھا اور لوگوں کی رہنمائی کی۔

انہیں اشاعرہ کے بارے میں شیخ ابن تیمیہ کہتے ہیں۔ والعلماء انصار علوم الدین و الاشاعرة انصار اصول الدین۔ (الجزء الرابع من الفتاویٰ)

علماء انصار علوم دین اور اشاعرہ انصار اصول دین ہیں۔

جلیل القدر ائمہ دین میں سے مفسرین و محدثین و فقہاء کی ایک بڑی جماعت اشعری المذہب ہے۔

شیخ الاسلام وشیخ المحدثین صاحب فتح الباری علیٰ شرح البخاری احمد بن حجر العسقلانی ــــ اشعری المذہب ہیں۔

شیخ علماء اہل السنۃ صاحب تصانیف کثیرہ وصاحب شرح صحیح مسلم الامام النووی ــــ اشعری المذہب ہیں۔

شیخ المفسرین صاحب تفسیر الجامع لاحکام القرآن الامام القرطبی ــــ اشعری المذہب ہیں۔

شیخ الاسلام صاحب کتاب الزواجر عن اقتراف الکبائر ابن حجر الہیتمی ــــ اشعری المذہب ہیں۔

شیخ الحدیث والفقہ الامام الحجۃ الثبت زکریا الانصاری ــــ اشعری المذہب ہیں۔

امام ابوبکر باقلانی، امام قسطلانی، امام نسفی، امام شربینی، ابوحیان توحیدی صاحب تفسیر البحر المحیط، امام ابن جزی صاحب التسہیل فی علوم القرآن الخ ــــ یہ سب کے سب اشعری المذہب ہیں۔

اگر ہم ائمہ اشاعرہ میں سے مفسرین ومحدثین وفقہاء کا نام شمار کرنے لگیں تو بڑی مشکل پیش آجائے۔ اور شرق وغرب کو اپنے علم وفضل سے بھر دینے والے ان جلیل القدر علماء کے بیان کے لئے کئی جلد کتابیں لکھنی پڑ جائیں۔

ہمیں ان مقدس شخصیات کی تعریف وتحسین کرنی چاہیے۔ اور ان اصحاب علم وفضل کی قدر ومنزلت کرتے ہوئے ان کا احسان ماننا چاہیے کہ ان علماء اعلام نے شریعۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبردست خدمت کی۔

ان علماء اعلام اور اپنے سلف صالحین پر زیغ وضلال کا حکم لگا کر کس خیر کی امید کی جا سکتی ہے؟ راہ اسلام سے انحراف کا اگر ہم ان کے بارے میں خیال اور رائے رکھیں گے تو پھر ان کے علوم سے استفادہ کے دروازے رب کائنات ہمارے لئے کس طرح اور کیوں کھولے گا؟

اب سنیے میری بات! کیا عہد حاضر کے محققین وعباقرہ وہ خدمت سنت نبویہ انجام دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں جو یہ دو جلیل القدر ائمہ، شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی اور امام نووی

تغمدھما اللہ بالرحمۃ والرضوان انجام دے چکے ہیں۔

اگر نہیں تو پھر انہیں اور دیگر سبھی اشاعرہ پر گمراہی کا الزام کیوں لگایا جاتا ہے؟ جب کہ ہم ان کے علوم کے محتاج ہیں۔

اگر یہ گمراہی پر ہوں تو ان کے علوم سے ہم کیسے حصہ پاسکیں گے؟ اور امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ یہ علم دین ہے۔ اس لئے دیکھو کہ دین کس سے حاصل کر رہے ہو۔

مخالفین کے لئے کیا اتنا کہنا کافی نہیں تھا کہ اشاعرہ پر اللہ کی رحمت ہو۔ انہوں نے اجتہاد کیا اور تاویل صفات میں ان سے خطا ہوگئی۔ ان کے لئے بہتر ہوتا کہ وہ یہ راہ نہ اختیار کرتے۔

اس کی بجائے ان پر حکم زیغ و ضلال لگایا جاتا ہے اور جو مسلمان انہیں اہل سنت و جماعت میں شمار کرتے ہیں ان پر غضب ناکی کا اظہار کیا جاتا ہے۔

امام نووی، عسقلانی، قرطبی، باقلانی، فخرالدین رازی، ہیثمی، زکریا انصاری جیسے چوٹی کے علماء و ماہرین اسلام اگر اہل سنت و جماعت نہیں ہیں تو پھر کون لوگ اہل سنت و جماعت ہیں؟

بکمال اخلاص نیت کے ساتھ میدان دعوت اسلام کے بھی دعاۃ و مبلغین سے کہوں گا کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بالخصوص جلیل القدر علماء و فقہاء کے بارے میں اللہ سے ڈریں۔ کیوں کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں قیام قیامت تک خیر ہی خیر ہے۔ اور جب ہم اپنے علماء کے علم و فضل اور ان کی قدر و منزلت نہیں پہچانیں گے تو ہمارے اندر کیا خیر ہوگا؟

بعض حقائق پر غیر ضروری بحثیں

اعتقادی مسائل کے بہت سے حقائق پر علماء کے درمیان ایسی بحث چلتی رہتی ہے جس کا اللہ نے ہمیں مکلف نہیں بنایا۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس بحث سے ان حقائق کا جمال وجلال ختم ہو جاتا ہے۔

ایسے مباحث میں سے ایک یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا دیدار کس طرح کیا؟ اس سلسلے میں علماء کے درمیان لمبی چوڑی بحث جاری ہے۔ کچھ یہ کہتے ہیں کہ قلب سے دیدارِ الہٰی ہوا۔ بیشتر علماء کا کہنا ہے کہ آنکھ سے یہ دیدار ہوا۔ ہر ایک کی اپنی دلیل ہے اور وہ اس کی حمایت میں ہے۔

میرا خیال ہے کہ یہ بحث فضول وبے فائدہ ہے۔ بلکہ اس کا نقصان نفع سے زیادہ ہے۔ خاص طور پر جب عوام کے کانوں تک یہ بحث پہونچے تو لازماً ان کے دل میں شکوک وشبہات پیدا ہوں گے۔

اگر ہم اس بحث کو ختم کر کے صرف اتنی ہی حقیقت بیان کریں جتنی وارد ومذکور ہے تو دلوں میں اس کی عظمت باقی رہے گی۔ ہم صرف اتنا کہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ اتنی حقیقت بیان کر کے باقی چھوڑ دیں۔

موسیٰ سے اللہ کا کلام:۔ اللہ کے کلام کی حقیقت پر بھی علماء کے درمیان کافی بحث چلتی ہے۔ اکثر علماء کہتے ہیں کہ اللہ کا کلام، کلام نفسی ہے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ اللہ کا کلام حرف وصوت کے ساتھ ہے۔

بحث کے یہ دونوں رُخ اللہ تبارک وتعالیٰ کی تنزیہہ اور ہر شرک سے اس کی ذات وصفات کو پاک وصاف سمجھنے کے طالب ہیں۔

مسئلہ کلام ایک حقیقت ثابتہ ہے جس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ کیوں کہ یہ انکار کمالِ الٰہی کے منافی ہے۔ یہ ایک پہلو ہوا۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اللہ کی وہ صفات جو قرآن میں وارد ہیں ان کا اثبات اور ان پر ایمان لانا فرض ہے۔ کیوں کہ اپنی حقیقت کی معرفت صرف اللہ کو ہے۔

میری رائے اور میری دعوت یہ ہے کہ اس حقیقت کی شکل و کیفیت میں غور و خوض کئے بغیر اس کا اثبات کیا جائے کہ اللہ کے لئے کلام ثابت ہے۔ یہ کلام الٰہی ہے۔ اللہ متکلم ہے۔

اس کے بعد غیر ضروری بحث کہ وہ کلام نفسی ہے یا غیر نفسی۔ حرف و صوت کے ساتھ ہے یا بغیر حرف و صوت کے۔ یہ ایسی بحث ہے جس پر کوئی کلام خود دعوتِ توحید دینے والے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا۔ تو اس پر کچھ کلام اور اضافہ کی کیا ضرورت ہے؟ کیا یہ نیا طریقہ نہیں ہے؟

کیا اس موضوع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے اس دن کلام فرمائیں گے جب ہم آپ کے ساتھ دربارِ الٰہی میں حاضر ہوں گے؟

ہم اس حقیقت کلام اور ایسے دوسرے حقائق پر جب گفتگو کریں تو ہمیں اس کی شکل و صورت اور کیفیت کی تفصیلات سے دور رہ کر بات کرنی چاہئے۔

پیچھے سے بھی دیکھنے کا بیان:- علماء کے درمیان ایک بحث اس موضوع پر بھی چلتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد انی اراکم من خلفی کما اراکم من امامی میں تمہیں اپنے پیچھے سے اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح اپنے آگے سے تمہیں دیکھتا ہوں۔

اس کی حقیقت کیا ہے؟ کچھ علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو آنکھیں پیچھے بھی بنائی ہیں۔ کچھ علماء کہتے ہیں کہ اللہ نے اپنے نبی کے آگے کی دونوں آنکھوں میں ایسی تیز روشنی دی کہ وہ پیچھے کی چیز بھی دیکھ لیتی ہے۔ کچھ علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے لئے اس کے پیچھے کی چیزیں آگے کی طرف کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی صورت آپ کی دونوں آنکھوں کے سامنے ہو جاتی ہے۔

یہ بھی غیر ضروری بحث ہے۔ اس سے اس کی حقیقت کی رونق و جمال ختم ہو جاتا ہے اور دلوں میں اس کی ہیبت کم ہو جاتی ہے۔

رہ گئی یہ بات کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیچھے کی طرف سے بھی اسی طرح دیکھتے ہیں جس طرح آگے کی طرف سے مشاہدہ فرماتے ہیں۔ تو یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے۔ اس سلسلے میں خود آپ سے صحیح حدیث مروی ہے اس لئے اس سے انکار کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔

لیکن میں جو کہنا چاہتا ہوں وہ صرف یہ ہے کہ حقیقت جس طرح مروی ہے اسے اسی طرح رہنے دیا جائے۔ ہم صرف یہ اعتقاد رکھیں کہ آپ کے لئے ایسا ہونا عملاً ممکن ہے۔ اور یہ ان خوارق میں سے ہے جہاں اسباب دم توڑنے لگتے ہیں۔ ہم یہ سمجھیں کہ رب قادر وقیوم کی قدرت کی جلوہ گری اور نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف کا ظہور ہے۔

جبریل امین بشکل انسان: علماء کے درمیان ایک اختلاف اس موضوع پر ہے کہ جبریل علیہ السلام جیسا عظیم الخلقت فرشتہ وحی لے کر انسان کی شکل میں کس طرح آتا تھا؟ کچھ علماء یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے نورانی جسم کا زائد حصہ ختم کر دیتا تھا۔ اور کچھ علماء کی رائے ہے کہ ان کے اجزاء ایک دوسرے میں ضم ہو کر چھوٹے ہو جاتے تھے۔

میرا خیال ہے کہ یہ بحث غیر ضروری اور بے فائدہ ہے۔ ہمارا اعتقاد بس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جبریل امین کو آدمی کی شکل میں بنانے اور بھیجنے پر قادر ہے اور ایسا عملاً ہو چکا ہے۔ بہت سے صحابہ کرام نے اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ہمیں یہ جاننا کوئی ضروری نہیں کہ فرشتہ کس طرح انسان کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

اہل علم کو غیر ضروری تفصیلات کی بجائے صرف مذکورہ حقیقت پیش کر دینی چاہئے اور اختلافی بحث میں نہیں پڑنا چاہئے تاکہ دلوں میں اس کا وقار باقی رہے۔

مفہومِ توسّل

بہت سے لوگ حقیقتِ توسل کے سلسلے میں غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ اس لئے ہم توسل صحیح کے مفہوم پر اپنا نقطۂ نظر واضح کر رہے ہیں اور اس سے پہلے یہ چند حقائق بیان کئے جا رہے ہیں۔

۱۔ توسل در اصل باب رحمت الٰہی پر دستک دینے اور اللہ کی بارگاہ میں دعا کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ مقصود حقیقی اللہ سبحٰنہ و تعالیٰ ہے اور جس کو وسیلہ بنایا جا رہا ہے وہ تقرب الٰہی کا ایک وسیلہ اور واسطہ ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اعتقاد رکھنا شرک ہے۔

۲۔ توسل کرنے والا اپنے اس واسطہ کو محض بر بنائے محبت اختیار کرتا ہے۔ اور یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس واسطہ سے محبت ہے۔ اور اس کا وسیلہ اسے محبوب ہے۔ اور اگر اس توسل کرنے والے کی نظر میں یہ ربطِ محبت نہ ہو تو وہ اس واسطہ سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں رکھ سکتا۔

۳۔ اگر توسل کرنے والا یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ کی بارگاہ میں وہ جس شخصیت کو وسیلہ بنا رہا ہے اس کے اندر بذاتِ خود نفع و ضرر کی قدرت ہے یا اس طرح کا کوئی اعتقاد ہو تو یہ شرک ہے۔

۴۔ توسل کوئی لازم یا ضروری چیز نہیں ہے۔ اور مقبولیتِ دعا اسی پر موقوف نہیں ہے۔ بلکہ اصل یہ ہے کہ مطلقاً اللہ سے دعا کی جائے۔ جیسا کہ اس کا ارشاد ہے۔

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ۔ (بقرہ - ۱۸۶)

اور جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی (اسرا - ۱۱۰)

تم فرماؤ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر جو کہہ کر پکارو سب اسی کے اچھے نام ہیں۔

متفق علیہ توسل

اللہ کی بارگاہ میں اعمال صالحہ سے توسل کے جواز و استحباب کے

بارے میں کسی مسلمان کا اختلاف نہیں۔ جو شخص بھی نماز پڑھتا ہے یا روزے رکھتا ہے یا تلاوت قرآن کرتا ہے یا صدقہ و خیرات کرتا ہے۔ وہ اپنے صوم و صلوٰۃ و تلاوت و صدقہ کو وسیلہ بناتا ہے۔ بلکہ یہ توسل حصول مقصود اور مقبولیتِ دعا کے لئے اتنا موثر اور زیادہ قابل اعتماد ہے کہ اس میں کسی کا کوئی اختلاف ہی نہیں۔

اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں تین افراد کا یہ واقعہ مذکور ہے۔

تین آدمی غار کے اندر رہتے۔ اوپر سے غار بند ہوگیا۔ اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے ایک نے والدین کے ساتھ اپنے حسن سلوک اور نیکی کو وسیلہ بنایا۔

دوسرے شخص نے بدکرداری پر قدرت رکھنے کے باوجود اس سے دور رہنے کو اپنا وسیلہ بنایا۔

لہ حضرت مولانا ضیاء الدین احمد قادری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۹۸۱ء مدفون جنۃ البقیع مدینہ منورہ) سے ایک نجدی قاضی نے مسئلہ توسل پر بحث کی اور سوال کیا کہ جواز توسل پر آپ کے پاس کوئی دلیل ہو تو پیش کیجئے۔

قطب مدینہ حضرت مہاجر مدنی، جو ایک متبحر عالم، عارف باللہ، متبع سنت اور عاشق رسول بھی تھے۔ مدینہ میں مرنے کی تمنا لئے بہتر سال تک گنبد خضرا کی چھاؤں میں باب مجیدی نزد مسجد نبوی مدینہ طیبہ کے اندر عشق و ایمان کی محفل سجاتے رہے اور سو سال سے زائد عمر پاکر خاک مدینہ کی آغوش میں ہمیشہ کے لئے محو استراحت ہو گئے۔ انہوں نے جواز توسل کی یہ قرآنی دلیل پیش کی۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ۔ الآیۃ۔

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔

نجدی قاضی نے کہا۔ اس میں اعمال صالحہ کا وسیلہ مراد ہے۔

حضرت مدنی نے برجستہ سوال فرمایا۔ ہمارے اعمال مقبول ہیں یا مردود؟ یہ سوال سن کر وہ مبہوت ہوگیا اور کہنے لگا کہ اعمال مقبول بھی ہو سکتے ہیں مردود بھی اس لئے یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

حضرت مدنی نے پھر سوال فرمایا۔ اللہ کے رسول حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہیں یا نہیں؟

اس نجدی قاضی نے جواب دیا۔ یقیناً وہ بارگاہ الٰہی میں مقبول ہیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔ اعمال صالحہ جن کی مقبولیت مشکوک ہے ان کا وسیلہ اس آیت کی روشنی میں جائز ہے تو پھر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ کیوں جائز نہیں جو بارگاہ الٰہی میں یقیناً قطعاً حتماً مقبول ہیں؟

یہ واقعہ میں نے باب مجیدی مدینہ منورہ میں حضرت مدنی کے صاحبزادہ محترم حضرت مولانا فضل الرحمٰن قادری مدنی سے ۱۹۸۳ء میں خود سنا ہے۔ یٰس اختر مصباحی۔

تیسرے نے اپنی امانت و دیانت کو وسیلہ بنایا۔

اور رب کائنات نے ان کی یہ مشکل آسان فرمادی۔ (صحیح بخاری)

اس توسل کو شیخ ابن تیمیہ نے اپنی کتب بالخصوص قاعدۃ جلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ میں دلائل اور تحقیق و تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اختلاف کی بنیاد:۔ اختلاف کی بنیاد یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ توسل کرنے والا اپنے عمل کے علاوہ کسی اور سے توسل کرسکتا ہے یا نہیں؟

مثلاً ذوات و شخصیات کو وسیلہ بنا کر یہ کہنا۔ اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا رہا ہوں۔ یا ابوبکر صدیق یا عمر فاروق یا عثمان غنی یا علی مرتضیٰ کو وسیلہ بنا رہا ہوں۔

کچھ لوگ اس وسیلہ کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔

مخالفین کا یہ اختلاف جوہری نہیں بلکہ محض صورۃً ہے۔ اس لئے کہ ذات کا توسل درحقیقت اس کے اپنے عمل کا توسل ہے۔ اور عمل کے توسل پر سب کا اتفاق ہے۔

اگر مانعین توسل دقتِ نظر اور بصیرت کے ساتھ مسئلہ توسل پر غور کریں تو ان کو اصل حقیقت اچھی طرح سمجھ میں آجائے گی۔ ان کا اشکال رفع ہوجائے گا۔ اور مسلمانوں پر شرک و گمراہی کا حکم لگانے والا فتنہ ختم ہوجائے گا۔

میں ابھی بیان کردوں گا کہ دوسروں سے توسل کرنے والا شخص درحقیقت اپنے ہی عمل سے توسل کررہا ہے اور وہ عمل خود اس کا اکتسابی ہے۔

غور کیجئے! جو شخص دوسرے شخص سے توسل کررہا ہے اس کے یہ وجوہ ہوسکتے ہیں۔

توسل کرنے والے شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ جس شخص کو وسیلہ بنا رہا ہے وہ اس کے حسن ظن کے مطابق نیک ہے، ولی ہے، صاحب فضل و شرف ہے۔

یا توسل کرنے والے شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ جس شخص کو وسیلہ بنا رہا ہے اسے اللہ عزوجل سے محبت ہے اور اللہ کی راہ میں شب و روز نیک کام کررہا ہے۔

یا توسل کرنے والے شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ جس شخص کو وسیلہ بنا رہا ہے اسے اللہ کے

یہاں درجۂ محبوبیت حاصل ہے جیساکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ اللہ ان سے محبت کرتا ہے وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

یا توسل کرنے والا شخص جس شخص کو وسیلہ بنا رہا ہے اس کے بارے میں مذکورہ تمام امور کا اعتقاد رکھنے والا ہے۔

تدبّر سے کام لیجئے تو معلوم ہو جائے گا کہ توسل کرنے والے شخص کا دل جو اس بات پر مطمئن ہے کہ وہ جسے اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنا رہا ہے وہ اللہ کا محب یا محبوب ہے یا اسے یہ دونوں درجے حاصل ہیں۔ یہ محبت اور ایسا اعتقاد خود توسل کرنے والے شخص کا عمل خیر ہے۔ جو اسی کی طرف منسوب ہے۔ وہ خود اس کا مسئول ہے اور اسے ہی اس کا اجر و ثواب بھی ملے گا۔ گویا توسل کرنے والا شخص بارگاہ الٰہی میں اپنا یہ عریضہ پیش کر رہا ہے۔

اے میرے رب! میں فلاں سے محبت رکھتا ہوں اور میرا اعتقاد ہے کہ وہ تجھ سے محبت رکھتا ہے۔ وہ دل سے تیری طرف متوجہ ہے اور تیری راہ میں روز و شب لگا ہوا ہے۔ اور میرا اعتقاد ہے کہ تو بھی اسے محبوب رکھتا ہے اور اس سے راضی ہے۔ اس لئے میں اپنی اس محبت و اعتقاد کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بنا رہا ہوں کہ تو میری فلاں مراد پوری فرما۔

اکثر توسل کرنے والے اس ترتیب کی اس بنیاد پر اور اس وجہ سے تصریح نہیں کر پاتے کہ وہ جانتے ہیں کہ ان کی دعا اس بارگاہ میں ہو رہی ہے جس پر زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ وہ ہر اشارۂ چشم اور راز قلب سے خوب واقف ہے۔

توسل کے یہ دونوں طریقے اپنی اپنی جگہ درست اور صحیح ہیں۔

اے اللہ! میں تیرے نبی کو وسیلہ بنا رہا ہوں۔ یا اے اللہ! میں تیرے نبی کے ساتھ اپنی محبت کو وسیلہ بنا رہا ہوں۔

اس لئے کہ پہلی شکل میں اس کا توسل اسی لئے ہے کہ وہ نبی کریم پر ایمان رکھتا ہے اور ان سے محبت کرتا ہے۔ اگر یہ ایمان و محبت نہ ہو تو وہ توسل ہی نہ کرے۔

دوسرے انبیاء و اولیاء و صالحین و ابرار کے ساتھ توسل کرنے کی حقیقت کے بارے میں بھی یہی بات کہی جائے گی۔

دلائلِ توسّل

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ ابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ ۔(مائدہ - ۳۵)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈھو۔

تعریف وسیلہ! ہر وہ چیز جسے اللہ نے اپنے تقرب کا سبب اور ضروریات پوری کرنے کا ذریعہ بنایا ہو۔

مدار وسیلہ! اللہ کی بارگاہ میں اس وسیلہ کی کچھ قدر و منزلت ہو۔

آیت کے اندر وسیلہ عام ہے۔ ذوات وشخصیات و اعمال صالحہ دونوں کو شامل ہے۔

انبیاء وصالحین و اولیاء امت سے ان کی حیات میں یا بعد الممات توسل ہو یا شرعی طریقہ پر انجام دئے گئے اعمال صالحہ سے توسل ہو۔ یہ دونوں طریقے نہ صرف جائز بلکہ مامور ومشروع ہیں۔

آئندہ صفحات میں جو احادیث وآثار درج کی جارہی ہیں۔ انہیں دلجمی کے ساتھ پڑھئے تو یہ عموم توسل ظاہر ہو جائے گا اور آپ دیکھ لیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل ہر جگہ اور ہر وقت ثابت ہے۔

تخلیق سے پہلے، ولادت کے بعد، موت کے بعد مدتِ برزخ، یوم نشر وحشر ہر دور اور ہر زمانہ میں آپ سے توسل کیا گیا اور کیا جاتا رہے گا۔

توسل بالنّبی الکریم (صلی اللہ علیہ وسلم)

نبی کریم سے ابو البشر آدم کا توسل: حدیث میں وارد ہے کہ آدم علیہ السلام نے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنایا۔ چنانچہ حاکم نے المستدرک میں لکھا۔

ہم سے ابوسعید عمرو بن محمد بن منصور العدل نے، ان سے ابوالحسن محمد بن اسحٰق بن ابراہیم الحنظلی نے، ان سے ابوالحارث عبداللہ بن مسلم الفہری نے، ان سے اسمٰعیل بن مسلمہ نے حدیث بیان کی۔ ان سے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے، ان سے ان کے دادا نے، ان سے عمر رضی اللہ عنہ نے روایت بیان کی۔ انہوں نے کہا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم. لما اقترف آدم الخطيئة قال يارب، اسألك بحق محمد لما غفرت لى. فقال الله يا آدم وكيف عرفت محمدا ولم اخلقه؟ قال يارب لانك لما خلقتنى بيدك ونفخت فى من روحك رفعت رأسى فرأيت على قوائم العرش مكتوبا لا اله الا الله محمد رسول الله. فعلمت انك لم تضف الى اسمك الا احب الخلق اليك. فقال الله صدقت يا آدم انه لاحب الخلق الى ادعنى بحقه فقد غفرت لك. ولولا محمد ما خلقتك.

اخرجه الحاكم فى المستدرك وصححه ج ٢ ص ٦٥١۔ ورواه الحافظ السيوطى فى الخصائص النبوية وصححه۔ ورواه البيهقى فى دلائل النبوة وهولايروى الموضوعات كما صرح بذلك فى مقدمة كتابه وصححه ايضاً القسطلانى والزرقانى فى المواهب اللدنية ج ٢ ص ٦٢ والسبكى فى شفاء السقام. قال الحافظ الهيثمى: رواه الطبرانى فى الاوسط وفيه من لم اعرفهم. مجمع الزوائد ج ٨ ص ٢٥٣۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جب آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی تو عرض کیا اے رب! میں بحق محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تجھ سے اپنی مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔ اللہ نے ارشاد فرمایا۔ اے آدم! تم نے محمد کو کیسے پہچانا؟ انہیں تو میں نے پیدا بھی نہیں کیا ہے۔

آدم نے عرض کیا۔ اے رب! میں نے اس طرح پہچانا کہ جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور میرے اندر روح پھونکی تو میں نے سر اٹھایا اور عرش کے ستونوں پر یہ لکھا دیکھا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ بس میں سمجھ گیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اپنے سب سے محبوب بندے

کا ہی نام منسلک کر رکھا ہے۔

اللہ نے ارشاد فرمایا اے آدم تو نے سچ کہا۔ وہ میرے سب سے محبوب بندے ہیں۔ بحق محمد مجھ سے دعا کرو تمہیں بخشش دیا جائے گا۔ اگر محمد نہ ہوتے تو میں تمہیں نہ پیدا کرتا۔

ابن عباس سے مروی دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

فلولا محمد ما خلقت ادم ولا الجنة ولا النار۔

رواه الحاكم فى المستدرك ج ۲ ص ۶۱۵ وقال صحيح الاسناد۔ وصححه شيخ الاسلام البلقينى فى فتاواه۔ ورواه ايضا الشيخ ابن الجوزى فى الوفا فى اول كتابه۔ ونقله ابن كثير فى البداية ج ۱ ص ۱۸۰)

اگر محمد نہ ہوتے تو میں نہ آدم کو اور نہ ہی جنت و دوزخ کو پیدا فرماتا۔

بعض علماء نے اس سلسلے میں اختلاف کیا ہے۔ درجۂ حدیث پر کلام کر کے اسے ناقابلِ قبول اور موضوع قرار دیا ہے۔ ایسے علماء میں حافظ ذہبی وغیرہ ہیں۔ بعض نے اسے ضعیف حدیث قرار دیا ہے۔ بعض نے اس پر نکارت کا حکم لگایا ہے۔ ان باتوں سے ظاہر یہ ہے کہ علماء کی رائیں مختلف ہیں کسی ایک حکم پر اتفاق نہیں۔ درجۂ حدیث میں اس اختلاف کی وجہ سے اس مسئلہ کے اثبات ونفی، ردو قبول اور توقف پر بحث چلتی رہتی ہے۔

لیکن یہ بات سند اور ثبوت حدیث کے اعتبار سے ہے۔ رہ گئی بات اس کے مفہوم و معنی کی تو یہاں شیخ ابن تیمیہ کی باتیں آپ سن لیجیے۔

شیخ ابن تیمیہ کا موقف

اس موضوع پر شیخ ابن تیمیہ نے ان دو حدیثوں کی روایت بیان کر کے ان سے استشہاد کیا ہے۔ انہوں نے کہا۔

ابو الفرج ابن الجوزی نے میسرہ تک اپنی سند کی روایت بیان کی۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ آپ کب نبی ہوئے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

لما خلق الله الارض واستوىٰ الى السماء فسواهن سبع سمٰوات۔ وخلق العرش

كتب على ساق العرش محمد رسول الله خاتم الانبياء. وخلق الله الجنة التى اسكنها آدم وحوا. فكتب اسمى على الابواب والاوراق والقباب والخيام وآدم بين الروح والجسد. فلما احياه الله تعالىٰ نظر الى العرش فرأى اسمى فاخبره الله انه سيد ولدك. فلما غرهما الشيطٰن تابا واستشفعا باسمى اليه۔

اللہ نے جب زمین کو پیدا فرمایا اور آسمان کا قصد فرمایا تو اسے برابر برابر سات آسمان بنائے اور عرش پیدا فرمایا۔ ساق عرش پر اس نے لکھا محمد رسول اللہ خاتم الانبیاء۔ اور اللہ نے وہ جنت پیدا فرمائی جس میں آدم و حوا کو رکھا تو میرا نام اس کے دروازوں، پتوں، قبوں اور خیموں پر لکھا۔ اس وقت آدم، روح و جسم کے درمیان تھے۔ اللہ نے جب ان کے اندر روح ڈالی تو انہوں نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو میرا نام دیکھا۔ پھر اللہ نے انہیں بتلادیا کہ یہ تیری اولاد کے سردار ہیں۔ اس کے بعد جب شیطان نے دونوں کو لغزش میں ڈال دیا تو ان دونوں نے توبہ کیا اور اللہ کے دربار میں میرا نام لے کر اپنی بخشش کی دعا کی۔

اور ابونعیم الحافظ نے دلائل النبوۃ میں روایت بیان کی۔ بطریق شیخ ابوالفرج ہم سے سلیمان بن احمد نے، ان سے احمد بن رشید نے، ان سے احمد بن سعید الفہری نے، ان سے عبداللہ بن اسمٰعیل المدنی نے، ان سے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے، ان سے ان کے باپ نے ان سے عمر بن خطاب نے حدیث بیان کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لما اصاب آدم الخطيئة رفع رأسه فقال. يارب. بحق محمد الاغفرت لى. فاوحىٰ اليه وما محمد ومن محمد؟ فقال يارب انك لما اتممت خلقى رفعت رأسى الى عرشك فاذا عليه مكتوب لا اله الا الله محمد رسول الله فعلمت انه اكرم خلقك عليك اذ قرنت اسمه مع اسمك. فقال نعم. قد غفرت لك وهو آخر الانبياء من ذريتك ولولاه ما خلقتك۔

جب آدم علیہ السلام سے لغزش سرزد ہوئی انہوں نے اپنا سر اٹھایا اور کہا اے رب! بحق محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میری مغفرت فرما۔ تو ان سے پوچھا گیا کون محمد؟ کیسے محمد؟

آدم نے عرض کیا۔ اے رب! جب تو نے میری مکمل تخلیق فرمائی تو میں نے اپنا سر عرش کی

طرف اٹھایا۔ اور اس پر میں نے یہ لکھا پایا۔ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

بس میں نے جان لیا کہ وہ تیرے سب سے اچھے اور صاحب شرف بندے ہیں اسی لیے تو نے ان کا نام اپنے نام کے ساتھ ملا رکھا ہے۔ رب نے فرمایا ہاں! میں نے تجھے بخش دیا۔ وہ تیری نسل میں سب سے آخری نبی ہیں۔ اور اگر وہ نہ ہوتے تو میں تمہیں نہ پیدا کرتا۔

یہ حدیث پہلی حدیث کی تائید کرتی ہے۔ اور یہ دونوں حدیثیں احادیث صحیحہ کی تشریح کی طرح ہیں۔

من الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۵۰ للشیخ ابن تیمیہ۔

میں کہتا ہوں کہ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث مذکور شیخ ابن تیمیہ کے نزدیک لائق اعتبار و استشہاد ہے۔ کیوں کہ حدیث موضوع یا باطل محدثین کے نزدیک قابل استشہاد نہیں۔ اور یہاں آپ دیکھ رہے ہیں کہ شیخ ابن تیمیہ نے حدیث مذکور سے تشریح پر استشہاد کیا ہے۔

شیخ ابن تیمیہ نے توازن کے ساتھ اس مسئلہ پر بہت عمدہ کلام کیا ہے۔ انہوں نے اس وقت کے اپنے علم کے مطابق اس معنی کی کسی حدیث نبوی کے وجود کا اگرچہ انکار کیا ہے مگر پھر پلٹ کر معنی کی تائید کی اور اس کی معقول توضیح و تشریح کی۔ اور اس میں ثابت کیا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وجہ وجود عالم و آدم و باعث تخلیق زمین و آسمان کہنا صحیح ہے۔

شیخ ابن تیمیہ کے اس قول میں ان لوگوں کا رد بلیغ ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ایسا کہنا شرک یا کفر ہے یا یہ معنی فاسد و باطل ہے۔ یا اس سے مقام توحید و تنزیہہ پر کچھ حرف آتا ہے۔ ایسا گمان کرنے والوں کا گمان محض ہوا و ہوس، اندھا پن، کج فہمی اور کوتاہ عقلی ہے۔

اللہ ہماری بصیرت کو روشن کرے۔ ہمیں حق و صواب پر چلائے وھو الھادی الی سواء السبیل۔

شیخ ابن تیمیہ نے فتاویٰ ج ۱۱ ص ۹۶ پر کہا۔

اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سید اولاد آدم اور اللہ کے نزدیک ساری مخلوقات میں سب سے افضل و اکرم ہیں۔

اسی لیے کہنے والوں نے کہا ہے۔ اللہ نے آپ ہی کی وجہ سے عالم کی تخلیق فرمائی۔ یا یہ کہا کہ اگر وہ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ نہ عرش پیدا کرتا نہ کرسی، نہ آسمان نہ زمین، نہ شمس و قمر۔

لیکن یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہے۔ نہ صحیح نہ ضعیف۔ اور محدثین میں سے کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی روایت نہیں نقل کی ہے۔ اور یہ آثار صحابہ میں سے بھی نہیں۔ اس کے کہنے والے کا کچھ پتہ نہیں کہ کس کا یہ کلام ہے۔

البتہ اس کی صحیح توجیہ ممکن ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۔ (جاثیہ - ۱۳)

اللہ نے اپنے حکم سے زمین و آسمان کی ہر چیز کو تمہارے لئے مسخر کیا۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَآتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۔ (ابراھیم ۳۳ - ۳۴)

اور تمہارے لئے کشتی کو مسخر کیا کہ اللہ کے حکم سے دریا میں چلے اور تمہارے لئے ندیاں مسخر کیں۔ اور تمہارے لئے سورج اور چاند مسخر کئے جو برابر چل رہے ہیں۔ اور تمہارے لئے رات اور دن مسخر کئے اور تمہیں بہت کچھ منہ مانگا دیا۔ اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کر سکو۔

اسی طرح کی دوسری آیات جن میں بیان کیا گیا ہے کہ ساری مخلوقات کی تخلیق اولاد آدم کے لئے ہے۔

سب کو معلوم ہے کہ ان مخلوقات کی تخلیق میں اس سے بڑی دوسری عظیم حکمتیں بھی پوشیدہ ہیں۔ لیکن ان کے اندر جو منافع اور نعمتیں ہیں وہ سب بنی آدم کے لئے بیان کی گئیں۔

جب یہ کہا جائے: فلاں کام فلاں وجہ سے ہوا۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں کوئی دوسری حکمت نہیں۔ اسی طرح کہنے والے کا یہ کہنا کہ اگر فلاں نہ ہوتا تو فلاں نہ پیدا کیا جاتا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس میں دوسری بڑی حکمتیں نہیں ہیں۔

بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اولاد آدم میں افضل صالحین ہیں اور آپ کی تخلیق ایسی غایت مطلوبہ اور حکمت بالغہ ہے جو دوسروں سے بڑھ کر ہے تو ساری تخلیقات او نہایت کمال کا حصول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ ہوا۔

فتاوی شیخ ابن تیمیہ

دخولِ جنّت اور فضیلتِ اسم محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا جو خصوصی فضل وکرم ہے اس کی ایک مثال وہ حدیث مبارک ہے جس میں وارد ہے کہ جنت انبیاء کرام پر اس وقت تک حرام ہے جب تک کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس میں داخل نہ ہو جائیں۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جنت انبیاء پر حرام ہے اور امتوں پر حرام ہے جب تک میری امت اس میں داخل نہ ہو جائے۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط وقال الھیثمی اسنادہ حسن۔ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۶۹۔

آپ پر اللہ کے خصوصی فضل کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ آپ کا اسم مبارک محمد ملأ اعلیٰ میں مشہور ومعروف ہے۔

کعب احبار کہتے ہیں۔ آدم علیہ السلام نے شیث علیہ السلام سے ارشاد فرمایا۔ میرے بیٹے! تم میرے بعد میرے خلیفہ ہو تو اسے بنا تقویٰ اور مضبوط سہارا بناؤ۔ اور جب بھی اللہ کو یاد کرو اس کے ساتھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام بھی لو۔ میں نے ان کا نام ساقِ عرش پر لکھا ہوا دیکھا ہے۔ اور اس وقت میں روح و آب و گل کے درمیان تھا۔ پھر میں نے آسمانوں کی سیر کی تو وہاں ہر جگہ نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھا ہوا دیکھا۔ اور مجھے میرے رب نے جنت میں رکھا تو جنت کے ہر محل اور کمرہ پر نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھا ہوا دیکھا۔ حوروں کے گلے پر، جنت کے درختوں کے پتوں پر، شجر طوبیٰ کے پتوں پر، سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں پر۔ پردوں کے کناروں پر، ملائکہ کی آنکھوں کے درمیان نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھا ہوا دیکھا۔ اس لئے انہیں خوب یاد کرو ملائکہ ہر وقت ان کا ذکر کرتے ہیں۔ اھ۔

المواھب اللدنیۃ ج ۱ ص ۱۸۶۔ قال الزرقانی فی شرحہ رواہ ابن عساکر۔

شیخ ابن تیمیہ نے بھی اپنے فتاویٰ میں اسی طرح بیان کیا ہے اور کہا ہے۔

روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر اور جنت کے ابواب وقبوں اور پتوں پر نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھا ہے۔

اس سلسلے میں اور کئی آثار کی روایت ہے جو ان احادیث ثابتہ کے مطابق ہیں جن میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام اور آپ کے ذکر کی رفعت و بلندی کا روشن بیان ہے۔

اور ابن الجوزی نے میسرہ سے روایت نقل کی ہے۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا آپ کب نبی ہوئے؟ آپ نے ارشاد فرمایا لما خلق اللہ الارض واستویٰ الی السماء۔ الخ۔ الفتاوی ج ۲ ص ۱۵۰۔

فتاویٰ شیخ ابن تیمیہ سے منقول یہ پوری حدیث ابھی چند سطور پہلے گزری۔

حدیث توسل آدم کے فوائد اور حاصل بحث

یہ حدیث ابھی بیان کی گئی کہ اس دنیا میں تشریف آوری سے پہلے ہی آدم علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنایا۔ اور یہ بھی بیان کیا جاچکا ہے کہ صحت توسل کا مدار یہ ہے کہ جسے وسیلہ بنایا جارہا ہے اسے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں قدر و منزلت حاصل ہو۔ اور اس توسل میں اس کی کوئی شرط نہیں کہ وہ اس دنیا میں موجود ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ توسل اسی وقت جائز ہے جب وسیلہ بنایا جانے والا شخص اس دنیا میں زندہ ہو۔ ان کی یہ رائے اللہ کی ہدایت سے خالی اور محض اتباع نفس ہے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ بڑے بڑے جلیل القدر علماء وائمہ وحفاظ حدیث مثلاً حاکم وسیوطی وسبکی و بلقینی جو سنت نبوی کے امین اور عالی مرتبت مشہور شخصیات ہیں انہوں نے حدیث توسل آدم کو نقل کیا ہے۔ وصححہ۔

بیہقی جو موضوعات نقل نہیں کرتے اور جن کے بارے میں ذہبی نے کہا ہے کہ علیک بہ فانہ کلہ ھدی ونور۔ اس امام بیہقی نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

کذا فی شرح المواھب وغیرہ۔

* اسے ابن کثیر نے البدایۃ والنھایۃ میں ذکر کیا ہے اور شیخ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں اس سے استشہاد کیا ہے۔

کچھ علماء کا اسے قبول کرنا اور کچھ کا رد کر دینا کوئی ایسی نادر بات نہیں ہے بہت سی احادیث

نبویہ میں اس سے زیادہ اختلاف واقع ہوا ہے اور اس سے زیادہ ان پر نقد و جرح بھی ہے۔

اور اسی اختلاف کی وجہ سے حدیث کے موضوع پر ضخیم کتابیں بھی تالیف کی گئیں۔ جن میں استدلالات و تعقبات و مراجعات و مؤاخذات سب ہیں۔

لیکن کسی حدیث کے درجہ و سند میں اختلاف کے باوجود دائرۂ ایمان سے خارج کرنے اور شرک و کفر و گمراہی کا حکم لگانے کا کام نہیں ہوا۔ اس حدیث کو بھی اسی طرح کی احادیث میں شمار کر لینا چاہیئے۔

توسل یہود بالنبی الکریم (صلی اللہ علیہ وسلم)

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ۔ (بقرۃ - ۸۹)

اور جب ان کے پاس وہ کتاب (قرآن) اللہ کی آئی جو ان کے پاس والی کتاب (توریت) کی تصدیق کرتی ہے۔ اور اس سے پہلے وہ اس نبی (خاتم) کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے۔ تو جب جانا پہچانا نبی ان کے پاس آیا تو اس سے منکر ہو گئے۔ منکروں پر اللہ کی لعنت ہے۔

قرطبی نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہا۔

ولما جاء هم - یعنی یہود - کتاب - یعنی قرآن - من عند الله مصدق - کتاب کی صفت ہے۔ اور غیر قرآن میں بر بنائے حالیت نصب جائز ہے۔ مصحف ابی میں نصب کے ساتھ ہی مروی ہے - لما معهم - یعنی توریت و انجیل - وہ کتاب ان کتابوں کی باتوں سے یہودیوں کو باخبر کرتی - وكانوا من قبل يستفتحون - یعنی نصرت و مدد چاہتے تھے۔ استفتاح، استنصار کو کہتے ہیں استفتحت بمعنی استنصرت ہے۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکین مہاجرین سے استفتاح کرتے تھے۔ یعنی ان کی نماز و دعاء سے مدد چاہتے تھے۔

اور یہ بھی ہے۔ اللہ جلدی فتح دے گا یا اس کے پاس سے کوئی حکم آئے گا۔ نصر کسی بند چیز کو

کھولنا۔ جیسے اہل عرب کا قول ہے فتحت الباب۔ میں نے دروازہ کھولا۔

اور نسائی نے روایت نقل کی ہے۔ ابوسعید خدری سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ انما نصر اللہ هذه الامة بضعفائهم بدعوتهم وصلوتهم واخلاصهم اللہ نے اس امت کی مدد اس کے کمزور لوگوں کے ذریعہ کی ہے۔ ان کی نماز و دعاء اور ان کے اخلاص کی برکت سے۔

نسائی نے یہ بھی روایت نقل کی ہے۔ ابو الدرداء سے روایت ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔

فانکم انما تنصرون وترزقون بضعفائکم۔ تمہارے کمزوروں کے ذریعہ تمہاری نصرت ہوتی ہے اور تمہیں رزق دیا جاتا ہے۔

ابن عباس نے کہا۔ خیبر کے یہودیوں کی قبیلہ غطفان سے جنگ تھی۔ جنگ میں قبیلہ غطفان نے یہودیوں کو شکست دے دی تو یہودیوں نے یہ دعاء کی۔

انا نسألك بحق النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجه لنا فی آخر الزمان ان تنصرنا علیهم۔

جنگ کے وقت اس دعاء توسل کی برکت سے یہودیوں نے قبیلہ غطفان کو شکست دیدی۔ لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو یہودیوں نے کفروانکار کیا اس وقت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا۔ یعنی تم سے اے محمد! الی قولہ فلعنة اللہ علی الکافرین۔ تفسیر القرطبی ج ۲ ص ۲۶ و ص ۲۷

توسل بالنبی درحیات وبعد وصال

عثمان بن حُنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔ ایک نابینا شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور اس نے اپنی بینائی جاتے رہنے کی شکایت کی اور عرض کیا یا رسول اللہ! میری رہبری کرنے والا کوئی نہیں اور مجھے بڑی پریشانی لاحق ہوجاتی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ وضو خانہ جاکر وضو کرو اور دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دعا کرو۔

اللھم انی اسألك واتوجه الیك بنبیك محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمة

یا محمد انی اتوجہ الی ربک فیجلی لی عن بصری - اللھم شفعہ فی وشفعنی فی نفسی ۔

اے اللہ! میں تجھ سے دعا کرتا ہوں۔ اور تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، نبی رحمت کے صدقہ میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں۔

اے محمد! تیرے وسیلہ سے تیرے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوں کہ وہ میری آنکھ روشن کر دے۔

اے اللہ! میرے حق میں ان کی سفارش قبول فرما اور میرے حق میں میری دعا و سفارش قبول فرما۔

عثمان بن حنیف کہتے ہیں واللہ ہم ابھی جدا نہیں ہوئے تھے نہ کوئی لمبی بات ہی ہم نے ابھی کی تھی کہ وہ نابینا شخص ہمارے پاس اس طرح آیا جیسے وہ کبھی نابینا ہی نہیں تھا۔

قال الحاکم ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ۔ وقال الذھبی عن الحدیث انہ صحیح ج ۱ ص ۵۱۹۔ وقال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح غریب لا نعرفہ الامن ھذا الوجہ - من حدیث ابی جعفر وھو غیر الخطمی۔ ذکرہ فی آخر السنن فی ابواب الدعوات۔ قال المنذری و رواہ ایضا النسائی وابن ماجہ وابن خزیمہ فی صحیحہ ۔ کذا فی الترغیب کتاب النوافل باب الترغیب فی صلوٰۃ الحاجۃ ج ۱ ص ۴۳۸۔

یہ توسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ یہ صیغۂ توسل بعض صحابہ کرام نے آپ کے وصال کے بعد بھی استعمال کیا ہے۔

طبرانی نے مذکورہ حدیث کی روایت کی ہے اور اس کے شروع میں ایک واقعہ نقل کیا ہے جو یہ ہے۔

ایک شخص دربار عثمان بن عفان رضی اللہ میں کئی بار آیا گیا لیکن آپ کی اس کی طرف نہ توجہ ہو سکی نہ اس کی ضرورت پوری ہوئی۔ اس شخص نے عثمان بن حنیف سے مل کر اپنا یہ ماجرا سنایا۔

عثمان بن حنیف نے اس سے کہا۔ تم وضو خانہ جا کر وضو کرو پھر مسجد میں دو رکعت نماز پڑھو اس کے بعد یہ دعا کر کے عرض حاجت کرو۔

اللھم انی اسألک واتوجہ الیک بنبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمۃ۔

یا محمد انی اتوجہ بک الی ربک فیقضی حاجتی۔

اس شخص نے اس ہدایت پر عمل کیا۔ پھر دربار عثمان بن عفان میں حاضر ہوا۔ دربان اس کے

قریب آیا اور اس نے ہاتھ پکڑ کر اس شخص کو عثمان بن عفان کے پاس پہنچا دیا۔ آپ نے اسے فرش پر اپنے ساتھ بٹھایا اور پوچھا تمہاری کیا حاجت ہے؟ اس نے اپنی حاجت کا ذکر کیا جسے آپ نے پوری کر دیا اور فرمایا تم نے ابھی اپنی حاجت کا ذکر کیا ہے۔ اب کوئی حاجت پیش آئے تو ہمارے پاس آجانا۔

وہ شخص آپ کے پاس سے نکل کر عثمان بن حُنیف کے پاس آیا اور ان سے مل کر اس نے کہا۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ نہ میری طرف توجہ کی جاتی تھی نہ میری حاجت پوری کی جاتی تھی۔ آپ کی سفارش سے اب کام ہوا۔

عثمان بن حُنیف نے کہا۔ واللہ! میں نے عثمان بن عفان سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا کہ جب ان کے پاس ایک نابینا شخص نے آکر اپنی بینائی جاتے رہنے کی شکایت کی تو آپ نے اس سے ارشاد کیا۔

کیا تم صبر کرو گے؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری رہبری کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ مجھے بڑی پریشانی لاحق ہو جاتی ہے۔ تو نبی کریم نے اس سے فرمایا۔ وضو خانہ جا کر وضو کرو۔ دو رکعت نماز پڑھو پھر یہ دعا کرو۔

عثمان بن حنیف نے کہا۔ واللہ! ہم ابھی نہ جدا ہوئے تھے نہ کوئی لمبی بات ہوئی اتنے میں وہ شخص اس طرح آیا گویا وہ کبھی نابینا نہیں تھا۔

قال المنذری رواہ الطبرانی وقال بعد ذکرہ والحدیث صحیح۔ کذا فی الترغیب ج ا ص ۴۴۰ وکذا فی مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۷۹۔

وقال الشیخ ابن تیمیہ قال الطبرانی روی ھذا الحدیث شعبۃ عن ابی جعفر واسمہ عمر بن یزید وھو ثقۃ تفرد بہ عثمان بن عمر عن شعبۃ ــــ قال ابو عبد اللہ المقدسی والحدیث صحیح۔

قلت قال الشیخ ابن تیمیۃ ذکر تفردہ بمبلغ علمہ۔ ولم تبلغہ روایۃ روح بن عبادہ عن شعبۃ وذلک اسناد صحیح یبین انہ لم ینفرد بہ عثمان بن عمر۔ اہ التوسل والوسیلۃ ص ۱۰۱۔

اس سے ظاہر ہے کہ حافظ طبرانی و حافظ ابو عبد اللہ المقدسی نے اسے حدیث صحیح کہا اور

اس تصحیح کو حافظ منذری و حافظ نور الدین ہیثمی اور شیخ ابن تیمیہ نے نقل کیا۔

حاصل واقعہ یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی اور اس واقعہ کے گواہ عثمان بن حنیف نے خلیفۃ المسلمین عثمان بن عفان کی بارگاہ تک نہ پہنچ سکنے اور اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکنے والے شخص کی شکایت پر اسے یہ دعا سکھائی۔ جس میں وصال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل وندا، واستغاثہ سب ایک ساتھ ہے۔

اور جب اس شخص کا یہ خیال سامنے آیا کہ خلیفۃ المسلمین کے ساتھ عثمان بن حنیف کی کسی گفتگو کے نتیجے میں اس کی ضرورت پوری ہوئی ہے تو عثمان بن حنیف نے قسم کھا کر یہ کہا کہ خلیفہ کے ساتھ ان کی کوئی ایسی گفتگو نہیں ہوئی۔ اور اس کے خیال کی تردید کے لئے وہ واقعہ اس سے بیان کیا جسے انہوں نے خود دیکھا اور سنا تھا تاکہ ثابت اور واضح ہو جائے کہ اس کی ضرورت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل وندا، اور استغاثہ کی برکت سے پوری ہوئی۔

میدانِ محشر میں وسیلۂ رسول

عرصۂ محشر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کے سلسلے میں زیادہ باتیں کرنے کی یہاں ضرورت نہیں محسوس ہو رہی ہے۔ کیوں کہ احادیثِ شفاعت حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اور نصوص صریحہ سے معلوم ہے کہ جب اہل قیامت پر ایک طویل وقت گزر جائے گا اور ان کے مصائب ناقابلِ برداشت ہو جائیں گے تو اپنی مشکل کشائی کے لئے وہ انبیاء و مرسلین سے استغاثہ کریں گے۔ حضرت آدم حضرت نوح حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ کے پاس استغاثہ کرتے ہوئے پہنچیں گے۔ یہ حضرات انہیں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجیں گے۔ وہ آپ کی خدمت میں استغاثہ کے لئے پہنچیں گے تو آپ فوراً ان کی مدد فرمائیں گے اور ارشاد فرمائیں گے انا لها انا لها پھر سجدہ ریز ہو جائیں گے اور اس وقت تک سجدہ سے سر نہیں اٹھائیں گے جب تک انہیں یہ ندا نہ دی جائے گی۔ اپنا سر سجدہ سے اٹھاؤ شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول ہوگی۔

یہ انبیاء و مرسلین اور تمام مومنین کا اجماع ہے اور رب العالمین کی طرف سے اس کی تائید ہے کہ شدائد و مصائب کے وقت مقربین بارگاہ الٰہی سے استغاثہ کرنا حل مشکلات کی سب سے

بڑی کنجی اور رب العلمین کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

مسلک شیخ ابن تیمیہ کے مطابق جواز توسل

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ کی تفسیر و توضیح کرتے ہوئے شیخ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب قاعدة جليلة فى التوسل والوسيلة میں لکھا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ کی طلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور آپ کی اتباع ہی سے ہوتی ہے۔ آپ پر ایمان اور آپ کی اطاعت کا توسل ہر شخص پر ہر ظاہری باطنی حالت میں بحیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبعد ممات، حضور و غیبوبت ہر شکل میں فرض ہے۔ کسی بھی مخلوق پر حجت قائم ہو جانے کے بعد کسی حال میں آپ پر ایمان و اطاعت کے توسل کا فریضہ ساقط نہیں ہوگا اور اس کا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہوگا۔

اللہ کی بارگاہ سے حصول رحمت و کرم اور اس کے عذاب سے نجات کے لئے شفیع الخلائق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل اور آپ کی اطاعت کے سوا کوئی راستہ نہیں۔

صاحب مقام محمود صدر شک اولین و آخرین صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے عظیم القدر اور عالی مرتبت شفیع ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا اور عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے۔ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ۔

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سبھی انبیاء و مرسلین سے جاہ و منزلت میں عظیم تر ہیں۔ لیکن آپ کی دعاء و شفاعت سے وہی نفع و فیض پائے گا جس کے لئے آپ دعاء و شفاعت فرمائیں گے۔ اور جس کے لئے آپ دعاء و شفاعت فرمائیں گے اس کے لئے اپنی اس دعاء و شفاعت کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنائیں گے جس طرح صحابہ کرام آپ کی دعاء و شفاعت کو بارگاہ خداوندی میں وسیلہ بنایا کرتے تھے۔ اور قیامت کے دن سبھی لوگ آپ کی دعاء و شفاعت کو وسیلہ بنائیں گے۔ صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً۔ (قاعدہ جلیلة فی التوسل والوسیلة للشیخ ابن تیمیہ)

شیخ ابن تیمیہ سے ایک استفتاء اور اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

سوال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل جائز ہے یا نہیں؟

جواب: الحمدللہ! آپ پر ایمان لانے، آپ سے محبت رکھنے، آپ کی اتباع کرنے آپ پر درود و سلام بھیجنے اور آپ کی دعا، و شفاعت وغیرہ جو آپ کے افعال اور آپ کے حق میں جائز افعال ہیں ان سب سے توسل کے جواز پر ساری امت کا اجماع ہے۔ الفتاوی الکبریٰ للشیخ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۱۴۰۔

شیخ ابن تیمیہ کے کلام سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع کرنے والے آپ سے محبت رکھنے والے اور آپ کی شفاعت کی تصدیق کرنے والے مسلمان کے لئے آپ کی اطاعت و محبت و تصدیق سے توسل جائز ہے۔

ہم جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کرتے ہیں تو آپ پر ایمان لانے آپ سے محبت رکھنے اور آپ کے فضل و شرف ہی سے توسل کرتے ہیں۔ اور آپ سے توسل کرنے والے کسی مسلمان کا اس کے علاوہ کوئی تصور نہیں ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کبھی اس کی صراحت توسل کے وقت ہوجاتی ہے اور کبھی نہیں ہو پاتی۔ صراحت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ توسل کے مقصود اصلی پر اس کا یہ اعتماد ہوتا ہے کہ یہاں ایمان بالنبی اور محبت رسول ہی سے توسل اس کا اصل مقصود ہے۔

۲۔ جس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے اسے دعا رسول کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنانا صحیح ہے۔ اور یہ واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے دعا فرمائی ہے جس کا ثبوت بہت ساری احادیث نبوی سے ملتا ہے۔ مثلاً

عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہشاش بشاش دیکھ کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ میرے لئے دعا کیجئے۔ تو آپ نے یہ دعا کی۔

اے اللہ! عائشہ کے اگلے پچھلے ظاہری و باطنی گناہ بخش دے۔

تو عائشہ کو ہنسی آئی۔ ان کا سر ہنسی کی وجہ سے گود میں آگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کیا میری دعا سے تمہیں اتنی خوشی ہوئی؟ انہوں نے عرض کیا آپ کی دعا سے کیوں نہ خوشی ہوگی۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ انہا لدعائی لامتی فی کل صلوٰۃ۔ میں ہر نماز کے بعد اپنی امت کے لئے یہ دعا کرتا ہوں۔ رواہ البزاز و رجالہ رجال الصحیح غیر احمد بن منصور

الرمادی وھو ثقۃ۔ کذافی مجمع الزوائد۔

اس لئے ہر مسلمان کے لئے بارگاہِ الٰہی میں دعاء سے توسل جائز وصحیح ہے اور اسے یہ دعا کرنی چاہئے۔

اے اللہ! تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کے لئے دعاء کی ہے اور میں اس امت کا ایک فرد ہوں۔ اس لئے اس دعا کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بنارہا ہوں کہ میری مغفرت فرمادے اور مجھ پر رحم فرما۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس کی یہ دعاء ایسی ہوگی کہ سارے علماء کے درمیان متفق علیہ مسئلہ کے مطابق ہوگی۔ اور جب یہ دعاء جائز ہے تو یہ دعا بھی جائز ہے۔

اے اللہ! میں تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنارہا ہوں کہ تو میری فلاں مراد پوری فرما۔

کیوں کہ وہ صرف اپنے مافی الضمیر اور اپنی نیت کی صراحت نہیں کرسکا۔ ورنہ ہر مسلمان کا واضح مقصد اور ذات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ اسے اپنے رسول سے جو محبت وتعلق ہے۔ آپ کو جو مرتبہ اور جاہ ومنصب حاصل ہے۔ جس عظمت وفضیلت کے آپ حامل ہیں اور اپنی امت کے لئے آپ کی جو دعا وشفاعت ہے ان سب کو وہ بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ بنارہا ہے۔

یہاں ایک خاص نکتہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برزخ میں درود وسلام سماعت فرماتے ہیں اور سلام واستغفار کے ذریعہ اس کا جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

میری حیات وممات دونوں تمہارے لئے بہتر ہیں۔ تم بات کرتے ہو اور تمہارے لئے بات کی جاتی ہے۔ تعرض اعمالکم علی فان وجدت خیرا حمدت اللہ وان وجدت شرا استغفرت اللہ لکم۔ رواہ الحافظ اسمٰعیل القاضی فی جزء الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ وذکرہ الھیثمی فی مجمع الزوائد وصححہ۔

تمہارے اعمال میرے حضور پیش کئے جاتے ہیں۔ اگر میں بھلائی پاتا ہوں تو حمدِ الٰہی بجالاتا ہوں اور برائی دیکھتا ہوں تو تمہارے لئے اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔

اس حدیث سے واضح ہوجاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم برزخ میں اپنی امت کے لئے استغفار

کرتے ہیں۔ اور استغفار دعا ہی ہے جس سے امت کو نفع وفیض پہنچتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مامن احد یسلم علیّ إلا ردّ الله علیّ روحی حتی اردّ السلام۔ رواہ ابوداؤد عن ابی هریرة رضی الله عنه۔ وقال النووی اسناده صحیح۔

جو شخص بھی مجھ پر سلام پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ میری روح (کی توجہ) واپس کر دیتا ہے۔ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

اس حدیث سے واضح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر مسلمان کے سلام کا جواب عنایت فرماتے ہیں۔ اور سلام امان ہے۔ تو مسلمان کے لئے امان کی دعا ہے۔ اور اس مسلمان کو اس سے نفع وفیض پہنچتا ہے۔

امام احمد بن حنبل اور ابن تیمیہ کے نزدیک جوازِ توسل

شیخ ابن تیمیہ نے اپنی کتابوں میں بعض جگہوں پر جواز توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ثابت کیا ہے۔ جس میں آپ کی حیات و ممات اور حضور و غیاب کی کوئی تفریق و تفصیل نہیں ہے۔ الفتاویٰ الکبریٰ میں بھی امام احمد بن حنبل اور عزالدین بن عبد السلام سے جواز توسل نقل کیا ہے۔

شیخ ابن تیمیہ نے کہا۔ اسی طرح دعا میں توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم جائز ہے۔ جیسا کہ ترمذی نے حدیث صحیح کی روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ دعا تعلیم فرمائی۔

اللهم انی اسالك واتوسل الیك بنبیك محمد صلی الله علیه وسلم نبی الرحمة۔ یا محمد انی اتوجه بك الی ربك فیجلی حاجتی لیقضیها فشفعه فیّ۔

تو یہ توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم مستحسن ہے۔ اھ۔ الفتاویٰ ج ۲ ص ۲۷۶ للشیخ ابن تیمیہ

شیخ ابن تیمیہ نے یہ بھی کہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور سے بارگاہِ الٰہی میں توسل خواہ اسے استغاثہ کہا جائے یا نہ کہا جائے اس کے بارے میں ہمیں علم نہیں کہ سلف میں سے کسی نے کیا ہو۔ اس کے متعلق آثار کی بھی روایت نہیں۔ اس سلسلے میں ہمیں صرف یہ معلوم ہے کہ شیخ نے اس کے ممنوع ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔

اور توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سنن کے اندر حدیث موجود ہے۔ نسائی و ترمذی وغیرہما کی روایت ہے کہ ایک اعرابی نے بارگاہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر کہا۔

یا رسول اللہ! میری روشنی ضائع ہوگئی ہے آپ اللہ سے دعا کیجئے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو اور یہ دعا کرو۔

اللھم اسألك و اتوجه اليك بنبيك محمد ۔ يا محمد انی اتشفع بك فی رد بصری اللھم شفع نبيك فی ۔

اور تمہاری جو ضرورت ہو اسے پڑھ کر مانگو۔ اللہ نے اس شخص کی روشنی واپس کردی۔

اس حدیث کی وجہ سے شیخ نے توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ اھ۔

الفتاوی ج ۱ ص ۱۰۵۔

ایک دوسری جگہ شیخ ابن تیمیہ نے یہ بھی کہا۔ اسی لئے امام احمد نے اپنی منسک جسے انہوں نے مروزی کے لئے لکھا ہے اس میں کہا کہ ۔ دعا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بناؤ۔

لیکن امام احمد کے علاوہ بعض کا قول ہے۔ یہ تو اللہ کو آپ کی قسم دینا ہے اور اللہ کو کسی مخلوق کی قسم دینا جائز نہیں۔

امام احمد نے ایک روایت کے مطابق آپ کی قسم کو جائز کہا ہے اسی لئے آپ سے توسل کو جائز قرار دیا ہے۔ الفتاوی ج ۱ ص ۱۴۰۔

شیخ محمد بن علی شوکانی کے نزدیک جوازِ توسل

محدث سلفی شیخ محمد بن علی شوکانی نے اپنے رسالہ الدر النضید فی اخلاص کلمۃ التوحید میں لکھا ہے۔

اللہ کی بارگاہ میں کسی مقصد کے حصول کے لئے کسی شخص کو وسیلہ بنانے کے سلسلے میں شیخ عز الدین بن عبد السلام نے کہا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر حدیث صحیح کی روایت ہے تو بارگاہ الٰہی میں صرف آپ سے توسل جائز ہے۔

شاید ان کا اشارہ سنن نسائی و ترمذی کی اس حدیث کی طرف ہے جسے ابن ماجہ وغیرہ نے

حدیث صحیح مانا ہے۔ کہ ایک نابینا شخص بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔ الی آخر الحدیث

پھر کہا۔ اس سلسلے میں علماء کے دو اقوال ہیں۔

پہلا یہ کہ وہ توسل جس کا عمر بن خطاب نے ذکر کیا ہے کہ ہم جب خشک سالی میں مبتلا ہوتے تو کہتے۔ اے اللہ! تیری بارگاہ میں اپنے نبی کو وسیلہ بناتے جس سے تو ہمیں سیراب فرما دیتا۔ اب ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو وسیلہ بنا رہے ہیں۔ یہی صحیح بخاری وغیرہ میں ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ صحابہ کرام استسقاء کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی حیات میں وسیلہ بناتے پھر آپ کے وصال کے بعد آپ کے چچا عباس کو وسیلہ بناتے۔ توسل استسقاء یہی ہے کہ وہ اور سب لوگ مل کر ایک ساتھ اللہ سے دعا کرتے۔ اور اس وقت وہ بارگاہ الٰہی میں وسیلہ ہوتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح ان کے لئے شفاعت و دعاء فرماتے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات و ممات و حضور و غیبوبت میں ہر وقت آپ کا توسل جائز ہے۔

واضح رہے کہ آپ کی حیات میں آپ سے اور آپ کی وفات کے بعد دوسرے سے توسل کرنا اجماع صحابہ سے ثابت ہے۔ اور یہ اجماع سکوتی ہے کیوں کہ عباس رضی اللہ عنہ سے توسل پر کسی صحابی نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

میرے نزدیک جواز توسل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص کر دینے کی کوئی وجہ نہیں۔ جیسا کہ شیخ عزالدین بن عبد السلام کے خیال کے مطابق یہ آپ کے ساتھ خاص ہے۔ اس کی دو وجہیں ہیں۔

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جواز توسل پر صحابہ کا اجماع ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ بارگاہ الٰہی میں اہل علم و فضل کا توسل درحقیقت ان کے اعمال صالحہ و محاسن فاضلہ کا توسل ہے۔ اس لئے کہ وہ صاحب فضل و شرف اپنے اعمال ہی کی وجہ سے ہیں۔

جب کہنے والا یہ کہتا ہے کہ اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں فلاں عالم کو وسیلہ بنا رہا ہوں تو اس کے علم و فضل ہی کی وجہ سے اسے وسیلہ بنایا جا رہا ہے۔ اور صحیحین وغیرہما کی روایت سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان تین لوگوں کا واقعہ بیان فرمایا جو ایک غار میں تھے

اور چٹان سے اس کا منہ بند ہو گیا تھا تو ہر ایک نے اپنے سب سے بڑے اور اچھے عمل کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنایا جس کی برکت سے چٹان کھسک گئی اور ان تینوں نے نجات پائی ۔ (صحیح بخاری)

اگر اعمال صالحہ سے توسل ناجائز یا شرک ہوتا جیسا کہ توسل کے سلسلے میں متشددین کا گمان ہے مثلاً شیخ عزالدین بن عبدالسلام اور ان کے کچھ متبعین ۔ تو ان تینوں کی دعا رقبول نہ ہوتی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ واقعہ بیان کر کے اس پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے ۔ خاموش نہ رہتے ۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء وصلحاء کو وسیلہ بنائے جانے کے منکرین جو یہ آیات پیش کرتے ہیں ۔

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۔ (زمر - ۳)

ہم تو انہیں صرف اس لئے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں ۔

فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۔ (جن - ۱۸)

تو اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو ۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ ۔ (رعد - ۱۴)

اسی کا پکارنا سچا ہے اور جو لوگ اس کے سوا کسی کو پکارتے ہیں وہ ان کی کچھ بھی نہیں سنتے ۔

ان آیات کو توسل بالانبیاء والصالحین کے رد وانکار کے موقع پر پیش کرنا صحیح نہیں ہے ۔ اور توسل کے خلاف استدلال کا ان آیات سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ۔

مشرکوں کا یہ کہنا کہ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (زمر - ۳) اس میں اس بات کی صراحت ہے کہ انہوں نے بتوں کی عبادت کی ہے ۔

اور عالم کو وسیلہ بنانے والا شخص اس کی عبادت نہیں کرتا بلکہ وہ صرف یہ جانتا ہے کہ اس کے عالم ہونے کی وجہ سے اللہ کے نزدیک اسے ایک امتیاز اور خوبی حاصل ہے ۔ اس لئے اسے وسیلہ بنا رہا ہے ۔

اسی طرح آیت کریمہ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا کے اندر اللہ کے ساتھ کسی غیر کی نداء ودعاء سے منع کیا گیا ہے ۔ جیسے کوئی شخص کہے باللّٰہ وبفلان اور عالم کو وسیلہ بنانے والا صرف اللہ کو پکارتا اور اس سے دعاء کرتا ہے ۔ اور اس عالم کے عمل صالح کو وسیلہ بناتا ہے جیسے

غار کے اندر چٹان سے چھپ جانے والے تین آدمیوں نے اپنے اپنے اعمال صالحہ کو وسیلہ بنایا تھا۔

اسی طرح آیت کریمہ وَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ کا بھی معاملہ ہے کہ مشرکوں نے جنہیں پکارا وہ ان کی پکار نہیں سن سکتے اور اپنے اس رب کو نہیں پکارا جو ان کی پکار سنتا اور ان کی دعائیں قبول کرتا۔ اور عالم کو وسیلہ بنانے والا شخص صرف اللہ کو پکارتا ہے اس کے علاوہ نہ وہ کسی کو پکارتا ہے نہ اس سے دعا کرتا ہے۔

یہ حقائق جان لینے کے بعد اب اپنے مبحث سے غیر متعلق دلائل دینے والے مانعین توسل کے اعتراضات کا جواب دینا آپ کے لئے آسان ہو جائے گا۔ جیسے اس آیت کریمہ سے ان کا استدلال ہے۔

وَمَا اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ثُمَّ مَا اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ یَوْمَ لَا تَمْلِکُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا وَّ الْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰہِ۔ (انفطار ۱۷ - ۱۹)

اور تو کیا جانے کیسا انصاف کا دن اور پھر تو کیا جانے کیسا انصاف کا دن۔ جس دن کوئی جان کسی جان کا کچھ اختیار نہ رکھے گی اور سارا حکم اس دن اللہ کا ہوگا۔

اس آیت کریمہ کا صرف یہ مطلب ہے کہ قیامت کے دن اللہ رب العزت کا حکم چلے گا اس کے علاوہ کسی دوسرے کا کوئی حکم نہیں چلے گا۔

اب جو شخص بھی کسی نبی یا عالم سے توسل کرتا ہے اس کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ وہ جس کو وسیلہ بنا رہا ہے اس کی کوئی شرکت اللہ تعالیٰ کے ساتھ قیامت کے روز ہوگی۔ اور جس کا ایسا عقیدہ کسی نبی یا غیر نبی کے بارے میں ہو وہ کھلی ہوئی گمراہی میں ہے۔

اسی طرح لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ۔ (آل عمران - ۱۲۸) یہ بات تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔

اور قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ۔ (اعراف - ۱۸۸)

تم کہو میں اپنی جان کے لئے نفع و ضرر کا خود سے مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے۔

ان دونوں آیات میں اس کی صراحت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ کو اللہ کے کسی امر میں دخل نہیں۔ اور وہ خود سے اپنے نفع و ضرر کے مالک نہیں تو دوسرے کے مالک کیسے ہوں گے۔

ان آیات میں آپ سے یا کسی نبی یا ولی یا عالم سے توسل کی کوئی ممانعت نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامِ محمود و مقامِ شفاعتِ کبریٰ عطا فرمایا اور مخلوق کو اللہ نے ہدایت فرمائی کہ وہ ان سے اس کا سوال کریں طلب کریں۔ اور فرمایا اپنے رسول سے کہ مانگو تمہیں دیا جائے گا شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول ہوگی۔ اور قرآن حکیم میں فرمایا گیا کہ درجہ شفاعت اللہ کے اذن سے اس کے محبوبان بارگاہ ہی کو حاصل ہوگا۔

اسی طرح یہ آیت کریمہ ہے وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (شعراء - ۲۱٤)

اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔

جب اس کا نزول ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے فلاں بن فلاں میں امرالٰہی میں تمہارے لئے کسی چیز کا مالک نہیں۔ اے فلانہ بنت فلاں میں امرالٰہی میں تمہارے لئے کسی چیز کا مالک نہیں۔

اس سے بھی مانعین توسل غلط استدلال کرتے ہیں۔ اس میں تو صرف اس کی صراحت ہے کہ اللہ جسے نفع پہنچانا چاہے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور جسے نقصان پہنچانا چاہے اسے کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا۔ اور جب وہ امرالٰہی میں اپنے کسی قرابت دار کے لئے کسی چیز کے مالک نہیں تو دوسروں کے لئے کیسے ہوں گے۔

یہ حقیقت تو ہر مسلمان کو معلوم ہے۔ لیکن اس میں یہ حکم نہیں ہے کہ بارگاہ الٰہی میں کسی کو وسیلہ نہیں بنایا جا سکتا۔ توسل کے ذریعہ تو دراصل اسی سے طلب امر ہے جس کے دست قدرت میں امر و نہی ہے۔

طالب تو صرف یہ چاہتا ہے کہ کوئی ایسا وسیلہ پیش کرے جو سبب قبول بن جائے اس ذات باری تعالیٰ کی بارگاہ میں جو منع و عطاء کا تنہا مالک اور مالک یوم الدین ہے۔

انتھی کلام الشوکانی۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے نزدیک توسل

کسی مخلوق سے استغاثہ کے عدم جواز کے ساتھ ہی یہ خیال کہ جواز توسل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے یا یہ خیال کہ توسل بھی صالحین کے ساتھ عام ہے۔

اس طرح کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے شیخ محمد بن عبدالوہاب نے کہا۔

فرق واضح اور گفتگو ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ کچھ علماء صالحین توسل کی رخصت دیتے ہیں۔ بعض علماء توسل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔ اور اکثر علماء اسے ممنوع و مکروہ قرار دیتے ہیں۔

یہ ایک فقہی مسئلہ ہے۔ اگرچہ ہمارے نزدیک درست یہی قول ہے کہ توسل مکروہ ہے۔ لیکن توسل کرنے والے پر ہم رد و انکار نہیں کرتے اور اجتہادی مسائل میں ایسا ہونا بھی نہیں چاہیئے۔

البتہ ہم اس شخص پر اعتراض کرتے ہیں جو کسی بھی مخلوق کو اس طرح سے پکارے جیسے اللہ کو پکارا جاتا ہے اور شیخ عبدالقادر جیلانی وغیرہ کی قبروں پر جاکر تضرع کرے اور ان سے اپنی مشکلات کا حل یا مصائب میں مدد اور اپنی آرزوؤں کی تکمیل چاہے۔ تو ایسا شخص ان لوگوں میں سے کہاں ہے جو اللہ کے دین کو خالص رکھ کر صرف اللہ کو پکارتے ہیں۔ اس کے ساتھ کسی دوسرے کو نہیں پکارتے۔ لیکن اپنی دعاء میں کہتے ہیں۔ تجھ سے تیرے انبیاء، یا رسولوں یا نیک بندوں کے وسیلہ سے مانگتے ہیں۔ یا کسی قبر معروف وغیرہ پر جاکر وہاں کوئی دعاء کرتے ہیں مگر اپنی دعاء صرف اللہ سے کرتے ہیں تو اس توسل پر ہماری یہ بحث نہیں۔ (فتاوی الشیخ محمد بن عبد الوهاب فی مجموعة المولفات القسم الثالث ص ٦٨ التی نشرتها جامعة الامام محمد بن سعود فی اسبوع الشیخ محمد بن عبد الوهاب)

آثارِ نبوی کے ساتھ توسل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم برکت حاصل کیا کرتے تھے۔ اور اس حصول برکت کا صرف ایک مطلب ہے کہ صحابہ کرام آثار نبوی کو بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ بنایا کرتے تھے کیوں کہ توسل کا ایک ہی طریقہ نہیں ہے بلکہ اس کے کئی طریقے ہیں۔

آثار نبوی کو جب صحابہ کرام وسیلہ بنایا کرتے تھے تو کیا آپ کی ذات کو وسیلہ نہیں بناتے تھے؟

فرع کو وسیلہ بنانا صحیح ہے تو کیا اصل کو وسیلہ بنانا صحیح نہیں ہے؟

وہ آثار جنہیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے عظمت و شرف حاصل ہوا انہیں وسیلہ بنانا صحیح اور آپ کی ذات مبارکہ کو وسیلہ بنانا صحیح نہیں ہے؟ سبحٰنک ھذا بھتان عظیم۔

آثار نبوی کے ساتھ توسل کے سلسلے میں بہت سے نصوص وارد ہیں جن میں سے ہم صرف چند مشہور واقعات کا یہاں ذکر کر رہے ہیں۔

امیر المومنین عمر بن خطاب کی شدید خواہش تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب دفن کیے جائیں۔ آپ کی وفات کا جب وقت قریب آیا تو اپنے لڑکے عبد اللہ کو آپ نے اس کی اجازت حاصل کرنے کے لئے سیدہ عائشہ صدیقہ کے پاس بھیجا۔ ادھر سیدہ عائشہ خود اپنے لئے اس قرب خاص کی متمنی تھیں۔ فرمانے لگیں۔ میں خود یہی چاہتی تھی لیکن اب اپنی خواہش پر عمر بن خطاب کی خواہش کو ترجیح دیتی ہوں۔ یہ سن کر عبد اللہ اپنے والد عمر بن خطاب کے پاس پہونچ کر یہ عظیم الشان خوشخبری دیتے ہیں۔ تو عمر بن خطاب بول اٹھے۔

الحمد للہ! میری نظر میں اس سے اہم کوئی چیز نہ تھی۔ (صحیح بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب دفن ہونا عمر فاروق کی نظر میں کیوں سب سے محبوب اور اہم چیز تھی؟ توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اس کا اور کیا مطلب ہے؟ کہ بعد وفات بھی آپ کے قرب کی برکت حاصل کی جاتی رہے۔

ام سلیم کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مشکیزہ کے منہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پیا تو اس ٹکڑے کو کاٹ کر ام سلیم نے اپنے پاس رکھ لیا۔ جس کے بارے میں حضرت انس کہتے ہیں کہ وہ ٹکڑا ہمارے پاس ہی رہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار اپنے سر کے بال مونڈوائے تو صحابہ کرام وہ بال لینے کے لئے ایک دوسرے سے سبقت کرنے لگے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ شریف اسماء بنت ابی بکر نے اپنے پاس محفوظ کر لیا تھا۔ اور اس کے بارے میں کہتی ہیں۔ ہم اسے دھو کر مریضوں کو پلاتے اور شفا پاتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر مبارک آپ کے وصال کے بعد ابو بکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی نے محفوظ کر رکھا تھا۔ پھر وہ مہر کنوئیں میں گر پڑی۔

یہ ساری احادیث ثابت وصحیح ہیں۔ بحث تبرک میں ہم نے ان کا ذکر کر دیا ہے۔ یہاں ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرام نے آثار نبوی کی اتنی حفاظت کیوں کی؟ مشکیزہ کا منہ، موئے مبارک، پسینہ، جبہ، مہر وغیرہ کی حفاظت کا مقصد کیا صرف بطور یادگار ہے؟ یا تاریخی آثار کے طور پر انہیں محفوظ کر کے میوزیم میں رکھنے کا کوئی منصوبہ تھا؟

اگر پہلی صورت مد نظر تھی تو ابتلاء و مرض کے وقت بارگاہ الٰہی میں دعا کرتے ہوئے ان آثار مبارکہ کے ساتھ اتنی توجہ اور دلچسپی کیوں تھی؟ اور دوسری صورت میں وہ میوزیم کہاں ہے؟ اور ان کے دل میں ایسا نیا خیال کیوں اور کیسے آیا؟ سبحٰنک ھذا بھتان عظیم۔

حق یہ ہے کہ ان آثار نبوی سے صحابہ کرام برکت حاصل کیا کرتے تھے۔ اللہ کی بارگاہ میں انہیں وسیلہ بنایا کرتے تھے۔ دینے والا صرف اللہ تبارک وتعالیٰ اور وہی مرجع و مسئول ہے اور سب کے سب اس کے بندے اور اس کے محکوم ہیں۔ اور اللہ سبحٰنہ عزوجل کے اذن کے بغیر اپنے اور دوسروں کے لئے کسی چیز کے مالک نہیں۔

آثار انبیاء کے ساتھ توسل

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (سورۃ البقرۃ - ۲۴۸)

اور ان سے ان کے نبی نے کہا اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس تابوت آئے جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کا چین ہے اور معزز موسیٰ و معزز ہارون کے ترکہ کی کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جنہیں فرشتے اٹھائے ہوئے لائیں گے۔ بیشک اہل ایمان کے لئے اس میں بڑی نشانی ہے۔

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے۔ ابن جریر نے اس تابوت کے بارے میں کہا۔ بنی اسرائیل جب اپنے کسی دشمن سے جنگ کرتے تو تابوت میثاق جو قبہ کے اندر رہتا وہ ان کے ساتھ ہوتا۔ جس کا ذکر گزر چکا ہے۔ اس تابوت اور اس کے اندر اللہ نے جو سکینہ ودیعت فرما دیا تھا اور بقیہ آثار

آل موسیٰ و ہارون ان سب کی برکت سے انہیں فتح و نصرت حاصل ہوتی تھی۔ اہل غزہ و عسقلان کے ساتھ ایک جنگ میں انہیں شکست ہوئی اور انہوں نے تابوت ان کے ہاتھوں سے چھین لیا۔ اھ

ابن کثیر نے لکھا۔ بنی اسرائیل اس تابوت کے ذریعہ اپنے دشمنوں پر فتح یاب ہوتے تھے۔ اس کے اندر سونے کا ایک طشت تھا جس میں انبیاء کے سینے دھلے جاتے تھے۔ اھ۔

البدایہ ج ۲ ص ۸۔

ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ اس تابوت میں عصائے موسیٰ و عصائے ہارون اور توریت کی دو لوحیں تھیں۔ بعض نے کہا کہ عصا اور نعلین تھے۔ اھ۔ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۱۳۔

قرطبی نے کہا۔ تابوت کے بارے میں مذکور ہے کہ اسے اللہ نے آدم علیہ السلام پر اتارا اور وہ انہیں کے پاس رہا۔ پھر یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچا۔ اور بنی اسرائیل اس کے صدقہ میں اپنے مخالفین و اعداء پر غالب رہا کرتے تھے۔ لیکن جب نافرمانی کرنے لگے تو عمالقہ نے ان سے تابوت چھین لیا۔ اھ۔ تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۲۴۷

یہ درحقیقت آثار انبیاء سے توسل ہی ہے کیوں کہ جنگوں میں تابوت کو اپنے سامنے رکھنے کا یہی مطلب ہے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک یہ پسندیدہ ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے اس تابوت کو پھر بنی اسرائیل کی طرف لوٹا دیا اور اسے اس نے صحتِ ملکِ طالوت کی علامت بنا دیا اور ان کے اس فعل پر اللہ نے کسی طرح بھی اظہار ناراضگی نہیں فرمایا۔

اپنے آپ سے اور دیگر انبیاء و صالحین سے نبی کریم کا توسل

علی بن ابی طالب کی والدہ فاطمہ بنت اسد کا جب انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے ان کی لحد کھود کر اس کی مٹی نکالی اور پھر اس میں لیٹ کر یہ دعا فرمائی۔

اللہ الذی یحیی و یمیت وھو حی لایموت۔ اغفر لامی فاطمہ بنت اسد ولقنھا حجتھا و وسع علیھا مدخلھا بحق نبیك و الانبیاء الذین من قبلی فانك ارحم الراحمین۔

رواہ الطبرانی فی الکبیر و الاوسط۔ وفیہ روح بن صلاح وثقہ ابن حبان

والحاکم فیہ ضعف۔ و بقیۃ رجالہ رجال الصحیح۔ کذا بمجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۵۷۔

رواہ الطبرانی فی الاوسط والکبیر بسند جید۔ و رواہ ابن حبان و الحاکم و صححوہ عن انس۔ و رواہ ابن ابی شیبۃ عن جابر و ابن عبد البر عن ابن عباس۔ و اختلف بعضھم فی روح بن صلاح احد رواتہ۔ ولکن ابن حبان ذکرہ فی الثقات وقال الحاکم: ثقۃ مامون۔ و کلا الحافظین صحح الحدیث و ھکذا الھیثمی فی مجمع الزوائد و رجالہ رجال الصحیح۔

و رواہ کذلک ابن عبد البر عن ابن عباس۔ و ابن ابی شیبۃ عن جابر۔ واخرجہ الدیلمی و ابونعیم۔ وطرقہ یشد بعضہ بعضا بقوۃ وتحقیق۔

اللہ جو زندگی اور موت دیتا ہے۔ ہمیشہ زندہ رہنے والا جسے کبھی موت نہ آئے۔ اے اللہ! میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما۔ انہیں تلقین حجت فرما۔ ان کی راہ کشادہ فرما۔ اپنے نبی اور انبیاء سابقین کے حق کی برکت سے۔ بے شک تو ارحم الراحمین ہے۔

پھر آپ نے چار مرتبہ تکبیریں کہیں اور انہیں سپرد لحد کر دیا۔ آپ کے ساتھ عباس اور ابوبکر صدیق نے یہ کام انجام دیا۔

اس حدیث و دیگر احادیث میں وارد ہے کہ انبیاء کرام کا جو حق اللہ کے ذمہ کرم پر ہے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وسیلہ بنایا جب کہ یہ انبیاء کرام انتقال فرما چکے تھے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بارگاہ الٰہی میں حق صالحین کو وسیلہ بنانا جائز ہے۔ اور اہل حق کو بھی خواہ وہ زندہ ہوں یا وفات پا چکے ہوں۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من خرج من بیتہ الی الصلاۃ فقال: اللھم انی اسألک بحق السائلین علیک وبحق ممشای ھذا فانی لم اخرج اشرا ولا بطرا ولا ریاء ولا سمعۃ۔ و خرجت اتقاء سخطک و ابتغاء مرضاتک۔ فاسألک ان تعیذنی من النار و ان تغفرلی ذنوبی انہ لا یغفر الذنوب الا انت۔ اقبل اللہ بوجھہ و استغفرلہ سبعون الف ملک۔

رواہ ابن ماجہ۔ کذا فی الترغیب والترھیب ج ۱ ص ۱۷۹۔ و رواہ ابن خزیمہ

فی صحیحہ وابن السنی و ابو نعیم۔ وقد حسنہ ابن حجر و العراقی فی المغنی عن حمل الاسفار۔ احیاء ج ۱ ص ۳۲۳۔

جو شخص نماز کے ارادہ سے گھر سے نکلے اور یہ دعا کرے۔ اے اللہ! سائلین کا جو حق تیرے ذمہ کرم پر ہے اور میرا یہ چلنا جو کبر و نخوت اور ریاء و سمعہ سے خالی ہے کہ تیری ناراضگی سے بچنے اور تیری خوشنودی کی طلب میں نکلا ہوں اس کے طفیل تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے آتش جہنم سے پناہ دے اور میرے گناہ بخش دے۔ بے شک تو ہی بخشنے والا ہے۔

اس دعا پر رحمت الٰہی متوجہ ہوتی ہے اور ستر ہزار فرشتے اس کے لئے استغفار کرتے ہیں۔

اس دعا میں ارشاد نبوی ہے بحق السائلین علیک جس میں زندہ اور وفات یافتہ دونوں شامل ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ بیک وقت ان دونوں سے توسل درست ہے۔

بعد وصال قبر نبوی سے توسل

حافظ دارمی نے اپنی کتاب السنن کے باب ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد موتہ کے تحت یہ حدیث درج کی ہے۔

ہم سے ابوالنعمان نے ان سے سعید بن زید نے ان سے عمرو بن مالک البکری نے ان سے ابوالجوزاء اوس بن عبداللہ نے یہ حدیث بیان کی۔

اہل مدینہ شدید قحط میں مبتلا ہوئے اور انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ سے اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔ حضرت عائشہ نے کہا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار کی طرف دیکھو اور اس کا روشندان اس طرح کھول دو کہ آسمان اور قبر کے درمیان چھت حائل نہ ہو۔ چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا اور خوب بارش ہوئی۔ جس کے بعد گھاس اگ آئی اور اونٹ تر و تازہ موٹے ہو گئے۔ (اونٹوں پر اتنی چربی چڑھ آئی کہ اس سال کا نام ہی عام فتق پڑ گیا) سنن دارمی ج ۱ ص ۴۳

یہ عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے توسل ہے۔ محض قبر ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی آغوش میں آرام فرما اشرف المخلوقات و حبیب رب العالمین کے جسد مبارک کی وجہ سے اسے شرف و

اعزاز حاصل ہوا۔

حافظ ابوبکر بیہقی نے لکھا ہے۔ ہم سے ابوبکر بن قتادہ اور ابوبکر اطفارسی نے خبر دیتے ہوئے کہا۔ ہم سے ابو عمر بن مطر نے ان سے ابراہیم بن علی الذہلی نے ان سے یحییٰ بن یحییٰ نے ان سے ابومعاویہ نے ان سے اعمش نے ان سے ابو صالح نے ان سے مالک نے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا۔

حضرت عمر بن خطاب کے زمانہ میں لوگ مبتلائے قحط ہوئے تو ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر حاضر ہو کر عرض کیا۔

یا رسول اللہ! اپنی امت کے لئے بارش کی دعا کیجئے کیوں کہ لوگ ہلاک ہو رہے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اسے حکم دیا۔

ایت عمر فاقراہ منی السلام واخبرھم انھم مسقون وقل له علیك بالکیس الکیس۔

عمر کے پاس جاؤ ان سے میرا سلام کہو اور ان سے بتلادو کہ لوگ بارش سے سیراب کئے جائیں گے۔ اور ان سے یہ بھی کہو کہ حزم واحتیاط کا دامن مضبوطی سے تھامے رہیں۔

وہ شخص عمر بن خطاب کے پاس پہنچا اور انہیں یہ بات بتلادی۔ عمر نے کہا۔ اے رب! میں اپنے مقدور بھر کوئی سستی و کوتاہی نہیں کرتا۔ وھذا اسناد صحیح۔ کذا قال الحافظ ابن کثیر فی البدایة ج ۱ ص ۹۱ فی حوادث ثمانیة عشر۔

مالک الدارمی سے روایت ہے۔

حضرت عمر بن خطاب کے عہد میں لوگ مبتلائے قحط ہوئے۔ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا۔

یا رسول اللہ: استسق لامتك فانھم قد ھلکوا۔

یا رسول اللہ! اپنی امت کے لئے بارش کی دعا کیجئے۔ لوگ ہلاک ہو رہے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو خواب میں حکم دیا کہ عمر کے پاس جاؤ۔ الحدیث۔

رواہ ابن ابی شیبہ باسناد صحیح من روایة ابی صالح السمان عن مالك الدارمی. وکان خازن عمر.

مذکورہ خواب دیکھنے والے صحابی رسول بلال بن حارث المزنی تھے۔ قال ابن حجر

اسنادہ صحیح ۔ اھ ۔ فتح الباری ص ۱۵۱ ج ۲ ۔

راویان وائمہ حدیث میں سے کسی نے بھی نہیں کہا کہ یہ کفر وضلال ہے ۔ متن حدیث پر کسی نے طعن نہیں کیا ۔ ابن حجر عسقلانی نے یہ حدیث ذکر کرکے اسے صحیح الاسناد کہا ۔ اور حفاظ حدیث کے درمیان ابن حجر عسقلانی کا جو علم وفضل اور مقام ومنصب ہے وہ محتاج بیان نہیں ۔

خالد بن ولید نے مسیلمہ کذاب سے ہونے والی جنگ یمامہ کے موقع پر پکارا تھا ۔ یا محمداہ ۔

حافظ ابن کثیر نے بیان کیا ہے کہ ۔ خالد بن ولید جذبہ جہاد میں صف اعداء میں گھستے ہوئے جبال مسیلمہ تک جا پہونچے ۔ اور وہاں اسی تاک میں رہے کہ کوئی ملے تو اسے قتل کروں ۔ پھر پلٹ کر دونوں صفوں کے بیچ میں آگئے اور دعوت مبارزت دیتے ہوئے کہا ۔ میں ابن ولید ہوں میں ابن عامر وزید ہوں ۔

پھر مسلمانوں کی ان دنوں یہ جو مخصوص علامت ندا تھی اس کے ساتھ انہوں نے بلند آواز سے کہا ۔ یا محمداہ ۔ البدایہ والنهایہ ج ٦ ص ٣٢٤ ۔

مرض وتکلیف میں نبی کریم سے توسل

ہیثم بن اخنس سے روایت ہے ۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کا پاؤں سن ہوگیا ۔ ایک شخص نے کہا آپ اسے یاد کیجئے جو انسانوں میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہو ۔ یہ سن کر آپ نے کہا ۔ یا محمد! تو وہ اس طرح بھلے چنگے ہو گئے جیسے بندھن سے آزاد کر دئے گئے ہوں ۔

مجاہد سے روایت ہے ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ایک شخص کا پاؤں سن ہو گیا تو اس سے ابن عباس نے فرمایا ۔ انسانوں میں سب سے عزیز ومحبوب شخص کو یاد کرو ۔ اس نے کہا ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔ یہ کہتے ہی اس کا پاؤں شفایاب ہو گیا ۔ ذکرہ الشیخ ابن تیمیہ فی الکلم الطیب فی الفصل السابع والاربعین ص ١٦٥ ۔

یہ سب ندا کی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل ہے ۔

غیر نبی سے توسل

عتبہ بن غزوان سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اذا ضل احدکم شیئا او اراد عونا وھو بارض لیس بھا انیس ۔ فلیقل یا عباد اللہ اعینونی فان للہ عبادا لایراھم ۔ وقد جرب ذلک ۔ رواہ الطبرانی ورجالہ وثقوا علی ضعف فی بعضھم الا ان یزید بن علی لم یدرک عتبۃ ۔

جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے یا وہ کسی ایسی جگہ ہو جہاں اس کا کوئی مونس نہ ہو اور وہ کسی طرح کی مدد چاہے تو یہ کہے ۔ یا عباد اللہ اعینونی ۔ اے بندگانِ خدا میری مدد کرو ۔ کیوں کہ اللہ کے کچھ ایسے بندے ہوتے ہیں جنہیں ہم دیکھتے نہیں ہیں ۔ یہ آزمودہ چیز ہے ۔

ابن عباس سے روایت ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

ان للہ ملٰئکۃ فی الارض سوی الحفظۃ ۔ یکتبون مایسقط من ورق الشجرۃ فاذا اصاب احدکم عرجۃ بارض فلاۃ فلیناد اعینونی یا عباد اللہ ۔ رواہ الطبرانی ورجالہ ثقات ۔

حفاظت پر مامور فرشتوں کے علاوہ زمین پر کچھ ایسے فرشتے ہیں جو درخت سے گرنے والے پتوں کو بھی لکھ لیا کرتے ہیں ۔ تو جب کسی صحرا و بیابان میں کوئی راستہ بھول جائے تو یہ آواز دے ۔ اعینونی یا عباد اللہ ۔ اے بندگانِ خدا میری مدد کرو ۔

عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ۔

اذا انفلتت دابۃ احدکم بارض فلاۃ فلیناد یا عباد اللہ احبسوا ۔ یا عباد اللہ احبسوا ۔ فان للہ حاضرا فی الارض یحبسہ ۔ رواہ ابویعلی والطبرانی و زاد سیحبسہ علیکم ۔ وفیہ معروف بن حسان وھو ضعیف اھ ۔ من مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للحافظ نورالدین علی بن ابی بکر الھیثمی ج ۱ ص ۱۳۲ ۔

جب کسی صحرا و بیابان میں کسی کا کوئی جانور گم ہو جائے تو وہ آواز دے یا عباد اللہ احبسوا یا عباد اللہ احبسوا ۔ اے بندگانِ خدا اسے روک لو ۔ اے بندگانِ خدا اسے پکڑ لو ۔ اللہ کی جانب

ایسا مامور و موجود بندہ وہاں ہوگا جو اسے پکڑلے گا۔

یہ بھی نداء کی شکل میں توسل ہی ہے۔

حدیث میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کی دو رکعتیں پڑھ کر فرمایا کرتے تھے۔

اللهم رب جبريل واسرافيل وميكائيل ومحمد النبي صلى الله عليه وسلم اعوذ بك من النار۔

قال النووی فی الاذکار۔ رواہ ابن السنی۔ وقال الحافظ بعد تخریجه هو حدیث حسن۔ شرح الاذکار لابن علان ج ۲ ص ۱۳۹۔

اے اللہ! جبریل و اسرافیل و میکائیل و محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب! میں جہنم سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

ان حضرات کا خصوصیت سے نام لینے کا مطلب ان سے توسل ہے۔ گویا آپ فرمارہے ہیں کہ اے اللہ! میں تجھ سے دعا کررہا ہوں اور جبریل امین وغیرہ کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بنارہا ہوں۔ ابن علان نے اپنی شرح میں اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔

عمر فاروق کا عباس بن عبد المطلب سے توسل اور اس کا مطلب

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خشک سالی کے وقت عباس بن عبد المطلب کو وسیلہ بنا کر اس طرح بارش کی دعا کرتے تھے۔

اللهم انا کنا نتوسل الیک بنبینا فتسقینا و انا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا۔ اخرجه البخاری فی صحیحه۔

اے اللہ! ہم اپنے نبی کو وسیلہ بنایا کرتے تھے اور تو ہمیں سیراب فرمایا کرتا تھا۔ اور اب اپنے نبی کے چچا کو ہم تیری بارگاہ میں وسیلہ بنارہے ہیں۔ تو ہمیں سیراب فرما۔

الانساب میں زبیر بن بکار اس واقعہ کو بطریق آخر اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔ عمر بن خطاب نے عام الرمادہ (خشک سالی سے گرد و غبار

اڑنے کی وجہ سے اسے عام الرمادہ کہا گیا) میں عباس بن عبدالمطلب کے وسیلہ سے بارش کی دعا کی اور لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عباس بن عبدالمطلب کو اسی نظر سے دیکھتے تھے جس نظر سے بیٹا باپ کو دیکھتا ہے۔ تو اپنے چچا عباس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو طریقہ تھا اس کی سب لوگ پیروی کریں اور عباس کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنائیں۔ اور اے عباس! آپ اللہ سے دعا کیجئے۔

حضرت عباس نے اپنی دعا میں کہا۔ اے اللہ! ہر بلا کسی گناہ کے سبب نازل ہوتی ہے اور توبہ سے ختم ہوجاتی ہے۔ تیرے نبی کی نسبت سے لوگ مجھے تیری بارگاہ میں وسیلہ بنا کر حاضر ہیں۔ یہ ہمارے گنہ گار ہاتھ تیری طرف اٹھے ہوئے اور توبہ سے ہماری پیشانیاں تیرے دربار میں جھکی ہوئی ہیں۔ ہم پر بارش نازل فرما اور اپنے نبی کے چچا کی لاج رکھ لے کر اس چچا کو تیرے نبی سے نسبت ہے۔

اس دعا کے ساتھ ہی بادل پہاڑوں کی طرح امنڈ آ اور موسلادھار بارش سے ہر طرف پانی ہی پانی نظر آنے لگا۔ لوگوں میں زندگی کی لہر دوڑ گئی اور سب لوگ حضرت عباس کے پاس آکر ان سے برکت حاصل کرنے لگے۔ اور کہنے لگے۔ اے ساقی حرمین! بارش کی مبارکباد قبول کیجئے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی مبارک بادی اور کہا۔ اللہ ہی کے لئے اللہ کے دربار میں وسیلہ اور اس کا تقرب ہے۔ عباس بن عتبہ کا اسی سلسلے میں ایک شعر ہے۔

بعمی سقی اللہ الحجاز و اھلہ
عشیۃ یستسقی بشیبتہ عُمَرُ

میرے چچا کے صدقہ میں اللہ نے حجاز و اہل حجاز کو سیراب فرمایا۔ جس شام حضرت عمر نے ان کی بزرگی کے وسیلہ سے سیرابی کی دعا کی۔

نماز استسقاء کی امامت کا حق حضرت عمر کو تھا لیکن اس حق سے دست بردار ہو کر حضرت عباس کو استسقاء کے لئے آگے بڑھایا جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے مقدس خانوادہ کی عظمت شان ظاہر ہو۔ اور اپنے اوپر عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترجیح محض اس لئے تھی کہ ممکن حد تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے توسل ہو۔ اور لوگوں کو

اس کی ترغیب دی جائے کہ وہ حضرت عباس کو بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ بنائیں جس پر حضرت عمر نے خود اس طرح عمل کیا کہ حضرت عباس کو دعا کے لئے آگے بڑھا کر انہیں ہی وسیلہ بنایا۔ اور اس طرح انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین بنایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیات ظاہری میں نماز استسقاء کی امامت فرمائی تھی جس پر حضرت عمر نے حضرت عباس سے عمل کرایا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کی زیادہ سے زیادہ تعظیم وتکریم ہو سکے۔

یہ حقیقت حضرت عمر کی اس دعا سے بھی ظاہر ہے۔

اللھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا فتسقینا و انا نتوسل الیک بعم نبیک فاسقنا۔

اے اللہ! ہم اپنے نبی کے وسیلہ سے دعا مانگتے تھے تو ہمیں توسیراب فرمایا کرتا تھا۔ اب ہم تیرے نبی کے چچا کے وسیلہ سے دعا مانگتے ہیں تو ہمیں توسیراب فرما۔

یعنی یہ وسیلہ اس طرح تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو لے کر نماز استسقاء کے لئے مقام نماز استسقاء تک تشریف لے جاتے۔ ان کے لئے دعا کرتے اور نماز استسقاء کی امامت کرتے اب چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ایسا نہیں ہو سکتا اس لئے ہم ان کے اہل بیت کو آگے بڑھاتے ہیں تاکہ ان کی دعا وامامت بارگاہِ الٰہی میں زیادہ مقبول ہو سکے۔

حضرت عباس کی دعا میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل ہے۔ ان کی دعا کا ایک حصہ یہ ہے۔

وقد تقرب القوم بی لمکانی من نبیک۔ تیرے نبی کی نسبت سے لوگوں نے میرے وسیلہ سے تیرا قرب چاہا۔

یعنی تیرے نبی کے ساتھ میری قرابت ہونے کی وجہ سے لوگوں نے مجھے وسیلہ بنایا۔

دعا کا دوسرا حصہ یہ ہے۔ فاحفظ اللھم نبیک فی عمہ۔ اے اللہ! اپنے نبی کی لاج رکھ لے اس کے چچا کے سلسلے میں۔

یعنی اپنے نبی کے صدقہ میں میری دعا قبول فرمالے۔

استسقاء کے معاملہ کا اس توسل سے کوئی تعلق نہیں جس پر بحث اور جس میں لوگوں کا اختلاف

ہے۔ اس حقیقت کی معرفت ہر آنکھ والے کو ہے۔ اور مذکورہ پورا واقعہ بھی وضاحت سے اسی کی نشاندہی کر رہا ہے۔

اہل حجاز قحط سالی کا شکار ہوئے اور انہیں ضرورت پیش آئی کہ نماز استسقاء پڑھ کر اللہ سے دعا و فریاد کریں۔ اب ظاہر ہے کہ نماز استسقار کے لئے ایک امام کی ضرورت ہوگی جو امامت کرے دعا کرے اور اس اسلامی شعار کو قائم کرے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دار تکلیف (دنیا) میں رہتے ہوئے قائم فرمایا تھا جس طرح دوسرے شعائر دین مثلاً امامت، جمعہ، خطبہ وغیرہ آپ نے قائم فرمایا۔ اور یہ ایسے اعمال تکلیفیہ ہیں جن کے اہل برزخ مکلف نہیں۔ کیوں کہ اس دنیا سے پردہ لینے کے بعد دنیوی تکالیف ان سے منقطع ہوگئیں اور وہ ان سے عظیم امور کی طرف متوجہ و مصروف ہو گئے[1]

جو شخص کلام امیر المومنین عمر فاروق کا یہ مطلب نکالتا ہے کہ انہوں نے اس لئے حضرت عباس سے توسل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل نہیں کیا کہ حضرت عباس زندہ ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں۔ ایسے شخص کی عقل مرچکی ہے، وہم اس پر غالب آچکا ہے اور وہ اپنے اوپر سطحیت یا عصبیت کو مسلط کر چکا ہے۔ اور وہ اپنی خود ساختہ رائے کا شکار ہے۔

حضرت عمر نے حضرت عباس کو اسی لئے تو وسیلہ بنایا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار ہیں۔ حضرت عمر کی اس دعا سے یہی وجہ اور حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔

وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا۔ اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتے ہیں تو ہمیں تو سیراب فرما دے۔

اس دعا میں خود ہی نہایت بہتر طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل ہے۔

بڑا ہی ناانصاف اور خطا کار ہے وہ شخص جو توسل کی وجہ سے کسی مسلمان کو مرتکب شرک

---

[1] خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کو نماز استسقار کا امام نہیں بنایا جا سکتا اس لئے حضرت عمر نے حضرت عباس کو امام بنایا جبکہ وہ خود امیر المومنین اور مستحق امامت تھے لیکن انہوں نے قرابت و نسبت رسول کو وسیلہ بنایا۔ تو اصلاً یہ توسل خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ہے جیسا کہ حضرت عمر اور حضرت عباس کی دعاؤں سے بھی یہی واضح ہے۔ (یٰسٓ اختر مصباحی)

قرار دیتا ہے۔ اور یہ بھی کہتا ہے کہ زندہ شخص سے توسل جائز ہے۔ کیوں کہ توسل اگر شرک ہوتا تو زندہ مردہ کسی شخص سے بھی توسل جائز نہ ہوتا۔ کیا ایسے شخص کو یہ نہیں معلوم کہ اللہ کے علاوہ کسی نبی یا فرشتہ یا ولی کے بارے میں اعتقاد ربوبیت یا اسے مستحق عبادت سمجھنا شرک و کفر ہے۔ اور یہ شرک و کفر اس کی دنیوی و اخروی زندگی میں کسی بھی وقت جائز نہیں۔

کیا کسی کو یہ کہتے سنا ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کو بھی اس کی زندگی میں اسے رب سمجھنا جائز ہے اور وفات کے بعد شرک ہے؟

مذکورہ بحث سے واضح ہوگیا کہ بارگاہ الٰہی میں کسی معظم ہستی کو وسیلہ بنانا اس کی عبادت نہیں ہے۔ ہاں! اگر اس معظم ہستی کو رب سمجھ کر اسے وسیلہ بنائے تو یہ اس کی عبادت سمجھی جائے گی۔ جیسے بت پرست اپنے بتوں کو رب سمجھا کرتے تھے۔ اور اگر کسی شخص معظم کو رب نہ سمجھتے ہوئے اسے حکم الٰہی کے مطابق بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنایا جائے تو یہ توسل حاکم و آمر حقیقی سبحنہ عزوجل کی عبادت ہے۔

امام عتبی کا بیان کردہ واقعۂ توسل

حافظ۔ شیخ عماد الدین ابن کثیر نے لکھا ہے۔

مندرجہ ذیل واقعہ کئی علماء نے بیان کیا ہے جن میں سے شیخ ابو منصور الصباغ اپنی کتاب الحکایۃ المشہورۃ میں لکھتے ہیں۔

عتبی نے کہا۔ میں قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھا کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے عرض کیا۔

السلام علیک یا رسول اللہ:

پھر کہنے لگا۔ آپ کے بارے میں اللہ نے فرمایا۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا۔ (نساء۔ ٦٤)

اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں پھر تمہارے حضور حاضر ہوں اور اللہ سے مغفرت چاہیں اور رسول ان کی شفاعت کرے تو ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

میں اسی لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کے توسل سے اپنے رب کی بارگاہ میں اپنے گناہوں کا

استغفار اور طلب شفاعت کروں۔

پھر وہ اعرابی یہ شعر پڑھنے لگا۔

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمہ

فطاب من طیبھن القاع و الاکم

اے ان تمام لوگوں میں بہتر جن کی ہڈیاں زمین میں مدفون ہوئیں تو ان کی خوشبو سے چٹیل میدان اور ٹیلے مہک اٹھے۔

نفسی الفداء لقبر انت ساکنہ

فیہ العفاف و فیہ الجود و الکرم

میری جان اس قبر پر قربان جس میں آپ آرام فرما ہیں۔ اسی قبر میں عفت بھی ہے اور جود و کرم بھی ہے

اس عرض مدعا کے بعد اعرابی واپس چلا گیا۔ اور مجھے نیند آگئی۔ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ خواب ہی میں آپ نے مجھے حکم دیا۔ الحق الاعرابی فبشرہ ان اللہ قد غفرلہ۔ اعرابی سے ملاقات کرکے اسے بشارت دو کہ اللہ نے اس کی مغفرت فرمادی۔

اس واقعہ کو مندرجہ ذیل علماء وائمہ نے بیان کیا ہے۔

امام نووی۔ الایضاح الباب السادس ص ۴۹۸۔ الحافظ عماد الدین۔ تفسیر ابن کثیر زیر آیت وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا الخ۔ شیخ ابومحمد ابن قدامہ۔ المغنی ج ۳ ص ۵۵۶۔ شیخ ابوالفرج ابن قدامہ۔ الشرح الکبیر ج ۳ ص ۴۹۵۔ شیخ منصور بن یونس البھوتی۔ فقہ حنبلی کی مشہور کتاب کشاف القناع ج ۵ ص ۳۰۔

اسی سے ملتا جلتا ایک واقعہ امام قرطبی نے اپنی مشہور تفسیر الجامع میں بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

ابو صادق نے حضرت علی سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کی تدفین کے تین دن بعد ایک اعرابی آیا۔ وہ

قبرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بے اختیار لوٹنے اور اپنے سر پر خاک اڑانے لگا۔ پھر اس نے کہا۔
یا رسول اللہ! آپ نے حکم دیا تو ہم نے آپ کی بات مانی۔ آپ نے اللہ سے کر اسے محفوظ رکھا
اور ہم نے آپ سے اسے حاصل کیا۔ اللہ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی۔ ولوانھم اذظلموا انفسھم۔الخ۔
میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ میرے لئے استغفار
کریں۔ قبر انور سے ندا آئی کہ تمہاری بخشش ہوگئی۔ تفسیر القرطبی ج ۵ ص ۲۶۵۔

عتبی کا واقعہ بڑے بڑے علماء وائمہ نے نقل کیا ہے۔ کسی بھی خبر پر حکم لگانے کے لئے محدثین
اس کی سند پر اعتماد کرتے ہیں۔ اب سند کے اعتبار سے یہ واقعہ صحیح ہو یا ضعیف۔ مگر سوال
یہ ہے کہ ان علماء اسلام نے اپنی اپنی کتابوں میں یہ واقعہ نقل کر کے کیا کفر وضلال کی اشاعت
کی ہے؟ یا ایسی چیز بیان کی ہے جو بت پرستی اور عبادتِ قبور کی دعوت دیتی ہو؟
اور اگر یہ بات مان لی جائے تو پھر ان علماء اور ان کی کتابوں کا کیا اعتبار رہ جائے گا؟

سبحٰنک ھٰذا بھتان عظیم۔

خلاصہ کلام

بلاشبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ خداوندی میں بڑے ہی جاہ ومرتبہ اور قدر ومنزلت
والے ہیں۔ اور حیات دنیوی واخروی میں آپ کو وسیلہ بنائے جانے کے بہت سے دلائل و
براہین بھی ہیں۔ پھر آپ سے توسل کے لئے کون سی شرعی یا عقلی قباحت وممانعت ہے؟
توسل میں غیر اللہ سے نہیں سوال کیا جاتا۔ نہ اللہ کے سوا کسی اور سے دعا کی جاتی ہے۔
صرف اللہ کے محبوب کو وسیلہ بنایا جاتا ہے وہ محبوب کبھی عمل صالح ہوتا ہے جسے اللہ پسند فرماتا
ہے اور کبھی اللہ کا کوئی محبوب بندہ ہوتا ہے جیسا کہ حدیث آدم و حدیث فاطمہ بنت اسد و حدیث
عثمان بن حُنیف میں مذکور ہے اور یہ احادیث ہم بیان کر چکے ہیں۔
کبھی اللہ کے اسماء حسنیٰ کو وسیلہ بنایا جاتا ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء
فرمائی۔ اسالک بانک انت اللہ۔
کبھی اللہ کی صفت یا اس کے فعل کو وسیلہ بنایا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے دعا فرمائی۔ اعوذ برضاك من سخطك وبمعافاتك من عقوبتك۔

توسل اسی تنگ دائرہ میں محدود نہیں ہے جسے انتہا پسند منکرین توسل نے گمان کر رکھا ہے۔

ہر سلیم الفطرت انسان کے نزدیک یہ حقیقت واضح ہے کہ جس چیز کو اللہ کے نزدیک محبوبیت حاصل ہے اس سے توسل درست ہے۔ اسی طرح ہر محبوب و معظم ہستی خواہ نبی ہو یا ولی اس سے بھی توسل درست ہے۔ اس سے نہ کتاب و سنت مانع ہے نہ عقل انسانی۔ بلکہ نقل و عقل ہر لحاظ سے اس کے جواز پر بکثرت دلائل موجود ہیں۔ اور توسل میں مسئول اور مرجع و مآب صرف اللہ وحدہ لاشریک کی ذات ہے۔ نبی و ولی اور زندہ و وفات یافتہ مخلوق نہیں۔

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ فَمَالِ هَٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا۔ (نساء - ۷۸)

تم کہو سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ ان لوگوں کو کیا ہوا ہے کوئی بات سمجھتے معلوم ہی نہیں ہوتے۔

جب اعمال صالحہ کو وسیلہ بنانا جائز ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانا بدرجۂ اولیٰ جائز ہے۔ کیوں کہ وہ افضل مخلوقات و اعمال ہیں۔ اور اللہ انہیں سب سے زیادہ محبوب رکھتا ہے۔

مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر توسل سے مانع کیا چیز ہے؟ الفاظ توسل کا مفاد یہی تو ہے نہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ الٰہی میں محبوب و مقرب اور صاحب قدر و منزلت ہیں؟ اور توسل کرنے والے کسی شخص کا مطلب اس کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ اب بارگاہ الٰہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت کا جو شخص بھی انکار کرے وہ یقیناً کافر ہے۔

مسئلہ توسل سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جسے وسیلہ بنایا جا رہا ہے اس کی اللہ کے نزدیک عظمت اور اللہ کو اس سے محبت ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانے کی وجہ صرف یہ ہے کہ بارگاہ الٰہی میں انہیں عظمت و محبوبیت حاصل ہے۔

اعمال صالحہ سے توسل پر تو سب کا اتفاق ہے۔ پھر یہ کیوں نہ سمجھا اور کہا جائے کہ انبیاء یا صالحین سے توسل کرنے والا ان کے ان اعمال صالحہ سے توسل کر رہا ہے جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہیں۔ اور حدیث اصحاب غار (روایت بخاری) اس سلسلے میں وارد اور کافی بھی ہے۔ اس طرح اصلاً اعمال صالحہ سے توسل پر سب کا اتفاق ہو جائے گا۔

صالحین سے توسل کرنے والا اسی لئے تو ان سے توسل کرتا ہے کہ وہ صالح ہیں۔ تو بات

اعمال صالحہ ہی تک پہونچتی ہے جس کے جواز پر سب کا اتفاق ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

مذکورہ احادیث و آثار سے توسل کا ثبوت ملتا ہے اور اس کی تائید ہوتی ہے۔
اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ توسل تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ساتھ خاص ہے۔
تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ اس تخصیص پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ بالخصوص ایسی شکل میں کہ روح باقی رہا کرتی ہے اور اسی روح سے احساس و ادراک و شعور کا وجود ہے۔
اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ مردہ شخص سماعت و احساس اور شعور رکھتا ہے۔ بھلائی سے اسے خوشی ملتی ہے۔ اسے فائدہ پہنچتا ہے۔ شر سے اسے تکلیف پہنچتی ہے اور حزن لاحق ہوتا ہے۔ اور یہ معاملہ ہر مردہ انسان کے ساتھ ہے۔
اسی لئے غزوۂ بدر کے موقع پر وہ کفارِ قریش جنہیں قتل کرکے کنویں میں ڈال دیا گیا تھا انہیں آواز دیتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یا عتبہ یا شیبہ یا ربیعہ۔
کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کفار مر کے سڑ گل چکے ہیں۔ انہیں آپ کیوں آواز دے رہے ہیں؟
آپ نے ارشاد فرمایا۔ ما انتم باسمع منھم ولکنھم لایستطیعون۔ تم ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ ہاں یہ ہے کہ انہیں جواب دینے کی طاقت نہیں ہے۔
جب عام انسانوں کی یہ بات ہے تو پھر افضل البشر، اکرم الخلق، اعظم العباد صلی اللہ علیہ وسلم جو جملہ مخلوقات سے کامل احساس و ادراک اور قوی شعور رکھنے والے ہیں ان کی سماعت و ادراک کا کیا کہنا۔
اور احادیث کثیرہ میں اس کی تصریح بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باتیں سنتے ہیں، سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اعمالِ امت آپ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ اور آپ ان کے اعمالِ سیئہ پر استغفار اور اعمالِ حسنہ پر حمدِ الٰہی بجالاتے ہیں۔
انسان کی قیمت در حقیقت اس کے مقدار شعور و احساس و ادراک سے ہے۔ اس کی

حیات سے نہیں۔ ہم بہت سے زندہ انسانوں کو دیکھتے ہیں کہ غباوتِ طبع اور قلبِ ذوق کے ساتھ انسانی شعور و احساس سے بھی محروم ہیں۔ ان کی حیات سے کسی کو کچھ فائدہ نہیں حاصل ہوتا اور وہ مردہ کی صف میں شمار کیے جاتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

بعد وصال! نبی کریم کی قوت سماعت و رویت و معرفت کا انکار ایک جاہلانہ شیوہ

انہیں مردوں میں ان کا بھی شمار ہے جو اس جاہلانہ شیوہ کو اپنائے ہوئے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے نہ ہمیں پہچانتے ہیں۔ نہ ہمارے لئے اللہ سے دعا کرتے ہیں۔

اس سے بڑی جسارت اور قبیح جہالت اور کیا ہو سکتی ہے؟ جس کے اندر بارگاہِ نبوی میں شدید تنقیص و بے ادبی بھی شامل ہے۔ حالاں کہ احادیث و آثار کثیرہ سے ثابت ہے کہ مردہ خواہ مومن ہو یا کافر وہ سنتا ہے، احساس رکھتا ہے اور پہچانتا بھی ہے۔

اس سلسلے میں شیخ ابن قیم نے بھی کتاب الروح میں لکھا ہے کہ مردہ کی سماعت و احساس پر سلف کا اجماع ہے اور ان کے آثار کا تواتر ہے۔

اسی طرح اس مسئلہ پر شیخ ابن تیمیہ نے بھی ایک فتویٰ میں اس کی تائید کی ہے۔ الفتاویٰ ج ۲۴ ص ۳۳۱ و ص ۳۶۲۔

جب عام بشر کے سلسلے میں یہ سماعت و ادراک ثابت ہے تو پھر عام اہل ایمان اور خاص مقرب بندگان خدا اور ان سے آگے بڑھ کر سید الاولین و الآخرین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تم کیا کہو گے؟

اپنی اسی کتاب کی بحث الحیاۃ البرزخیہ حیاۃ حقیقیۃ میں بعنوان حیاۃ خاصۃ بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے اس مسئلہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

توسل کے قائل علماء و ائمہ کرام

چند ائمہ کبار و حفاظ السنۃ جو جوازِ توسل کے قائل ہیں ان کے اسمار گرامی ذیل میں درج

کئے جاتے ہیں۔

(۱) الامام الحافظ ابوعبد اللہ الحاکم ——— اپنی کتاب المستدرک میں آپ نے حدیث توسل آدم بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کیا ہے اور اسے حدیث صحیح کہا ہے۔

(۲) الامام الحافظ ابوبکر البیہقی ——— اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں حدیث آدم کو آپ نے بیان کیا ہے۔ اس کتاب میں موضوعات بالکل نہیں ہیں۔

(۳) الامام الحافظ جلال الدین السیوطی ——— اپنی کتاب الخصائص الکبریٰ میں حدیث توسل آدم کو آپ نے بیان کیا ہے۔

(٤) الامام الحافظ ابوالفرج ابن الجوزی ——— اپنی کتاب الوفا میں آپ نے یہ حدیث اور دیگر مسائل توسل درج کئے ہیں۔

(۵) الامام الحافظ القاضی عیاض المالکی ——— اپنی کتاب الشفا فی التعریف بحقوق المصطفیٰ کے باب الزیارۃ و باب فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں توسل سے متعلق بہت تفصیل سے آپ نے لکھا ہے۔

(٦) الامام الشیخ نورالدین القاری المعروف بہ ملاعلی قاری ——— نے شرح شفار میں مذکورہ مقامات پر اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے۔

(۷) العلامہ احمد شہاب الدین الخفاجی ——— نے شرح شفا موسوم بہ نسیم الریاض میں مذکورہ مقامات پر اضافہ کیا ہے۔

(۸) الامام الحافظ القسطلانی ——— نے اپنی کتاب المواہب اللدنیہ کے مقصد اول میں لکھا ہے۔

(۹) العلامہ الشیخ محمد عبد الباقی الزرقانی ——— نے شرح مواہب ج ۱ ص ٤٤ پر لکھا ہے۔

(۱۰) الامام شیخ الاسلام ابوزکریا یحییٰ النووی ——— نے اپنی کتاب الایضاح کے الباب السادس ص ٤٩٨ پر لکھا ہے۔

(۱۱) العلامہ ابن حجر الہیثمی ——— نے اپنے حاشیہ علی الایضاح کے ص ٤٩٩ پر لکھا ہے

اور الجوہر المنظم کے نام سے اس موضوع پر ان کا ایک رسالہ بھی ہے۔

(۱۲) الحافظ شہاب الدین محمد بن محمد بن الجوزی الدمشقی ــــ نے اپنی کتاب عدة الحصن الحصین کے فصل آداب الدعا میں لکھا ہے۔

(۱۳) العلامۃ الشیخ محمد بن علی الشوکانی ــــ نے اپنی کتاب تحفۃ الذاکرین کے ص ۱۶۱ پر لکھا ہے۔

(۱٤) العلامہ الامام المحدث علی بن عبد الکافی السبکی ــــ نے اپنی کتاب شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام میں لکھا ہے۔

(۱۵) الحافظ عماد الدین ابن کثیر ــــ نے اپنی تفسیر میں زیر آیت ولو انهم اذ ظلموا انفسهم الخ لکھا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر توسل کرنے والے اعرابی کا جو واقعہ عتبی نے بیان کیا ہے، اسے ذکر کیا ہے اور اس پر کسی طرح کا اعتراض نہیں کیا۔

توسل آدم بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ بیان کیا ہے اور اسے موضوع نہیں کہا۔ البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۸۰۔

اس شخص کا واقعہ بھی لکھا ہے جو قبر نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام پر حاضر ہوا اور اس نے توسل کیا۔ اور کہا۔ ان اسنادها صحيح۔ ج ۱ ص ۹۱۔

یہ بھی ذکر کیا کہ مسلمانوں کا شعار یا محمداہ ہے۔ ج ٦ ص ۳۲٤۔

(۱٦) الامام الحافظ ابن حجر ــــ آپ نے بھی اس شخص کا واقعہ نقل کیا ہے جو قبر نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام پر حاضر ہوا اور اس نے توسل کیا۔ اور کہا کہ اس واقعہ کی سند صحیح ہے۔ فتح الباری ج ۲ ص ٤۹۵۔

(۱۷) الامام المفسر ابو عبد اللہ القرطبی ــــ نے بھی زیر آیت ولو انهم اذ ظلموا انفسهم الخ جواز توسل کے بارے میں لکھا ہے۔ ج ۵ ص ۲٦۵۔

صحابۂ کرام
نبی کریم سے امیدوارِ شفاعت

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب شفاعت جائز نہیں۔ اور کچھ متشددین کا گمان ہے کہ ایسا کرنا شرک و گمراہی ہے۔ ان کا استدلال اس آیت کریمہ سے ہے۔ قُلْ لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا۔ (زمر - ٤٤)

تم کہو شفاعت تو سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

اس آیت سے یہ استدلال باطل ہے۔ اور ان کے اس استدلال سے ان کی فہم فاسد کا پتہ چلتا ہے۔ جس کی دو وجہیں ہیں۔

۱۔ کتاب یا سنت کی کوئی ایسی نص نہیں جو دنیا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب شفاعت کے لئے مانع ہو۔

۲۔ اس آیت سے دوسری آیات قرآنی کی طرح صرف اس کا علم ہوتا ہے کہ سب کچھ اللہ ہی کا ہے۔ اسی کے لئے خاص ہے۔ ملک اس کا ہے اور امر و حکم اور تصرف اس کا ہے۔ البتہ وہ کسی کو کچھ دینا چاہے تو کوئی اسے روکنے والا بھی نہیں۔ وہی مالک الملک ہے جسے چاہے دے اور جس سے چاہے چھین لے۔ وہ ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ (تغابن - ۱) اسی کی ساری سلطنت ہے اور اسی کی ساری تعریف۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو مالک الملک بھی کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے۔

تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ۔ (آل عمران - ٢٦)

جسے چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے۔

ایک جگہ اس نے یہ فرمایا ہے۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا۔ (فاطر - ۱۰)
جسے عزت کی چاہ ہو تو ساری عزت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

اور دوسری جگہ یہ بھی فرمایا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ (منافقون - ۸)
اور عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کے لئے ہے۔

شفاعت کے بارے میں اس نے یہ فرمایا ہے۔ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا۔ (زمر - ٤٤)
تم کہو شفاعت تو سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

اور یہ بھی فرمایا ہے۔ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا۔ (مریم - ۸۷)
لوگ شفاعت کے مالک نہیں۔ ان کے سوا جنہوں نے رحمٰن کے پاس عہد و قرار رکھا ہے۔

اور یہ بھی فرمایا ہے۔ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۔ (زخرف - ۸٦)

اللہ کے سوا جنہیں یہ پوجتے ہیں وہ مالک شفاعت نہیں۔ ہاں! شفاعت وہ کرسکتے ہیں جو حق کی گواہی دیں اور علم رکھیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے جسے جو چاہا وہ عطا کیا۔ عزت جو صرف اسی کے لئے ہے۔ اسے جیسے اور جس طرح اس نے چاہا اپنے رسول اور اہل ایمان کو بھی دیا۔

اسی طرح شفاعت جو صرف اسی کے لئے ہے اسے انبیاء و مرسلین اور اپنے صالح بندوں کو اس نے عطا فرمایا۔ بلکہ بہت سے عام مسلمانوں کو بھی اس نے دیا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔ انسان اپنے مالک سے کچھ مانگے تو اس میں حرج کیا ہے؟ بالخصوص ایسی صورت میں جب کہ مالک و مسئول کریم و جواد ہو اور سائل شدید ضرورت مند و محتاج ہو۔

شفاعت، دعا ہی تو ہے۔ اور دعا، ماذون بھی ہے مقبول بھی ہے۔ خصوصاً انبیاء و صالحین اپنی حیات میں اور بعد وفات اپنی قبر اور قیامت میں اس دعا کے لئے ماذون و مقبول ہیں۔ تو شفاعت کی ہر اس شخص کو اجازت ہے جس نے اللہ سے عہد باندھا ہو۔ اور ہر صاحب ایمان کے حق میں اس کی شفاعت اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے قبول بھی فرمائے گا۔

صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کا سوال کیا اور آپ نے یہ نہیں فرمایا

کہ مجھ سے طلب شفاعت شرک ہے اس لئے یہ شفاعت اللہ سے طلب کرو اور اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

انس بن مالک عرض کرتے ہیں۔ اے اللہ کے نبی! قیامت کے دن میری شفاعت فرمائیں۔ تو آپ ارشاد فرماتے ہیں۔ انا فاعل انشاء اللہ ۔ میں انشاء اللہ تمہاری شفاعت کروں گا ۔

رواہ الترمذی وحسنہ فی باب ماجاء فی صفة الصراط ۔

حضرت انس کے علاوہ دوسرے صحابہ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب شفاعت کیا ہے۔

سواد بن قارب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آپ کے سامنے یہ اشعار پیش کرتے ہیں۔

واشهد ان الله لارب غيره

وانك مامون على كل غائب

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی رب نہیں۔ اور اے رسول آپ ہر پوشیدہ چیز سے باخبر ہیں۔

وانك ادنى المرسلين وسيلة

الى الله يا ابن الاكرمين الاطائب

اور سارے رسولوں میں آپ کا وسیلہ اللہ سے قریب تر ہے۔ اے پاکیزگی و شرافت والوں کے فرزند۔

آخر میں سواد بن قارب عرض کرتے ہیں۔

فكن لى شفيعا يوم لا ذو شفاعة

سواك بمغن عن سواد بن قارب

تو آپ اس دن میری شفاعت کریں جس دن آپ کے سوا سواد بن قارب کو کسی کی شفاعت کچھ فائدہ پہنچا کر بے نیاز نہ کر سکے۔

رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ ۔ ورواہ ایضا ابن عبد البر فی الاستیعاب ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواد بن قارب کی اس طلب شفاعت پر کوئی نکیر نہیں فرمائی بلکہ ان کی حوصلہ افزائی فرمائی ۔

مازن بن العضوب جب اسلام لا کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو یہ اشعار آپ کی خدمت

میں پیش کرکے انہوں نے بھی طلب شفاعت کیا۔

الیک رسول اللہ خبت مطیتی

تجوب الفیافی من عمان الی العرج

یارسول اللہ! میری سواری عمان سے عرج تک کے صحراو بیابان کو عبور کرتی ہوئی آپ کی بارگاہ تک پہنچی۔

لتشفع لی یا خیر من وطئ الحصا

فیغفرلی ربی فارجع بالفلج

کہ اے زمین پر چلنے والوں میں سب سے بہتر! آپ میری شفاعت فرمائیں تو میرا رب میری مغفرت فرمادے اور میری کامیاب واپسی ہو۔

رواہ ابونعیم فی دلائل النبوۃ ص ۷۷۔

عکاشہ بن محصن نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت طلب شفاعت کیا جب آپ نے فرمایا کہ ستر ہزار مسلمان بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔ عکاشہ نے اس وقت عرض کیا۔ ادع اللہ ان یجعلنی منھم ۔آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے بھی انہیں لوگوں میں شامل فرمادے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت بلا توقف کے فوراً ارشاد فرمایا۔ انت منھم تم انہیں میں شامل رہوگے۔

یہ واضح ہے کہ شفاعت سے پہلے ہی یہ شفاعت کسی بھی اہل ایمان کو حاصل نہیں ہوگی۔ اور اہل قیامت کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ جو احادیث متواترہ سے ثابت ہے اس کے بعد یہ شفاعت میسر آتے گی۔ تو یہاں اس کا مطلب آپ سے طلبِ شفاعت ہی ہے۔

احادیث مبارکہ میں اس کی بہت سی نظیریں موجود ہیں۔ اور یہ ساری احادیث بتلاتی ہیں کہ دنیا میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب شفاعت جائز ہے۔

کچھ صحابہ نے متعین اور واضح طور پر آپ سے اس طرح طلبِ شفاعت کیا ہے کہ آپ میری شفاعت فرمائیں۔ یا آپ سے طلب دخول جنت کیا۔ یا یہ طلب کیا کہ میں جنت میں داخل ہونے والے سابقین میں سے رہوں۔ یا یہ کہ میں حوض کوثر سے سیرابی حاصل کروں۔ یا یہ کہ جنت میں

مجھے آپ کی رفاقت کی سعادت حاصل ہو۔ جیسے ربیعہ بن کعب اسلمی نے آپ سے عرض کیا۔ اسئلك مرافقتك فی الجنة۔ میں جنت میں آپ کی رفاقت کا طلب گار ہوں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہدایت فرمائی کہ کثرتِ سجود سے اپنے لئے میری مدد کرو۔ آپ نے ان سے یا کسی سے یہ نہیں فرمایا کہ مجھ سے طلبِ جنت یا طلبِ رفاقت یا تمنائے جنت یا سیرابیٔ حوض کوثر وغیرہ حرام ہے۔ اور اس وقت ان کی طلب ناجائز ہے۔ ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے۔ اور انتظار کرو اس وقت کا جب اللہ مجھے اذنِ شفاعت یا دخولِ جنت یا سیرابیٔ حوضِ کوثر مرحمت فرمائے گا تب تم لوگ مجھ سے ان چیزوں کی طلب کرنا۔ اس طرح کی کوئی بات آپ نے نہیں فرمائی۔

حالاں کہ یہ سارے امور مطلوبہ شفاعت عظمیٰ کے بعد ہی عمل میں آئیں گے۔ تو صحابہ کرام کا مقصود طلب شفاعت ہی ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں امور مطلوبہ کی بشارت بھی دی۔ اور ایسا وعدہ فرمایا جس سے ان کی ڈھارس بندھ جائے۔ دل مسرور ہوں اور آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ اور ایسا کرنا آپ کے لئے ہرگز ممنوع نہ تھا۔ اور ایسا بھی نہیں کہ آپ نے انہیں محض خوش کرنے کے لئے کہہ دیا ہو۔ کیوں کہ حق کے سلسلے میں آپ لومۃ لائم کی پرواہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔ اور تسلی ودلجوئی صرف دائرہ حق میں ہی ہوا کرتی تھی جس میں کذب ونفاق وغیرہ کا دور دور تک کوئی شائبہ بھی نہ ہو۔

جب آخرت سے پہلے اس دنیا میں ہی آپ سے طلبِ شفاعت درست ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز حقیقۃً اس طالبِ شفاعت کو شفاعت نصیب ہوگی جب اللہ اذنِ شفاعت سے سرفراز فرمائے گا۔ یہ نہیں کہ اس دنیا میں وقت سے پہلے ہی طالبِ شفاعت کو شفاعت مل جائے گی۔

درحقیقت اس کی مثال ان خوش قسمت اہل ایمان جیسی ہے جنہیں جنت کی بشارت اس دنیا ہی میں مل چکی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وقت متعین پر جب اللہ تعالیٰ دخولِ جنت کا اذن مرحمت فرمائے گا اس وقت بروز قیامت یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ اس دنیا میں رہتے ہوتے یا برزخی زندگی ہی میں جنت میں نہیں چلے جائیں گے۔ میرا خیال ہے کہ کوئی عام سمجھ دار مسلمان بھی اس کے خلاف عقیدہ نہیں رکھتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دنیا ہی میں طلب شفاعت جب جائز ہے تو پھر آپ کے وصال کے بعد آپ سے طلبِ شفاعت میں کوئی حرج نہیں۔ کیوں کہ اہل سنت وجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام برزخ میں زندہ ہیں۔ اور ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس حیاتِ برزخی میں سارے انبیاء سے زیادہ علم وکمال والے ہیں۔ وہ کلام سنتے ہیں۔ اعمالِ امت ان پر پیش کیے جاتے ہیں۔ اپنی امت کے لئے وہ اللہ سے استغفار کرتے ہیں۔ اس کی حمد بجالاتے ہیں۔ زمین کے کسی گوشہ سے کوئی مسلمان درود بھیجے تو وہ آپ تک پہنچتا ہے۔ حدیث صحیح میں وارد ہے۔

حیاتی خیر لکم تحدثون وتحدث لکم۔ ومماتی خیر لکم تعرض اعمالکم علیّ۔ فان وجدت خیرا حمدت اللہ۔ وان وجدت شرا استغفرت اللہ لکم۔ و ھذا الحدیث صححہ من الحفاظ۔ العراقی والھیثمی و القسطلانی والسیوطی و اسمٰعیل القاضی وقد فصلنا تخریجہ فی غیر ھذا الموضع۔

میری حیات تمہارے لئے بہتر ہے۔ تم بات کرتے ہو اور تمہارے لئے بات کی جاتی ہے اور میری موت تمہارے لئے بہتر ہے۔ تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جائیں گے۔ ان میں اگر میں بھلائی پاؤں گا تو حمدِ الٰہی بجالاؤں گا اور برائی دیکھوں گا تو تمہارے لئے اللہ سے استغفار کروں گا۔

رسول اکرم سے اس وقت بھی اگر کوئی طلبِ شفاعت کرے تو آپ اس بات پر قادر ہیں کہ اس کے لئے اللہ سے دعا وسوال کریں۔ بالکل اسی طرح جیسے آپ اپنی حیاتِ مقدسہ میں قبل وصال کیا کرتے تھے۔ یہی ہمارا عقیدہ ہے جو ہمارے قلوب میں راسخ اور جاگزیں ہے۔

ابن تیمیہ کے نزدیک آیاتِ شفاعت کی تفسیر

اس تفسیر کا مفاد یہ ہے کہ اس دنیا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے طلبِ شفاعت جائز ہے۔
فتاوی شیخ ابن تیمیہ میں ہے۔
منکرینِ شفاعت ان آیاتِ کریمہ سے استدلال کرتے ہیں۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ۔ (بقرہ - ۴۸)

اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی جان کسی جان کا بدلہ نہ ہو پائے گی اور جس دن کسی کافر کے لئے کوئی سفارش قبول نہ کی جائے گی نہ کچھ لے کر اس کی جان چھوڑی جائے گی۔

وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ۔ (بقرہ - ۱۲۳)

نہ کسی جان کو کچھ لے کر چھوڑا جائے نہ کسی کی سفارش کوئی فائدہ پہنچائے۔

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ۔ (غافر - ۱۸)

ظالموں کا نہ کوئی دوست نہ سفارشی جس کی بات مانی جائے۔

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ۔ (مدثر - ۴۸)

تو انہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش فائدہ نہ پہنچائے گی۔

اہل سنت کی طرف سے جواب دیا جاتا ہے کہ یہاں دو چیزیں مراد ہیں۔

۱۔ مشرکین کو شفاعت کا کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ. قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ. وَ لَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ. وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ. وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ. حَتّٰى اَتٰنَا الْيَقِيْنُ. فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ۔ (مدثر ۴۲ - ۴۸)

تمہیں کیا بات دوزخ میں لے گئی۔ وہ بولے ہم نماز نہ پڑھتے تھے۔ اور مسکین کو کھانا نہ کھلاتے تھے۔ اور بے ہودہ فکر والوں کے ساتھ بیہودہ فکر کرتے تھے۔ اور روز جزا کو جھٹلاتے تھے۔ یہاں تک کہ ہمیں موت آئی۔ تو انہیں سفارشیوں کی سفارش کام نہ دے گی۔

ان کے بارے میں صاف کہا گیا ہے کہ سفارش کرنے والوں کی کوئی سفارش انہیں فائدہ نہیں پہنچائے گی کیوں کہ یہ کافر و مشرک ہیں۔

۲۔ اس شفاعت کی نفی ہے جو اہل شرک یا ان سے ملتے جلتے کتابی و بد مذہب مسلمان جن کا گمان ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں کچھ معزز لوگ اس کے اذن کے بغیر بھی شفاعت کر سکیں گے۔ جیسے انسان آپس میں ایک دوسرے کی سفارش کرتے ہیں تو طمع و خوف یا معاوضہ کے لئے ان کی سفارش مان لی جاتی ہے۔

مشرکین نے انبیاء، ملائکہ و صالحین کو اپنا شفیع بنا رکھا تھا۔ ان کے مجسمے بنا کر اُن سے

طلبِ شفاعت کیا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ یہ اللہ کے خواص و مقربین ہیں۔

مندرجہ بالا ساری تحریر شیخ ابن تیمیہ کی ہے۔ جس سے ان آیات کی حقیقت خوب اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے جن سے منکرین یہ استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دنیا میں طلبِ شفاعت جائز نہیں۔ یا اسے شرک و گمراہی قرار دیتے ہیں۔

تفسیر ابن تیمیہ کا خلاصہ یہ ہے کہ شفاعت کسی مشرک کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی اور اسی سلسلے میں مذکورہ آیات کا نزول بھی ہوا ہے۔ یا اس شفاعت کی نفی ہے جو اہل شرک کی ہے کہ ان کے اعتقاد کے مطابق بغیر اذن الٰہی بھی شفاعت کی جا سکتی ہے۔

شفاعت کا جو نظریہ شیخ ابن تیمیہ نے یہاں بیان کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ بفضلہ تعالیٰ شفاعت کے اسلامی تصور ہی پر ہمارا اعتقاد ہے۔ اور ہم صراحۃً کہتے ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی شخص اس عقیدت یا گمان کے تحت طلبِ شفاعت کرے کہ وہ اذنِ الٰہی کے بغیر شفاعت فرمائیں گے تو یہ بلاشبہ شرک یا گمراہی ہے۔ لیکن حاشا وکلا ثم حاشا وکلا اس طرح کا ہمارا نہ عقیدہ ہے نہ گمان اور ہم بارگاہِ الٰہی میں اس سے اظہارِ برأت کرتے ہیں۔

ہم طلبِ شفاعت کرتے ہیں تو ہمارا عقیدہ ہوتا ہے کہ بغیر اذنِ الٰہی کوئی بھی شفاعت نہیں کر سکتا۔ اور اللہ کی مشیت و مرضی اور اس کی توفیق کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔

طلب شفاعت کی مثال ایسی ہی ہے جیسے دخولِ جنت کی طلب، حوضِ کوثر سے سیرابی کی طلب، پلِ صراط سے نجات کی طلب۔ یہ ساری چیزیں اذنِ الٰہی سے اپنے مقررہ وقت ہی پر ہوں گی اور اس میں کسی صاحب عقل کو کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ چھوٹے سے چھوٹا طالب علوم اسلامیہ جس نے کتبِ اسلاف کا مطالعہ کر رکھا ہے اس پر بھی یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہوگی۔

اللھم افتح مسامع قلوبنا و نور ابصارنا۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا معنیٰ

استعانت واستغاثہ وطلب وسوال ونداء میں اصل یہ ہے کہ اللہ سبحٰنہ وتعالیٰ ہی سے ہوں کیوں کہ وہی مُعین ومُغیث ومجیب ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ۔ (یونس ۱۰۶)
اور اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کر جو نہ تجھے نفع پہنچا سکے نہ نقصان۔ پھر اگر تو ایسا کرے تو اس وقت تو ظالموں میں سے ہوگا۔ اور اگر اللہ تجھے کوئی نقصان پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اسے ٹالنے والا نہیں۔

فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ۔ (عنکبوت ۔ ۱۷)
تو اللہ کے پاس رزق ڈھونڈھو اور اسی کی عبادت کرو۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗۤ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۔ (احقاف ۔ ۵)
اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون جو اللہ کے سوا ایسوں کی عبادت کرے جو قیامت تک اس کی نہ سنیں۔

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَكْشِفُ السُّوْٓءَ۔ (نمل ۔ ۶۲)
یا وہ جو مجبوروں کی پکار سنتا ہے اور مصیبت دور کرتا ہے۔

تمام اقسام عبادت اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے خاص ہیں۔ کسی قسم کی عبادت کسی بھی وقت غیر اللہ کے لئے جائز نہیں۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔ (انعام ۔ ۱۶۳)

تم کو میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب اللہ کے لئے ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہی مجھے حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔

نذر ہو تو اللہ کے لئے ہو۔ دعا صرف اس سے کی جائے۔ ذبیحہ پر صرف اس کا نام لیا جائے۔ استغاثہ، استعانت، استعاذہ سب کچھ اللہ سے ہو۔ حلف اللہ ہی کے نام پر ہو۔ اور توکل صرف اسی پر کیا جائے۔ سبحٰنہ وتعالیٰ عما یشرك به المشركون علوا کبیرا۔

اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کا اور ان کے افعال کا خالق ہے۔ اس کے سوا کسی زندہ مردہ کی کوئی تاثیر نہیں۔ اللہ کے ساتھ کوئی بھی کسی فعل یا ترک یا رزق یا زندگی دینے یا مارنے میں شریک نہیں۔ نہ کوئی مخلوق کسی فعل یا ترک پر بالذات قادر ہے۔ نہ کسی چیز میں اعلیٰ یا ادنیٰ سطح پر کوئی اللہ کا شریک و سہیم ہے۔

کائنات میں تصرف کرنے والا صرف اللہ سبحٰنہ وتعالیٰ ہے۔ کوئی خود اپنی جان کا مالک ہے نہ کسی دوسرے کی جان کا مالک ہے۔ نفع و نقصان، موت و حیات کسی چیز میں کوئی کسی کا مالک نہیں۔

الا ما شاء اللہ باذن اللہ۔

نفع و ضرر کا اللہ کی جانب سے کسی کو اذن ملے تو اس کی بھی ایک حد اور قید ہے۔ اور مخلوق کی طرف اس کی نسبت بر سبیل سببیت و تکسب ہے۔ بر سبیل خلق یا ایجاد یا تاثیر یا علۃ یا قوۃ نہیں۔ اور یہ نسبت بھی مجازی ہو گی حقیقی نہیں۔

ان حقائق کی تعبیر میں[1] لوگوں کا اختلاف ہے۔ کچھ لوگ استعمال مجاز میں حد سے آگے تجاوز کر جاتے ہیں جس سے خود ان کے مقصود کے خلاف لفظی اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے حالانکہ ان کا دل اور وہ خود اس سے بری ہوتے ہیں۔ اور کمال توحید و تنزیہ باری تعالیٰ پر ان کا مکمل ایمان ہوتا ہے۔

اور بعض لوگ تمسک بالحقیقۃ کے نام پر حد اعتدال سے آگے بڑھ کر تشدد و انتہاپسندی پر اتر آتے ہیں۔ لوگوں کے معاملات و معمولات میں ان کے عقیدہ کے برعکس اتہام و بہتان تراشی کرنے لگتے ہیں۔ بدتمیزی و بے ادبی سے پیش آتے ہیں۔ ان کی طرف ایسی بات منسوب کرتے ہیں جو

---

[1] "مجاز عقلی اور اس کا استعمال" کی بحث میں تفصیلات ملاحظہ فرمائیں

ان کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں۔ اور ان پر ایسا حکم عائد کر ڈالتے ہیں جن سے وہ ہر طرح بری الذمہ ہیں۔

حالاں کہ ضروری یہ ہے کہ اعتدال و توازن کا رویہ اختیار کیا جائے اور کسی کی نیت و مقصود کے خلاف اس کی طرف کسی خیال وعمل کو منسوب نہ کیا جائے۔ یہی دین کے لئے محفوظ طریقہ اور مقام توحید کی حمایت کے لئے بہتر احتیاطی تدبیر ہے۔ واللہ اعلم۔

حق سبحٰنہ وتعالیٰ سے مختص جن عقائد کا خلاصہ شیخ ابن تیمیہ نے نہایت جامع طور پر تحریر کیا ہے وہ بڑا ہی مبنی برحقیقت اور عین اسلامی عقیدہ پر مشتمل ہے۔

شیخ ابن تیمیہ نے لکھا ہے۔

اللہ سبحٰنہ وتعالیٰ کے حقوق میں کوئی مخلوق شریک نہیں۔ اس لئے عبادت صرف اللہ کے لئے ہے۔ دعا صرف اسی سے ہے۔ توکل صرف اسی پر ہے۔ امید صرف اسی سے ہے۔ خوف صرف اسی سے ہے۔ اس کے علاوہ کوئی ملجا وماویٰ نہیں۔ بھلائیاں وہی عطا کرتا ہے۔ برائیاں وہی مٹاتا ہے۔ طاقت وقوت صرف اسی کی ہے۔

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ۔ (سبا۔ ۱۳)

اور اس کے پاس شفاعت مفید نہیں ہوگی مگر اس کی جسے اللہ کا اذن حاصل ہو۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔ (بقرہ۔ ۲۵۵)

کون ہے جو اللہ کے اذن کے بغیر اس کے پاس شفاعت کرے۔

اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا۔ لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا۔ وَكُلُّهُمْ اٰتِیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَرْدًا۔ (مریم۔ ۹۳-۹۵)

آسمانوں اور زمینوں میں جتنے ہیں وہ سب اس رحمٰن کے حضور بندے ہو کر حاضر ہوں گے۔ بیشک وہ ان کا شمار جانتا ہے اور انہیں ایک ایک کر کے گن رکھا ہے۔ اور سب کے سب قیامت میں اس کے حضور تنہا حاضر ہوں گے۔

حدیث شریف

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَخْشَ اللّٰهَ ۔کافی حدیثہ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ۔ (نور۔ ۵۲)

اور جو اطاعت کرے اللہ اور اس کے رسول کی اور اللہ سے ڈرے اور پرہیزگاری کرے تو

ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں۔

اس آیت میں طاعت کا اللہ نے اپنے لئے اور رسول کے لئے حکم دیا ہے لیکن خشیت و تقویٰ کو اللہ نے اپنے لئے خاص کردیا ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۔ (توبہ۔ ۵۹)

اور اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور اس کے رسول نے انہیں دیا ہے۔

وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۔ (توبہ۔ ۵۹)

اور کہتے ہمارے لئے اللہ کافی ہے۔ اب دیتا ہے اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول۔ ہمیں اللہ ہی سے رغبت ہے۔

مذکورہ دونوں آیات میں پہلی آیت کے اندر ایتاء۔ اللہ و رسول دونوں کے لئے ہے اور دوسری آیت میں توکل و رغبت کو اللہ کے لئے خاص کردیا گیا ہے۔

(کذا فی الفتاویٰ لابن تیمیہ ج ۱۱ ص ۹۸)

نبی کریم سے طلب و استعانتِ صحابہ کرام

گزشتہ سطور میں ہم لکھ چکے ہیں کہ استعانت و استغاثہ و طلب و سوال و ندا ر میں اصل یہ ہے کہ اللہ سبحٰنہ و تعالیٰ سے ہو کیوں کہ وہی معین و مغیث و مجیب ہے۔ جیسا کہ اس کا ارشاد ہے۔ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۔ (مومن ۔ ۶۰)

اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

جو شخص کسی زندہ یا وفات یافتہ سے استعانت یا استغاثہ یا طلب یا سوال یا ندا کرے اور اس کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ جسے ندا دے رہا ہے اور استعانت وغیرہ کررہا ہے وہ بالذات مالکِ نفع و ضرر ہے تو ایسا شخص مشرک ہے۔

لیکن اللہ نے مخلوق کو اس کا اذن دے رکھا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی مدد لیں۔ ایک دوسرے سے استغاثہ و استعانت کی اجازت بھی دی ہے۔ یہ بھی حکم دے رکھا ہے کہ جس سے استعانت کی جائے وہ اعانت کرے جس سے سوال کیا جائے وہ فریاد رسی کرے۔ جسے پکارا جائے وہ اسے

سنے اور مدد کرے۔

اس سلسلے میں بہت سی احادیث وارد ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مصیبت زدہ کی مدد کی جائے ضرورت مند کی اعانت کی جائے اور دوسروں کی پریشانیاں دور کی جائیں۔

اور جن انبیاء و صالحین کو بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ بنا کر فریاد رسی و دفعِ بلا کے لئے ان سے استغاثہ کیا جاتا ہے ان سب کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت و حیثیت سب سے عظیم و جلیل ہے۔

یومِ قیامت سے بڑھ کر آفت و مصیبت کا اور کون سا دن ہوگا جس کا دن بڑا ہی لمبا ہوگا۔ ہر طرف ہجومِ خلق ہوگا۔ گرمی اور پسینہ سے کروڑوں مخلوق کا بُرا حال ہوگا۔ لیکن اس ہولناک مصیبت کے باوجود لوگ بارگاہِ الٰہی میں استغاثہ کے لئے صالحین و ابرار کو وسیلہ بنائیں گے جیسا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگ ایسے عالم میں حضرت آدم سے استغاثہ کریں گے۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ استغاثہ کا استعمال کیا ہے جو صحیح بخاری میں موجود ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استعانت و استغاثہ کرتے تھے۔ طلب شفاعت کرتے تھے۔ مرض و محتاجی، قرض و مصیبت اور ہر آزمائش و بے بسی کے وقت آپ سے عرض حال کیا کرتے تھے۔ آلام و شدائد کے وقت آپ کے دربار میں پہنچ کر فریاد رسی کی درخواست کیا کرتے تھے۔ اور ان سارے مواقع پر صحابہ کرام کا یہی عقیدہ ہوا کرتا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نفع و ضرر میں واسطہ و سبب ہیں فاعل حقیقی صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔

چند واقعاتِ طلب و استعانتِ صحابۂ کرام

ابوہریرہ کی شکایتِ نسیان :۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شکایت کی کہ حدیث شریف سن کر وہ بھول جاتے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ سے بہت کافی حدیثیں سنتا ہوں مگر انہیں بھول جاتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ بھولنے نہ پاؤں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اپنی چادر پھیلاؤ۔ انہوں نے چادر کو پھیلا دیا۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے چادر میں ہوا پھینکی اور حکم دیا کہ اسے اپنے سینے سے لگالو۔ تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد ابوہریرہ کہتے ہیں۔ فما نسیت شیئا۔ پھر میں کچھ بھی نہیں بھولا۔

رواہ البخاری فی کتاب العلم باب حفظ العلم رقم الحدیث ۱۱۹۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ابوہریرہ یہی تو طلب کر رہے ہیں کہ اب میں کچھ نہ بھولوں۔ میرے اوپر نسیان نہ طاری ہو۔ اور یہ ایسی طلب ہے جس کی تکمیل پر صرف اللہ وحدہ لاشریک قادر ہے۔ لیکن نبی اکرم نے ابوہریرہ کو نہ برا بھلا کہا نہ یہ فرمایا کہ تم شرک کر رہے ہو۔

ہر شخص جانتا ہے کہ موحد جب اللہ تبارک وتعالیٰ کے کسی جاہ وعزت والے بندے سے کچھ طلب کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ مقرب بندہ کسی چیز کی تخلیق کرے اور خود سے کچھ کرے اور اس طالب کا اس کے بارے میں ایسا عقیدہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ کوئی چیز تخلیق کرسکتا ہے اور بے اذن الٰہی کچھ کرسکتا ہے۔ اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے اسے دعا کی جو قدرت دے رکھی ہے اور اپنی مشیت کے مطابق جتنے تصرف کی قوت دے رکھی ہے اس دعا وتصرف سے وہ سبب وذریعہ بن جاتے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوہریرہ کی طلب پوری کردی۔ اور اس روایت میں کہیں نہیں ہے کہ انہوں نے اس سلسلے میں کوئی دعا کی۔ بلکہ انہوں نے ہاتھوں میں ہوا لے کر اسے ان کی چادر میں ڈال دیا اور حکم دیا کہ اسے سینے سے لگالیں۔ اور پھر یہی چیز اللہ کے فضل سے ان کے لئے تکمیل حاجت کا سبب بن گئی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوہریرہ سے یہ بھی نہیں فرمایا کہ تم مجھ سے سوال کیوں کر رہے ہو۔ اللہ تم سے زیادہ قریب ہے اسی سے سوال کرو۔

ہر شخص کو معلوم ہے کہ حوائج کی تکمیل میں معتمد اور ملجأ وماویٰ اصلاً وہی ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں امور ومعاملات کی کنجیاں ہوں۔ تو یہاں حقیقۃً طلب اللہ عزوجل سے ہے اور مجازاً عرض حاجت نبی اکرم سے ہے۔ کیوں کہ وہ اللہ سے زیادہ قریب ہیں اور بارگاہِ الٰہی میں انہیں قدر ومنزلت حاصل ہے۔

قتادہ کا استغاثہ:۔ قتادہ بن نعمان کی آنکھوں کا ڈھیلا بہہ کر ان کے رخسار پر آگیا تھا جسے لوگوں نے کاٹ کر الگ کر دینا چاہا۔ قتادہ نے کہا، ہرگز نہیں۔ پہلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے لوں اس کے بعد کچھ ہو سکتا ہے۔ پھر قتادہ نے آپ سے پوچھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا، نہیں۔ پھر اپنی ہتھیلی ان کی آنکھ کے ڈھیلے پر رکھ کر اسے کچھ اشارہ کر کے جنبش دی تو وہ بالکل اپنی پرانی حالت میں آگئی اور دوسری آنکھ سے بھی زیادہ صحیح ہو گئی۔ رواہ البغوی و ابویعلیٰ واخرجہ الدارقطنی وابن شاهین والبیهقی فی الدلائل۔ ونقلها الحافظ ابن حجر فی الاصابة ج۳ ص۲۲۵۔ والحافظ الهیثمی فی مجمع الزوائد ج ٤ ص۲۹۷ والحافظ السیوطی فی الخصائص الکبریٰ۔

ایک صحابی کی استعانت:۔ محمد بن عقبہ بن شرجیل سے روایت ہے۔ انہوں نے اپنے دادا عبد الرحمٰن سے روایت کی۔ انہوں نے اپنے والد سے روایت کی۔ انہوں نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے ہاتھ میں زخم نکل آیا تھا۔ میں نے آپ سے عرض کیا یا نبی اللہ! اس زخم کی وجہ سے اتنا ورم ہو گیا ہے کہ نہ تلوار کا دستہ پکڑا جاتا ہے نہ سواری کی لگام پکڑی جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میرے قریب آؤ۔ میں آپ کے قریب پہنچا۔ آپ نے اس زخم کو کھول کر میری ہتھیلی پر پھونک ماری پھر اپنا دستِ شفا اس زخم پر رکھ دیا اور اسے اپنی ہتھیلی سے ملتے رہے۔ اور جب اپنا ہاتھ آپ نے اٹھایا تو میری ہتھیلی پر زخم کا اثر بھی مجھے نظر نہیں آیا۔ رواہ الطبرانی وذکرہ الحافظ الهیثمی فی مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۸۔

معاذ کی طلب:۔ غزوۂ بدر میں دوران جنگ عکرمہ بن ابی جہل نے معاذ بن عمرو بن جموح کے شانے پر تلوار ماری۔

معاذ کہتے ہیں۔ تلوار کی ضرب سے میرا ہاتھ کٹ کر پہلو کی کھال کے ساتھ لٹک گیا جس کی وجہ سے اس سے لڑائی جاری رکھنا میرے لئے دشوار ہو گیا پھر بھی میں نے اسے دن بھر گھسیٹتے ہوئے جہاد کیا، لیکن جب تکلیف بہت زیادہ بڑھ گئی تو اس کٹے ہوئے ہاتھ پر میں اپنا پاؤں رکھ کر سوار ہو گیا اور اسے کھینچ کر میں نے اسے الگ کر دیا۔

مواہب لدنیہ میں ہے۔ معاذ بن عمرو اپنا وہ ہاتھ جسے عکرمہ بن ابی جہل نے تلوار مار کر زخمی اور تقریباً الگ کر دیا تھا۔ اس ہاتھ کو لٹکائے ہوئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے جیسا کہ قاضی عیاض نے ابن وہب سے بیان کیا ہے۔ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کٹے ہوئے ہاتھ پر لعابِ دہن لگا دیا اور وہ ہاتھ دوبارہ جڑ گیا۔ ذکر ھذہ القصۃ الزرقانی واسندھا الی ابن اسحاق ومن طریقہ الحاکم۔

خشک سالی میں آپ کے توسل سے استعانت واستغاثہ:۔ بہت سی احادیث و آثار میں وارد ہے کہ جب خشک سالی ہوتی اور بارش بالکل رک جاتی تو صحابہ کرام دوڑے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے تاکہ آپ بارگاہ الٰہی میں ان کے لئے وسیلہ بن جائیں شفیع بن جائیں۔ فریاد رسی کریں اور ان کی طلب پوری ہو۔ جو حالات ہوتے اسے وہ سبھی اصحاب آپ سے بیان کرتے اور جو بھی شر وبلاء نازل ہوتی اس کے ازالہ کی درخواست کرتے۔

ایک بار جمعہ کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبۂ جمعہ دے رہے تھے کہ ایک اعرابی فریاد کرتے ہوئے کہنے لگا۔

یارسول اللہ! اموال ہلاک ہوئے۔ راستے بند ہو گئے۔ آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہماری مدد فرمائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تو بارش ہونے لگی اور دوسرے جمعہ تک بارش ہوتی رہی۔

وہ اعرابی آکر پھر کہنے لگا۔

یارسول اللہ! مکانات گرنے لگے۔ راستے بند ہونے لگے۔ مویشی ہلاک ہونے لگے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دعا فرمائی تو بادل چھٹ گیا اور بارش صرف مدینہ کے اردگرد ہونے لگی (یعنی مدینہ اس طوفانی بارش سے محفوظ ہو گیا) رواہ البخاری فی کتاب الاستسقاء، باب سؤال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا۔ وروی ابوداؤد بسند جید عن عائشۃ رضی اللہ عنھا قالت شکا الناس الی رسول اللہ قحط المطر۔ رواہ ابوداؤد فی کتاب الصلوٰۃ ابواب الاستسقاء۔ واخرج البیھقی فی دلائل النبوۃ عن انس۔ بسند لیس

فیہ متهم بالوضع و انظر فتح الباری ج ۲ ص ٤٩٥۔

انس بن مالک سے روایت ہے۔ایک اعرابی حاضر بارگاہ رسالت ہوا اور عرض کرنے لگا کہ بچے اور اونٹ بھوک پیاس سے بدحال ہیں۔ پھر یہ اشعار پڑھنے لگا۔

اتیناك و العذراء تدمی لبانها

وقد شغلت ام الصبی عن الطفل

ہم اس حال میں حاضر خدمت ہوئے کہ دوشیزاؤں کے پستان سے خون نکل رہا ہے اور مائیں اپنے بچوں سے غافل ہو چکی ہیں۔

والقیٰ بکفیه الفتی استكانة

من الجوع ضعفا ما یمر و لایحلی

اور نوجوان جنہیں بھوک کی ناتوانی سے کچھ اچھا نہیں لگتا وہ لاغر ہو کر بے سُدھ پڑے ہوئے ہیں۔

و لا شئ مما یاکل الناس عندنا

سوی الحنظل العامی والعلهز الفسل

سوائے کڑوے کسیلے ردی حنظل و علھز کے ہمارے پاس کچھ نہیں جسے لوگ کھا سکیں۔

ولیس لنا الا الیك فرارنا

واین فرار الناس الا الی الرسل

یارسول اللہ! ہماری پناہ گاہ تو صرف آپ ہیں۔اور رسولوں کے علاوہ لوگ کہاں پناہ ڈھونڈھیں؟

اس اعرابی کی فریاد سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر مبارک گھسیٹتے ہوئے منبر تک گئے اور اس پر چڑھ کر ہاتھ اٹھا کر یہ دعا فرمائی۔

اے اللہ! ہمیں خوب اچھی موسلا دھار نفع بخش غیر مضر خوشگوار بارش سے بلا تاخیر سیراب فرما جس سے تھن بھر جائیں۔ کھیتی لہلہا اٹھے۔مردہ زمین زندہ و شاداب ہو جائے۔

انس بن مالک نے کہا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ ابھی دعا ہی کی حالت میں تھا کہ خوب موسلادھار بارش شروع ہو گئی۔ لوگ سیلاب سے تنگ آکر بارگاہ رسول میں حاضر ہوئے۔ اور آپ نے پھر دعا فرمائی حوالینا ولا علینا۔ ہمارے اردگرد بارش ہو ہم پر بارش نہ ہو۔ اس

دعا سے مدینہ سے بادل چھٹ گیا۔

مذکورہ دعا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیث مغیث نافع غیر ضار وغیرہ فرمایا۔ نفع واغاثہ کی اسناد غیث کی طرف ہے جو بطور مجاز ہے۔ اسی طرح اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا دیتے ہوئے یہ کہا ہے۔ ولیس لنا الا الیك فرارنا۔ لیکن اسے مشرک نہیں کہا گیا۔ کیوں کہ اس میں قصر محض اضافی ہے۔ جب کہ قرآن حکیم کا یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسے مخفی رہ سکتا ہے۔ فَفِرُّوا إِلَى اللّٰهِ۔ (ذٰریٰت۔ ۵۰) تو اللہ کی طرف پناہ ڈھونڈھو۔

اعرابی کے پورے شعر کا مفہوم یہ ہے کہ فرار (پناہ) صرف آپ کی طرف مفید ہے۔ دوسرے کے دروازے کی طرف نہیں۔ اور رسولوں ہی کی طرف فرار کا رخ ہونا چاہئے دوسروں کی طرف نہیں کیوں کہ یہ مرسلین کرام ان سب نفوس قدسیہ میں افضل واعلیٰ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توسل کیا جاتا ہے۔ اور ان سب میں اعظم واکرم ہیں جن کی بدولت رب کائنات فریادیوں اور پناہ ڈھونڈھنے والوں کی حوائج وضروریات پوری فرماتا ہے۔

اور ذرا اس منظر پر بھی غور کیجیے کہ اعرابی کی اس منظوم فریاد کو سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنے متاثر ہوئے اور کتنی جلد اس کی فریادرسی واعانت فرمائی کہ فوراً اٹھ کر منبر تک پہنچے اور چادر گھسٹتی جارہی تھی۔ فریادی کی مدد کا جذبہ اتنا غالب تھا کہ چادر کو بدن پر ٹھیک سے رکھ لینے کی طرف بھی توجہ نہ فرمائی۔ علیہ وعلی آلہ افضل الصلوٰۃ والسلام۔

نبی کریم! ہمارے ملجا وماویٰ

حسان بن ثابت انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا وخطاب کرتے ہوئے آپ کو رکن معتمد اور ملجا وماویٰ قرار دیا ہے۔

بارگاہ رسول میں حسان بن ثابت عرض کرتے ہیں۔

یا رکن معتمد وعصمة لائذ

وملاذ منتجع وجار مجاور

اے سہارا ڈھونڈھنے والے کے لئے مضبوط ستون اور پناہ ڈھونڈھنے والے کی پناہ گاہ! مدد

چاہنے والے کے لئے ٹھکانہ۔اور پڑوس کے لئے بہترین پڑوسی۔

یامن تخیره الالـه لخلقه

فحباه بالخلق الزکی الطاهر

اے وہ ذات گرامی! جسے اللہ نے اپنے مخلوق کے درمیان چن لیا ہے اور صاف ستھرے اخلاق سے نوازا ہے۔

انت النبی وخیر عصبة آدم

یامن یجود کفیض بحر زاخر

آپ نبی ہیں اور گروہ آدم میں سب سے بہتر ہیں۔ اے وہ کہ بحر مواج کے فیضان کی طرح جس کی سخاوت و بخشش ہے۔

میکال معك وجبریل کلاهما

مدد لنصرك من عزیز قادر

خدائے عزیز و قادر کی طرف سے نصرت کے لئے جبریل و میکائیل دونوں بطور مدد آپ کے ساتھ ہیں۔

الاصابۃ ۱/ ۲٦٤۔ الروض الانف ۲/ ۹۱

عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے کبھی اتنا روتے ہوئے نہیں دیکھا جتنا حمزہ بن عبد المطلب کی موت پر آپ روئے ہیں۔ آپ کے جنازہ کو قبلہ رو کر کے اس کے پاس کھڑے ہو کر پھوٹ پھوٹ کر اور سسکیاں لے لے کر آپ رونے لگے اور پھر کہنے لگے۔

اے حمزہ! اے عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اے شیر خدا! اے شیر رسول! اے حمزہ! اے فاعل الخیرات (بھلائیاں کرنے والے)۔ اے حمزہ! اے کاشف الکربات! (پریشانیاں دور کرنے والے)۔ اے رسول اللہ کی طرف سے دفاع کرنے والے!۔ اھ عند ابن شاذان من حدیث ابن مسعود۔ من المواهب اللدنیة ج ۱ ص ۲۱۲۔

اگر کوئی شخص کہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ و استعانت، عرض حاجت و طلب شفاعت وغیرہ صرف آپ کی حیات میں جائز و صحیح ہیں موت کے بعد تو کفر ہیں۔ یا کچھ نرم ہوا تو یہ کہے کہ غیر مشروع یا ناجائز ہیں۔

توہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ قائل کے مطابق اگر توسل واستغاثہ کے لئے زندگی ہی شرط ہے تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اسی طرح اللہ کے دوسرے نیک اور صالح بندے بھی زندہ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ سے توسل واستغاثہ صحیح ہونے کے لئے کوئی فقیہ اگر صرف اسی قیاس پر اکتفا کرے کہ آپ کی دنیوی حیات میں آپ سے توسل واستغاثہ صحیح ہے تو اس کا یہ قیاس اپنی جگہ درست بھی ہے اور کافی بھی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی الدارین ہیں۔ بعد وصال بھی زندہ اور اپنی امت کے حالات سے باخبر ہیں۔ باذن اللہ معاملات ومسائل امت میں متصرف ہیں۔ آپ پر درود بھیجنے والے امتی کا سلام آپ پر پیش کیا جاتا ہے اور اپنی کثرت کے باوجود آپ کی امت کا سلام آپ تک پہنچتا ہے۔

عالم ارواح بالخصوص اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ خصائص ارواح عالیہ کے بارے میں جن اصحابِ علم کا وسیع مطالعہ ہے۔ ان کا دل اس حقیقت پر ایمان لانے کے لئے وسیع نظر آئے گا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو روح الارواح اور نور الانوار ہیں وہ ان خصائص کے افضل واعلیٰ مدارج ومراتب سے متصف ہیں۔

منکرین کے خیال فاسد کے مطابق اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ یا توسل یا طلبِ شفاعت شرک وکفر ہے تو آپ کی حیات دنیوی وحیات اخروی ویوم قیامت ہر وقت اور ہر زمانہ میں ناجائز ہے۔ کیوں کہ اللہ وحدہ لاشریک کے نزدیک ہر حال میں شرک مذموم ومعیوب ہے۔

ایک باطل خیال

مُردہ شخص کے بارے میں یہ دعویٰ ہے کہ اسے کسی چیز کی قدرت نہیں۔ غلط اور باطل ہے۔ اگر یہ دعویٰ اس اعتقاد کی بنیاد پر ہے کہ مردہ مٹی بن جاتا ہے۔ تو یہ عین جہل ہے کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ اللہ رب العزت کے ارشاد سے حیات ارواح کا ثبوت وبقاء واضح ہے کہ جسم سے جدا ہو کر روح باقی رہتی ہے۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے موقع پر ارواح کو آواز دیتے ہوئے فرمایا تھا۔

یا عمرو بن ھشام و یا عتبۃ بن ربیعۃ و یا فلان بن فلان انا وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فھل وجدتم ما وعد ربکم حقا۔

اے عمرو بن ہشام! اے عتبہ بن ربیعہ! اے فلاں بن فلاں ہم نے اپنے رب کے وعدہ کو سچا پایا۔ کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدہ کو سچا پایا؟

کچھ لوگوں نے عرض کیا۔ یہ کیا؟

آپ نے ارشاد فرمایا۔ و ما انتم باسمع مما اقول منھم۔ تم لوگ میری باتیں ان مُردوں سے زیادہ نہیں سن پاؤ گے۔

اسی طرح آپ نے اہل قبور کو ندا دیتے ہوئے انہیں سلام فرمایا۔ السلام علیکم یا اھل الدیار۔ اسی طرح قبر میں روحوں کو ثواب بھی ملتا ہے۔ اور انہیں عذاب بھی دیا جاتا ہے۔ روحیں گھروں میں بھی آتی جاتی ہیں۔

ان کے علاوہ دوسرے دلائل و براہین بھی حیاۃ ارواح کی تائید کرتے ہیں۔ اور اسلام و اہل اسلام اسے بعد وفات بھی باقی مانتے ہیں۔ اسی طرح فلسفہ قدیمہ و جدیدہ کے نزدیک بھی حیاۃ ارواح ثابت ہے۔

منکرین حیاۃ ارواح سے یہاں ہمارا صرف ایک سوال ہے۔

قرآن حکیم فرماتا ہے کہ شہداء اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ یہ منکرین اس قرآنی ارشاد کو مانتے ہیں یا نہیں؟

اگر نہیں مانتے تو پھر ایسے بدنصیبوں سے ہم کوئی بات نہیں کرنا چاہتے ہیں کیوں کہ وہ ان قرآنی آیات کی تکذیب کر رہے ہیں۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ (بقرہ۔۱۵۴)

اور جو اللہ کی راہ میں شہید کئے جائیں انہیں مُردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ ہاں تمہیں شعور نہیں۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔ (آل عمران۔۱۶۹)

اور جو اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے انہیں مُردہ نہ سمجھو وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ انہیں رزق دیا جاتا ہے۔

اور اگر وہ حیاۃ شہداء کے قائل ہیں تو ان سے ہم کہیں گے کہ انبیاء و مرسلین کرام اور بہت سے

صالحین وابرار جو شہید نہیں مثلاً اکابر صحابہ وغیرہ وہ بلاشبہ شہداء سے افضل ہیں۔ اور جب حیاۃ شہداء ثابت ہے تو شہداء سے افضل نفوس قدسیہ کی حیاۃ یقیناً ثابت ہے۔ اور حیاۃ انبیاء کی تو احادیث صحیحہ میں تصریح بھی ہیں۔

دلائل قطعیہ سے جب حیاۃ ارواح ثابت ہے تو اب ثبوت حیات کے بعد اس کے خصائص کا اثبات ہی باقی رہ جاتا ہے۔ کیوں کہ مشہور قاعدہ ہے۔ ثبوت ملزوم موجب ثبوت لازم اور نفی لازم موجب نفی ملزوم ہے۔

ہر انسان جسم و روح کا مرکب ہے۔ اور ہر آدمی ایک دوسرے سے استعانت کرتا ہے یا ملائکہ سے استعانت کرتا ہے۔ تو پھر ارواح صالحین کو وسیلہ بنا کر اللہ تبارک و تعالیٰ سے استمداد و استعانت کے لئے مانع عقلی کیا ہے؟

تصرفات ملائکہ کے لئے جس طرح کسی آلہ وغیرہ کی ضرورت نہیں پڑتی اسی طرح تصرفات ارواح کا بھی معاملہ ہے۔ ہمارے دنیاوی قوانینِ تصرفات وہاں نہیں چلتے کیوں کہ وہ ایک دوسرا عالم ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ۔ (اسراء ۸۵)

اور تم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ تم کہو روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے۔

بلاشبہ ارواح کو اتنی آزادی ہے کہ وہ زندوں کے برابر بلکہ ان سے زیادہ ہی کسی پکارنے والے کی پکار سن سکتے ہیں اور مدد چاہنے والے کی مدد کر سکتے ہیں۔

منکرین حیاۃ ارواح اگر یہ کہیں کہ ہم تو صرف محسوسات کو جانتے ہیں اور مشاہدات ہی کو مانتے ہیں۔ تو یہ نیچریوں کا وطیرہ ہے اہل ایمان کا نہیں۔

یہاں ہم علیٰ سبیل التنزل تھوڑی دیر کے لئے یہ بات مان لیں کہ جسم سے جدا ہو کر روح کے اندر کوئی کام کرنے کی قدرت باقی نہیں رہ جاتی۔ تو برائے بحث ان کی یہ بات تسلیم کر کے بھی ہم یہ کہیں گے کہ جن انبیاء و اولیاء سے مدد مانگی جاتی ہے ان کی مدد اس عالم کے تصرف ارواح کی طرح نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے زائر یا استغاثہ کرنے والے کی مدد دعاء کے ذریعہ کرتے ہیں۔ جیسے کوئی مرد صالح کسی دوسرے کے لئے دعا کرتا ہے۔ تو یہ ایسے ہی ہے جیسے فاضل مفضول کے لئے

دعا کرے۔ یاکم از کم ایسے ہے جیسے بھائی بھائی کے لئے دعا کرے۔

اس سے پہلے بتایا جاچکا ہے کہ یہ نفوس قدسیہ زندہ ہیں۔ احساس وشعور اور علم رکھتے ہیں۔ بلکہ بدن سے جدا ہو کر ان ارواح کا علم وشعور زوال حجابات خاکی وعدم منازعات شہوات بشری کے باعث کچھ اور زیادہ ہی ہوجاتا ہے۔ بلکہ کافی اضافہ اور ترقی ہوجاتی ہے۔

احادیث کریمہ میں وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعمالِ امت پیش کئے جاتے ہیں۔ جن میں آپ خیر پاتے ہیں تو اللہ کی حمد کرتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ پر استغفار کرتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ حقیقۃً "مستغاث بہ اللہ تعالیٰ ہے۔ مدد اسی سے طلب کی جاتی ہے۔ البتہ سائل اپنی فریادرسی اور امداد کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بناتا ہے۔ فاعل حقیقی اللہ ہی ہے۔ سائل مقربین وصالحین کو بارگاہ الٰہی میں محض وسیلہ اور واسطہ بناتا ہے۔ گویا سائل بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتا ہے کہ اے اللہ! میں فلاں کو محبوب رکھتا ہوں اور وہ تیرا صالح بندہ ہے۔ اس کے ذریعہ تو میرے اوپر رحم فرما۔ اور رب کائنات اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ودیگر انبیاء واولیاء وعلماء کے صدقہ میں بے شمار انسانوں کو اپنے رحم وکرم سے نوازتا بھی ہے۔

مختصر یہ کہ بعض صحابہ وعشاق نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل میں بلکہ بہت سے بندوں پر بہت سے صالحین کے توسل سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا انعام واکرام ایک امر معروف ہے جس سے سبھی مسلمان واقف ہیں۔

زندہ مسلمان اپنے مرحومین کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ ترقی درجات کی دعا کرتے ہیں۔ اس طرح وہ یہ کہتے ہیں کہ اے اللہ! ہم ان کے لئے سفارش کرتے ہیں تو ہماری سفارش قبول فرما۔ یہ بھی بندوں کے ذریعہ بندوں کی مدد کا ایک شرعی طریقہ ہے۔

کیا غیر مقدورِ عبد کی طلب شرک ہے؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل وطلب کرنے والے اہل ایمان کی تکفیر کرنے والوں کا ایک باطل دعویٰ یہ بھی ہے کہ:

لوگ وفات یافتہ انبیاء و صالحین سے ایسی چیزیں طلب کرتے ہیں جن کی قدرت اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ اس لئے یہ طلب شرک ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کے اسلاف و اخلاف کے مسلک پر بدگمانی اور کج فہمی کے سوا اس بات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

انبیاء و صالحین کو مسلمان وسیلہ و سبب بتلاتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے جو مراد مانگی جارہی ہے اسے پوری کرنے میں یہ سبب بن جائیں۔ ان کی دعاء و شفاعت اور توجہ کے سبب اللہ تعالیٰ مراد پوری فرمادے۔

اور یہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ نابینا صحابی نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر آپ کو وسیلہ بنایا اور اللہ سے طلب و استغاثہ میں آپ وسیلہ بنے۔ باذن اللہ وہ مراد پوری بھی ہوئی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نابینا صحابی سے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے مجھ سے یہ طلب و توسل کرکے شرک کیا ہے۔

اسی طرح دوسرے خوارق عادات کی طلب مثلاً لاعلاج مرض سے بغیر دوا کے شفایابی، بغیر بادل کے بارش برسانا، بصارت واپس کردینا، انگلیوں سے پانی کا فوارہ جاری کرنا، تھوڑے سے کھانا کو زیادہ بنادینا۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ ساری چیزیں عادۃً انسانی قدرت سے باہر ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ چیزیں مانگی گئیں اور آپ کے توسل و توسط سے صحابہ کرام کو یہ چیزیں ملیں۔ کبھی آپ نے یہ نہیں فرمایا۔ تم نے مجھ سے ایسی چیزیں طلب کی ہیں جن پر صرف اللہ قادر ہے۔ اس لئے تم مشرک ہوگئے۔ تمہارے لئے تجدید اسلام ضروری ہے۔

کیا یہ آج کے علمبردارانِ توحید معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ حقیقتِ توحید سے واقف ہیں؟ عالم تو درکنار کوئی جاہل مسلمان بھی کبھی ایسی بات نہیں سوچ سکتا۔

اللہ کے نبی حضرت سلیمان نے اپنے دربار میں موجود جن و انس کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

يَاأَيُّهَا الْمَلَأُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ۔ (نمل - ۳۸)

اے درباریو! تم میں کون اس کا تخت میرے پاس لاسکتا ہے اس سے پہلے کہ وہ مطیع ہوکر میرے حضور حاضر ہوں۔

حضرت سلیمان ملک شام میں رہ کر ملک یمن کی ملکہ سبا کا تخت بطور خرق عادت اپنے دربار

میں لانے کا مطالبہ فرماتے ہیں تاکہ یہ عمل ملکہ سبا کے لئے ایک نشانی بن جائے جو اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دے رہی تھی۔

ایک بڑے طاقتور جن نے حضرت سلیمان سے کہا۔

اَنَا اٰتِیۡکَ بِہٖ قَبۡلَ اَنۡ تَقُوۡمَ مِنۡ مَّقَامِکَ ۔ (نمل۔ ۳۹)

میں اس کا تخت آپ کے پاس حاضر کردوں گا اس سے پہلے کہ آپ اپنا اجلاس برخاست کریں۔

حضرت سلیمان نے فرمایا میں اس سے بھی جلدی چاہتا ہوں۔ تو دربار میں موجود ایک صاحبِ علم کتاب انسان جو صدیقین میں سے تھا، اس نے کہا۔

اَنَا اٰتِیۡکَ بِہٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّرۡتَدَّ اِلَیۡکَ طَرۡفُکَ ۔ (نمل۔ ۴۰)

میں اس کا تخت پلک جھپکنے سے پہلے آپ کی خدمت میں حاضر کردوں گا۔

یعنی اگر آپ مجھے بھیجیں تو میں پلک جھپکتے ہی ملکہ سبا کا تخت آپ کے دربار میں حاضر کردوں۔ اور جب حضرت سلیمان نے اس انسان کو حکم دیا تو اس نے پلک جھپکتے ہی اس تخت کو آپ کے سامنے لاکر حاضر کردیا۔

اس طرح تخت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دینا صرف اللہ کی قدرت ہے۔ اور عادۃً مقدور جن وانس سے باہر ہے۔ لیکن حضرت سلیمان نے اپنے درباریوں سے اس کا مطالبہ کیا۔ اور ایک صدیق نے آپ کے حکم پر عمل بھی کیا۔ تو کیا اللہ کے نبی حضرت سلیمان نے اپنی اس طلب سے کوئی کفر کیا؟ اور ان کی طلب کو عملی شکل دے کر اللہ کے ایک ولی نے شرک کیا۔ حاشا وکلاّ۔

یہ نسبتِ فعل بطور مجاز عقلی ہے۔ اور جائز ہے بلکہ رائج ہے۔

اگر اب بھی کوئی پہلو مخفی رہ گیا ہے تو ہم اس کی مزید وضاحت کردیتے ہیں کہ لوگ انبیاء و اولیاء سے بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بننے اور شفاعت کرنے کی طلب کرتے ہیں جس پر اللہ نے انہیں قادر بنایا ہے۔

بالفرض کوئی شخص کہے۔ اے اللہ کے نبی! مجھے شفا دیجئے اور میری مراد و ضرورت پوری کیجئے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ کے نبی! میرے معاملہ کی بارگاہِ الٰہی میں شفاعت کیجئے اور میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے شفا دے اور میری مراد پوری فرمائے۔ اگر اس نبی نے

بارگاہ الٰہی میں دعاء وشفاعت کی تو اس دعا وشفاعت پر اللہ نے اس نبی کو قادر بھی بنایا ہے۔

یہی ہمارا عقیدہ ہے۔ اور کلام میں مجاز عقلی تو خود قرآن میں ہے۔ مثلاً:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ۔ (یٰس - ۳۶)

پاک ہے اسے جس نے سب جوڑے بنائے ان چیزوں میں سے جنہیں زمین اگاتی ہے۔

اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں بھی مجاز عقلی موجود ہے۔ مثلاً ــــ

ان مما ینبت الربیع الخ۔

اللہ کے کلام میں، رسول کی احادیث میں اور عوام وخواص کی بول چال میں مجاز عقلی کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

مومن موحد کی زبان سے اس کا استعمال اس بات کا قرینہ ہے کہ وہ اسے مجازاً ہی بول رہا ہے۔ اور اس میں کسی طرح کا کوئی سوء ادب بھی نہیں ہے۔ اس موضوع پر اسی کتاب کے ایک باب میں ہم بحث بھی کر چکے ہیں۔

اللہ ہی سے سوال واستعانت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

اذا سألت فاسئل الله و اذا استعنت فاستعن بالله۔ رواه الترمذی وصححه عن ابن عباس مرفوعا۔ صرف اللہ سے سوال کرو اور اسی سے استعانت کرو۔

بہت سے لوگ اس حدیث کا صحیح مطلب نہیں سمجھ پاتے۔ اور وہ اس سے استدلال کر ڈالتے ہیں کہ مطلقاً ہر طرح کا سوال واستعانت صرف اللہ سے ہے۔ اللہ کے سوا کسی دوسرے سے سوال واستعانت شرک ہے۔ اور کسی غیر اللہ سے سوال واستعانت کرنے والا خارج از دین ہے۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ اسباب کا استعمال اور ان سے استعانت کوئی چیز نہیں۔ اور ساتھ ہی ایسا اعتقاد رکھنے والا شخص استعمال اسباب کے سلسلے میں وارد بہت سے نصوص کا بھی اپنے اس خیال کے ذریعہ انکار کر دیتا ہے۔

حالاں کہ اس حدیث مبارک کا ہرگز یہ مقصود نہیں کہ غیر اللہ سے سوال واستعانت مطلقاً

ممنوع ہے۔ بلکہ اس کا صحیح مقصود یہ ہے کہ اسباب کے ذریعہ ظہور پذیر ہونے والے امورِ خیر حقیقۃً اللہ کی جانب سے ہیں۔ مخلوقات کے ذریعہ جو نعمتیں حاصل ہوتی ہیں وہ بھی اللہ کی طرف سے ہیں! اس لئے سوال واستعانت کرنے والا شخص اسباب ومخلوقات پر نہیں بلکہ اصلاً خالق اسباب ورب مخلوقات پر بھروسہ رکھے اور اپنے آپ کو اسی کا محتاج سمجھے۔ سارا اعتماد اللہ ہی پر رہے اور اسباب میں الجھ کر مسبب الاسباب کو نہ بھولنے پائے۔ اشیاء کے ظاہری ارتباط وتعلقات سے جو مطلوبہ نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ ان سے آگے بڑھ کر اس ذات قادر وقیوم کی نظر رحمت کی طرف لو لگائے رکھے جس نے ان اشیاء اور ان کے نتائج کے درمیان ربط پیدا کیا ہے۔

اس مقصود ومفہوم کی طرف خود اسی حدیث میں آگے چل کر اس طرح اشارہ فرمادیا گیا ہے۔

واعلم ان الامة لو اجتمعت علی ان ینفعوك لم ینفعوك الا بشئ قد کتبه الله لك. وان اجتمعت علی ان یضروك بشئ لم یضروك الا بشئ قد کتبه الله علیك.

اور جان لو کہ سبھی لوگ مل کر تمہیں فائدہ پہنچانا چاہیں تو اس کے علاوہ کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے جسے اللہ نے تمہارے لئے مقدر کر رکھا ہے۔ اور اگر سب مل کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہیں تو اس کے علاوہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے جسے اللہ نے تمہارے لئے مقدر کر رکھا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں خود اپنی مراد واضح کردی ہے کہ لوگ نفع وضرر پہنچا سکتے ہیں مگر صرف اسی حد تک جس حد تک اللہ نے بندے کے لئے نفع پہنچانا یا نقصان پہنچانا مقدر کر رکھا ہے۔

کتاب وسنت میں جب استعانت بغیر اللہ کا حکم موجود ہے تو پھر اس کا انکار کیسے کیا جاسکتا ہے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ۔ (بقرہ - ۱۵۳)

اور صبر اور نماز سے مدد چاہو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ۔ (انفال - ۶۰)

اور ان کے لئے جتنی قوت ہو سکے تیار کر رکھو۔

بندۂ صالح ذوالقرنین کی یہ استعانت قرآن میں موجود ہے۔ اعینونی بقوۃ۔

صلوٰۃ خوف کی مشروعیت کتاب وسنت سے ثابت ہے جس میں مخلوق سے مخلوق کی استعانت ہے۔

اسی طرح اہل ایمان کو اللہ نے حکم دیا ہے کہ ۔ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۔ (النساء۔۱۰۲)

اور چاہئے کہ اپنی پناہ اور اپنے ہتھیار لئے رہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ ایک دوسرے کی ضرورت پوری کریں۔ تنگ دستوں کی مدد کریں۔ مصیبت زدوں کی فریاد سن کران کی اعانت کریں اوران کاموں میں غفلت وسستی نہ برتیں۔ اس طرح کی بہت سی احادیث وارد ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ من کان فی حاجة اخیه کان الله فی حاجته۔ (بخاری ومسلم) جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں لگا رہے گا۔ اس کی ضرورت اللہ تعالیٰ پوری فرماتا رہے گا۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔ والله فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیه۔ مسلم وابوداؤد وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ بندے کی مدد فرماتا رہے گا جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہے۔

اور ارشاد فرمایا۔ ان لله خلقا خلقهم لحوائج الناس یفزع الناس الیهم فی حوائجهم، اولئك الآمنون من عذاب الله۔

اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں جنہیں اللہ نے لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے پیدا فرمایا ہے لوگ اپنی ضروریات کے لئے ان کے پاس جاتے ہیں۔ یہی لوگ عذاب الٰہی سے مامون ہیں۔

دیکھئے خود رسول اکرم نے فرمایا۔ یفزع الناس الیهم فی حوائجهم۔ لوگ اپنی ضروریات لے کر ان کے پاس جاتے ہیں۔ اور ان ضرورت مندوں کی اس طلب پر آپ نے انہیں مشرک تو کجا عاصی بھی نہیں قرار دیا۔

نیز حدیث مرفوع ہے۔ ان لله عند اقوام نعما اقرها عندهم ما کانوا فی حوائج المسلمین مالم یملوهم فاذا ملوهم نقلها الی غیرهم۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو اپنی نعمتیں دے رکھی ہیں جب تک کہ وہ بغیر کسی اکتاہٹ کے دوسروں کی ضروریات پوری کرتے ہیں یہ نعمتیں ان کے پاس رہتی ہیں۔ پھر جب وہ ان ضرورت مندوں سے اکتا جاتے ہیں تو یہ نعمتیں دوسروں کی طرف منتقل کر دی جاتی ہیں۔

اور آپ نے فرمایا۔ ان لله اقواما اختصهم بالنعم لمنافع العباد. یقرهم فیها

مابذلوها، فاذا منعوها نزعها منهم فحولها الی غیرهم - رواہ ابن ابی الدنیا۔ قال الحافظ المنذری: ولوقیل بتحسین سندہ لکان ممکنا۔

اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کے لئے نعمتیں خاص کر رکھی ہیں جن سے وہ بندوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ وہ نعمتیں ان لوگوں کے اندر اس وقت تک رہتی ہیں جب تک وہ انہیں صرف کرتے رہتے ہیں۔ پھر جب وہ نعمتیں روک لیتے ہیں تو وہ دوسروں کے حوالہ کر دی جاتی ہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ لان یمشی احدکم مع اخیہ فی قضاء حاجتہ - واشار باصبعہ - افضل من ان یعتکف فی مسجدی ھذا شھرین - رواہ الحاکم وقال صحیح الاسناد۔

اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے کی راہ میں قدم بڑھانا میری اس مسجد میں دو ماہ کے اعتکاف سے افضل ہے۔ فی قضاء حاجتہ کہتے ہوئے آپ نے اپنی انگلی سے اشارہ فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ واذا سألت فاسأل اللہ - اور جب سوال کرو تو اللہ ہی سے سوال کرو۔

اس حدیث سے یہ سمجھنا کہ غیر اللہ سے کسی طرح کا سوال یا توسل جائز نہیں، یہ محض ایک غلط فہمی اور مغالطہ ہے۔ اس لئے کہ انبیاء وصالحین کو بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ بنانے سے اللہ کی خیر و برکت نازل ہوتی ہے اور انہیں وسیلہ بنانے والے کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے وسیلہ سے خیر و برکت عطا فرمائے یا شر و فساد کو دور رکھے۔ تو متوسل وہ سبب اختیار کرتا ہے جسے اللہ نے بندوں کی ضروریات کی تکمیل کا ذریعہ بنایا ہے۔ اور ان کے توسط سے اللہ مرادیں پوری فرماتا ہے۔ اس طرح سبب سے یہ اصلاً کوئی سوال نہیں بلکہ خالق اسباب سے سوال ہے۔ کوئی شخص اگر یہ کہے کہ یا رسول اللہ! میں چاہتا ہوں کہ میری بصارت واپس آجائے یا بلاء مجھ سے دور ہو جائے۔ یا مجھے مرض سے شفا مل جائے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان چیزوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے واسطہ سے اللہ ہی سے مانگ رہا ہے۔ اسی سے سوال کر رہا ہے۔ مثلاً کوئی شخص کہے۔ میرے لئے دعا کیجئے۔ یا۔ میرے لئے شفاعت کیجئے۔ تو ان دونوں باتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ دوسرا جملہ پہلے جملہ کے مقابلہ میں سائل کی مراد زیادہ واضح

کر رہا ہے۔ اسی طرح متوسل کا یہ کلام اور زیادہ واضح ہے۔ اے اللہ! تیرے نبی کے صدقہ میں تجھ سے سوال کر رہا ہوں کہ فلاں آسانی پیدا فرما جو میرے لئے نفع بخش ہو۔ یا جس سے میں شر دور کروں۔ اب ان ساری صورتوں میں متوسل وسائل صرف اللہ سے اپنی حاجت کے بارے میں عرض وسوال کر رہا ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ واذا سألت فاسئل اللہ سے منع توسل پر استدلال اور غیر اللہ سے سوال کی عدم صحت کا مطلب نکالنا غلط اور بے بنیاد ہے۔

خود اسی حدیث میں اس غلط استدلال کا جواب بھی ہے۔ راوی حدیث ابن عباس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کا شوق دلاتے ہوئے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسے کلمات سکھادوں جن کے ذریعہ اللہ تمہیں نفع پہنچائے؟ سوال کے لئے تشویق و ترغیب کا اس سے بہتر اسلوب اور کیا ہو سکتا ہے؟

اس ترغیب سوال پر ابن عباس نے کہا۔ ہاں! مجھے سکھادیں۔ اس سوال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ حدیث ارشاد فرمائی جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ اذا سألت فاسئل اللہ۔

منکرین سوال و توسل کے وہم وخیال کو بالفرض تھوڑی دیر کے لئے مان لیا جائے تو کوئی جاہل کسی عالم سے کسی طرح کا سوال نہیں کر سکتا۔ کسی ہلاکت و بربادی کا شکار کوئی شخص کسی بچانے اور مدد کرنے والے سے سوال نہیں کر سکتا۔ کوئی قرض خواہ کسی قرضدار سے سوال نہیں کر سکتا۔ اور نہ کوئی قرض لینے والا کسی سے قرض کا سوال ہی کر سکتا ہے۔ قیامت کے دن انبیاء سے شفاعت کا سوال نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ ہی حضرت عیسیٰ بن مریم کے لئے یہ عمل صحیح ہوگا کہ وہ اہل محشر کو سوال شفاعت کے لئے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجیں۔ یہ اور اس طرح کی بہت سی چیزوں کا سوال غلط اور ناجائز ہو جائے گا۔

اگر یہ منکرین کہیں کہ سوال سے مراد وہ سوال ہے جو وفات یافتہ انبیاء وصالحین سے ان کی برزخی حالت میں کیا جاتا ہے اور اس حالت میں انہیں کسی چیز کی قدرت نہیں ہوتی۔

اس کا جواب تو دیا جاچکا ہے مگر مختصراً دوبارہ پیش کیا جارہا ہے۔

انبیاء وصالحین عالم برزخ میں زندہ ہیں اور انہیں دعاء وشفاعت کی قدرت حاصل ہے۔ اور ان کی برزخی زندگی جو ان کے شان کے لائق ہے اس میں وہ دعاء واستغفار کے ذریعہ دوسروں کو

فائدہ بھی پہنچاتے ہیں۔

ان باتوں کا منکر کم از کم جاہل تو ہے ہی۔ کیوں کہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ وفات یافتہ اہل برزخ کو علم وسماعت اور قدرتِ دعا، حاصل ہے۔ اور دیگر تصرفات بھی جتنا اور جو کچھ اللہ چاہے۔ جب عام اہل ایمان کا یہ حال ہے تو انبیاء و صالحین کا کیا عالم ہوگا؟

مشہور حدیث اسراء و معراج میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کرام کی امامت فرمائی اور انہوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ کے سامنے بیان فرمایا۔ آسمانوں میں آپ کے لئے دعا کی گئی۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے مشورہ پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر ہی اُمتِ محمدیہ پر پچاس وقت کی بجائے پانچ وقت کی نماز فرض ہوئی۔

صراحت و وضاحت سے معلوم ہوگیا کہ اس حدیث کا وہ مطلب نہیں جو منکرین سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب اور مقصد یہ ہے کہ لوگ دوسروں سے بلا ضرورت محض حرص و طمع میں مال حاصل کرنے سے دور رہیں۔ اللہ نے جو کچھ دے رکھا ہے وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو اس پر قناعت کریں۔ لوگوں کے سامنے بلا ضرورت دستِ سوال دراز نہ کریں۔ اللہ سے اس کا فضل و عطا چاہیں۔ گریہ وزاری کے ساتھ دعا کریں۔ اللہ ان کی دعا قبول فرمائے گا۔ لیکن عام طور پر اس معاملہ میں لوگوں کا عمل بالکل برعکس ہے۔ عطا کی تلاش میں معطی کو اور رزق کی تلاش میں رازق سے غافل رہتے ہیں۔

اللہ یغضب ان ترکت سؤالہ وبنی آدم حین یسأل یغضب

اللہ سے سوال کرنا چھوڑ دیا جائے تو وہ اظہار ناراضگی فرماتا ہے اور اولاد آدم سے سوال کردیا جائے تو اسے غصہ آجاتا ہے

اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ کسی کے ہاتھ میں مال دیکھ کر تمہارا دل اس پر آجائے تو اس سے سوال نہ کرو بلکہ اللہ سے اس کے فضل و عطاء کا سوال کرو اور اس بندہ کے سامنے ہاتھ پھیلاؤ۔ اس طرح حدیث کے اندر قناعت کا درس ہے اور حرص و طمع سے دور رہنے کا سبق ہے۔

صحیح مفہوم حدیث یہی ہے۔ اب بارگاہ الٰہی میں انبیاء و اولیاء کا توسل یا ان سے شفاعت کا سوال ایک بالکل الگ چیز ہے اور ان کی شفاعت و توسل جو کامیابی و مراد رسی کا ایک مضبوط ذریعہ ہے۔ ان چیزوں کی ممانعت کا اس حدیث سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ لیکن منکرین صرف نفسانیت کی سواری پہ چڑھ کر وساوس و اوہام کے میدان کا چکر لگاتے ہیں اور صحیح مفہوم کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں۔

حدیث انہ لایستغاث بی کا صحیح مفہوم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک منافق شخص اہل ایمان کی ایذا رسانی میں لگا رہتا تھا۔ ابوبکر صدیق نے لوگوں سے کہا کہ ہم سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس منافق کے خلاف استغاثہ کرنا چاہئے۔ وہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ نے ان سے ارشاد فرمایا۔

انہ لایستغاث بی و انما یستغاث باللہ۔ رواہ الطبرانی فی معجمہ الکبیر۔

مجھ سے استغاثہ نہ کیا جائے استغاثہ صرف اللہ سے کیا جائے۔

اس حدیث کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کے منکرین بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کا یہ استدلال بالکل باطل ہے۔ کیوں کہ اگر اس حدیث کا ظاہری معنی لیا جائے تو اس کا مطلب ہوگا کہ آپ سے استغاثہ بالکل ممنوع ہے۔ اور یہ مطلب فعل صحابہ کے معارض ہے۔

صحابہ کرام تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کرتے تھے۔ آپ سے سیرابی چاہتے تھے آپ سے طلب دعا کرتے تھے۔ اور آپ فرح و سرور کے ساتھ ان کی اس خواہش و طلب کی تکمیل فرمایا کرتے تھے۔

ایسی صورت میں دیگر عام احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے اس حدیث کے ظاہری معنی کی مناسب تاویل کرنی ہوگی۔ تاکہ سارے نصوص میں مطابقت اور موافقت ہو سکے۔

اس حدیث سے یہ مراد لینا صحیح ہے کہ اصل اعتقاد میں حقیقت توحید کا اثبات مقصود ہے کہ مغیث صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بندہ محض واسطہ بن سکتا ہے۔

یا اس سے یہ مراد ہے کہ بندہ سے وہی چیز مانگنی چاہئے جو اس کے مقدور میں ہے۔ غیر مقدور عبد کی طلب نہ کی جائے۔ مثلاً جنت کا حصول جہنم سے نجات، ہدایت و سعادت۔

حدیث میں ایسی کوئی تخصیص نہیں کہ استعانت و استغاثہ زندہ سے کیا جا سکتا ہے وفات یافتہ سے نہیں۔ اور ظاہری معنی کے مطابق غیر اللہ سے استغاثہ ہر وقت ممنوع ہے۔ زندہ و وفات یافتہ کی کوئی تفریق نہیں۔ حالانکہ حدیث کا یہ صحیح مفہوم نہیں۔

شیخ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

کبھی کبھی اللہ اور اس کے رسول کے کلام میں ایسی عبارت ہوتی ہے جس کا معنیٰ صحیح ہوتا ہے لیکن بعض لوگ اس عبارت سے ایسا مفہوم سمجھ لیتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کی مراد کے خلاف ہوتا ہے ۔ جیسے طبرانی اپنی معجم کبیر میں روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک منافق شخص اہل ایمان کی ایذارسانی میں لگا رہتا تھا ۔ ابوبکر صدیق نے لوگوں سے کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر اس منافق کے خلاف استغاثہ کرنا چاہئے ۔ جب ان لوگوں نے آپ کے پاس پہونچ کر عرض حال کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا ۔ انہ لا یستغاث بی وانما یستغاث باللہ ۔

تو اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہی ہے کہ ان سے وہ چیز نہ طلب کی جائے جس پر اللہ کے سوا کوئی قادر نہیں ۔ ورنہ صحابہ کرام تو آپ سے طلب دعا کرتے تھے ۔ آپ کے توسل سے بارش کی دعا کرتے تھے ۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر سے روایت ہے ۔

بسا اوقات شاعر کا شعر یاد کرتے ہوئے میں روتے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کرتا تھا ۔ آپ دعاء استسقاء کرتے رہتے اور اس وقت منبر سے اترتے جب پرنالے بہنے لگتے ۔ شعر یہ ہے ۔

وابیض یستسقی الغمام بوجہہ

ثمال الیتامیٰ عصمۃ للارامل

آپ گورے رنگ والے خوبصورت ہیں ۔ آپ کے روئے زیبا کے وسیلے سے بارش کی دعا کی جاتی ہے ۔ آپ یتیموں کا ٹھکانہ اور بیواؤں کی پناہ گاہ ہیں ۔

استغاثہ و توسل کے بعض طریقوں پر اعتراض کا جواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف اور مدح و ستائش میں بعض الفاظ اور طریقوں پر کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں اور آگے بڑھ کر اس کے کہنے والوں پر کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں ۔

مثلاً کہا جاتا ہے۔ لیس لنا ملاذ سوی النبی صلی اللہ علیہ ـــــ ولا رجاء الا ھو ـــــ وانا مستجیر بہ ـــــ ان جملوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملجا وماوئی اور پناہ گاہ کہا گیا ہے۔ اسی طرح یہ شعر بھی ہے۔

والیہ یفزع فی المصائب

وان توقفت فمن اسأل

مشکلات و مصائب میں آپ کی پناہ لی جاتی ہے اور اگر آپ بھی توقف فرمائیں تو کس سے میں کوئی سوال کروں؟ کہنے والوں کا مقصود یہ ہے کہ آپ کے علاوہ کسی دوسری مخلوق کے یہاں ہمارا ٹھکانہ نہیں آپ کے سوا کسی دوسرے انسان سے کوئی امید نہیں۔ مصائب میں دوسرے لوگوں سے صرف نظر کرتے ہوئے آپ کی طرف نگاہ اٹھتی ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت کے دربار میں آپ کی عزت و تکریم ہے۔ اگر آپ نے توقف فرمایا تو پھر کس بندۂ خدا سے اور کس امید پر کوئی سوال کیا جائے؟

دفع ایہام کے لئے اپنی دعا و توسل میں اس طرح کے اختلافی الفاظ وتعبیرات سے ہم اجتناب کرتے ہیں۔ لیکن یہ ہم سمجھتے ہیں کہ ان کے قائلین پر حکم کفر عائد کرنا نہ کوئی پسندیدہ بات ہے نہ اس میں کوئی حکمت ہے۔ کیونکہ وہ موحد ہیں۔ اللہ کی توحید اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں۔ تمام ارکانِ اسلام کی تصدیق کرتے ہیں۔ اللہ کے رب ہونے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے اور اسلام کے سچے دین ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس لئے حرمت اسلام اور ذمۂ اہل دین کے وہ اہل اور مستحق ہیں۔

حضرت انس سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من صلی صلوتنا واسلم واستقبل قبلتنا و اکل ذبیحتنا فذالک المسلم الذی لہ ذمۃ اللہ ورسولہ فلاتخفروا اللہ فی ذمتہ۔ رواہ البخاری۔

جو شخص اسلام قبول کر کے نماز پڑھے، استقبال قبلہ کرے، ہمارا ذبیحہ کھائے، وہ ایسا مسلمان ہے جس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے۔ اس کے ذمہ کے بارے میں اللہ سے کئے ہوئے اپنے عہد کو نہ توڑو۔

یہیں سے ہمارے اوپر لازم ہو جاتا ہے کہ مومن کے کلام میں جب کسی فعل کی نسبت غیر اللہ

کی طرف پائیں تو اسے مجاز عقلی پر محمول کریں اس کی تکفیر کی کہیں سے کوئی گنجائش ہی نہیں۔ کیونکہ مجاز عقلی کتاب وسنت میں مستعمل ہے۔ اس لئے کسی مؤحد کے کلام میں ایسی نسبت کا پایا جانا اس کے مجاز عقلی ہونے کے لئے کافی ہے۔

اعتقاد صحیح یہ ہے کہ اللہ خالق عباد بھی ہے اور خالق افعال بھی ہے۔ اور کسی زندہ و مردہ کی کوئی تاثیر نہیں۔ تاثیر صرف اللہ کی ہے۔ اسی اعتقاد کو توحید کہتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ جس کا اعتقاد ہے وہ شرک کر رہا ہے۔

کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جو کسی فعل یا ترک یا رزق یا زندہ کرنے یا موت دینے میں کسی شخص کو اللہ کا شریک و سہیم سمجھتا ہو۔

جن الفاظ و تعبیرات کو کچھ لوگ موہم شرک سمجھتے ہیں ان کے قائلین کا مقصد بارگاہِ الٰہی میں توسل و شفاعت ہے۔ مقصود و منتہا اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہے۔

کوئی بھی مسلمان کسی نبی و ولی کے بارے میں یہ عقیدہ نہیں رکھتا اور جس سے طلب و سوال کر رہا ہے اسے یہ نہیں سمجھتا کہ کسی فعل و ترک میں دور و نزدیک کسی بھی گوشہ سے وہ بذات خود بے عطائے الٰہی کسی چیز پر قادر ہے۔

کسی مسلمان کی خطا یا جہل یا نسیان یا اجتہاد کی وجہ سے اس پر حکم شرک عائد کرنے سے ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست طلب مغفرت و جنت و شفا اور سوال میں لوگ تعبیر کی غلطی کریں تو اس سے ان کے عقیدۂ توحید پر حرف نہیں آتا، کیونکہ وہ اس طلب شفاعت میں بارگاہ الٰہی تک پہنچنے میں آپ کو وسیلہ بنا رہے ہیں۔ اور گویا وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ یا رسول اللہ! میں اللہ سے دعا کر رہا ہوں کہ وہ میری مغفرت فرمائے۔ میرے اوپر رحم فرمائے اور میں اپنی ضرورت کی تکمیل کے لئے، اپنی پریشانی کے ازالہ کے لئے اور اپنی مراد تک پہنچنے کے لئے بارگاہِ الٰہی میں آپ کو وسیلہ بنا رہا ہوں۔

گزشتہ صفحات میں ہم بتلا چکے ہیں کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استعانت کرتے تھے، استغاثہ کرتے تھے، طلب شفاعت کرتے تھے، فقر و مرض و بلاء و قرض و محتاجی

کے مواقع پر آپ سے عرض احوال کیا کرتے تھے۔

ہر مسلمان اس حقیقت سے واقف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب محض اپنی ذات اور اپنی قوت سے بلا مشیت و رضائے الٰہی کے نہیں کرتے۔ نہ اپنے اختیارات و تصرفات میں مستقل بالذات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اذن و امر اور اس کی قدرت سے یہ سب کرتے ہیں۔ آپ عبد مامور ہیں اور اللہ کے نزدیک آپ کو مقام اور جاہ و عزت حاصل ہے۔ جس سے آپ پر ایمان لانے والے آپ کی رسالت کی تصدیق کرنے والے اور آپ کی فضیلت و کرامت کا اعتقاد رکھنے والے فیض پاتے رہتے ہیں۔ اور ہمارا عقیدہ اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اختیار و تصرف میں جو شخص آپ کو مستقل بالذات سمجھے وہ ارتکاب شرک کر رہا ہے۔

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موقعہ بہ موقعہ تنبیہ بھی فرمایا کرتے تھے۔ جب بطریق وحی یا حالات کے تیور سے آپ پر یہ واضح ہو جاتا کہ سائل یا سامع کے اعتقاد میں کچھ نقص و فتور ہے تو فوراً اصلاح و ہدایت فرماتے۔

کبھی آپ فرماتے کہ میں سید اولاد آدم ہوں۔ اور کبھی یہ فرماتے کہ سید تو اللہ ہی ہے۔

کبھی لوگ آپ سے استغاثہ کرتے اور آپ انہیں تعلیم دیتے کہ مجھے وسیلہ بنایا جائے۔ اور کبھی یہ فرماتے کہ استغاثہ صرف اللہ سے کیا جائے مجھ سے استغاثہ نہ کیا جائے۔

کبھی لوگ آپ سے سوال و استغاثہ کرتے تو آپ ان کی طلب پوری فرماتے۔ بلکہ کبھی کبھی دو چیزوں میں سے کوئی ایک چیز اختیار کرنے کی آزادی عطا فرماتے کہ صبر کرو تمہیں جنت ملے گی یا ابھی تمہاری پریشانی دور کر دی جائے۔ جیسے نابینا صحابی اور حضرت قتادہ جن کی آنکھ چلی گئی تھی انہیں اختیار دیا تھا۔ اور کبھی یہ فرماتے کہ جب سوال کرو تو اللہ ہی سے کرو اور استعانت بھی اللہ ہی سے کرو۔

کبھی آپ فرماتے کہ جو شخص کسی مومن کی پریشانی دور کرے۔ الخ۔ اور کبھی یہ فرماتے کہ بھلائی تو اللہ ہی دیتا ہے۔

ان حقائق سے واضح ہو گیا کہ ہم اہل سنت کا عقیدہ بحمد للہ نہایت صاف ستھرا ہے کہ بندہ خود سے کچھ نہیں کر سکتا، خواہ وہ کتنا ہی بڑے رتبہ اور درجہ والا ہو۔

افضل الخلق صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق وتائید ہی سے عطاء و منع، نفع وضرر، اور امداد و اعانت فرماتے ہیں۔ آپ سے جب استغاثہ یا استعانت یا طلب کی جائے تو آپ اپنے مولیٰ جل شانہ وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور دعاء وسوال وطلب کرتے ہیں۔ تو وہ آپ کی دعاء وشفاعت قبول فرمالیتا ہے۔

اور کبھی آپ یہ بھی فرمادیا کرتے تھے کہ مجھ سے کوئی طلب وسوال وعرض حال نہ کرو۔ بلکہ اللہ کی طرف لو لگا کر اسی سے سوال کرو۔

تو اللہ کا دروازہ کھلا ہی ہے۔ وہ شہ رگ سے قریب اور دعاء وحاجت پوری کرنے والا ہے۔ کسی کام میں اسے کسی کی ضرورت نہیں، اس کے اور مخلوق کے درمیان کوئی پردہ ہے نہ کوئی حجاب و دربان ہے۔

خلاصۂ کلام

حاصل بحث یہ ہے کہ نبی و ولی سے استغاثہ کرنے والے کی تکفیر نہیں کی جاسکتی۔ تکفیر صرف اس شکل میں جائز ہوگی جب کوئی استغاثہ کرنے والا کسی غیر اللہ کے اندر خلق و ایجاد کی قوت کا عقیدہ رکھے۔

زندہ و وفات یافتہ کے درمیان جو تفریق کی جاتی ہے اس کی کوئی حیثیت اور اس کا کوئی مطلب نہیں۔ بس یہ حکم صحیح ہے کہ جو شخص غیر اللہ کے اندر خلق و ایجاد کی قوت مانے اس نے کفر کیا بخلاف معتزلہ کے کہ وہ خلق افعال کے قائل ہیں۔ اور سببیت و اکتساب کا عقیدہ رکھنا کفر نہیں۔

مرحومین کے بارے میں لوگ زیادہ سے زیادہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ زندوں کی طرح ان میں بھی سببیت و اکتساب کی صلاحیت ہے۔ یہ عقیدہ کوئی نہیں رکھتا کہ وہ اللہ کی طرح خلق و ایجاد کی قوت رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ بات بالکل ناقابل فہم ہے کہ مرحومین کے سلسلے میں لوگ ایسا عقیدہ رکھیں جو زندوں کے بارے میں بھی نہیں رکھتے۔ اور جب زندوں کے لئے سببیت و اکتساب کا عقیدہ رکھتے ہیں تو مرحومین کے لئے بھی صرف اتنا ہی عقیدہ رکھتے ہیں۔

کسی کی نظر میں اگر یہ غلطی ہے تو صرف سببیت و اکتساب کا عقیدہ رکھنے میں غلطی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ مومن کسی مخلوق کے بارے میں اس سے زیادہ عقیدہ نہیں رکھتا۔ اور جو کسی مخلوق کے اندر خلق و ایجاد کی قوت مانے وہ مومن ہی نہیں اس لئے ہر صورت میں بات سببیت و اکتساب ہی تک آکر رک جاتی ہے۔ اور مخلوق کے لئے سببیت و اکتساب کا عقیدہ رکھنا کسی طرح نہ کفر ہے نہ شرک۔

ہم پھر اپنی یہ بات دہرا دیتے ہیں کہ کسی وفات یافتہ کے بارے میں زندوں سے زیادہ کوئی عقیدہ رکھنا ناقابلِ فہم ہے کہ زندوں کے لئے جو افعال ثابت ہیں وہ تو بطور سببیت کے ہیں اور وفات یافتہ کے افعال میں تاثیر ذاتی و ایجاد حقیقی کا عقیدہ کوئی رکھنے لگے۔ یہ بات

بالکل ناقابل فہم ہے۔

منکرین و مانعین کے عقیدہ کے مطابق بطور تنزل زیادہ سے زیادہ یہی تو کہا جاسکتا ہے کہ میت سے استغاثہ کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کسی معذور اپاہج سے کوئی شخص مدد مانگنے لگے اور اسے یہ معلوم نہ ہو کہ جس سے وہ مدد مانگ رہا ہے وہ معذور و اپاہج ہے۔ مگر اسے شرک کیسے کہا جاسکتا ہے؟

سببیت، وفات یافتہ کے مقدور میں ہے۔ اور اس کے امکان میں یہ بھی ہے کہ ہمارے لئے دعا کرکے زندوں کی طرح اس کا اکتساب کرے۔ کیوں کہ روحیں اپنے اعزہ و اقارب کے لئے دعا کرتی ہیں۔

حدیث شریف میں ہے۔ جب زندوں کی ایسی باتیں مرحومین تک پہنچتی ہیں جو ناپسندیدہ ہوتی ہیں تو وہ دعا کرتے ہیں۔ اے اللہ! ان پر نظر رحمت فرما کر انہیں اس سے روک دے۔ یا۔ انہیں موت نہ دے جب تک کہ انہیں ہدایت نہ دے دے۔

روحیں زندوں کی طرح بذریعہ دعا ہماری مدد کرسکتی ہیں اور فرشتوں کی طرح دوسروں کی رہنمائی کرسکتی ہیں۔ بہت سے لوگوں نے خواب میں روحوں کے ذریعہ فوائد و منافع حاصل کئے ہیں۔

دوسراباب

مباحثِ نبویہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص، حقیقتِ نبویہ،

حقیقتِ بشریت اور حقیقتِ حیاتِ برزخ

کا

بیان

خصائصِ محمدیہ کے سلسلے میں علماء کا موقف

علماء اسلام نے خصائصِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر تحقیق کے ساتھ کتابیں تالیف کی ہیں۔ ان کی شرحیں لکھی ہیں۔ کبھی یکجا اور کبھی الگ ان کا ذکر و بیان کیا ہے۔ اس سلسلے میں علامہ حافظ جلال الدین سیوطی کی کتاب "الخصائص الکبریٰ" سب سے مشہور اور جامع ہے۔

یہ خصائص کافی تعداد میں ہیں۔ کچھ کی سند صحیح ہے کچھ کی صحیح نہیں ہے۔ کچھ کے سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض خصائص کسی کے نزدیک صحیح ہیں کسی کے نزدیک صحیح نہیں۔ بالجملہ ان کے اندر کئی جہتوں اور حیثیتوں سے اختلافات موجود ہیں۔

قدیم علماء ان کے صواب و خطأ و صحت و بطلان پر کلام کرتے رہے ہیں مگر انہوں نے اسے ایمان و کفر کا مسئلہ نہیں بنایا۔

اسانید و رجال کے معیار پر نقد و نظر کے باعث بہت سی احادیث نبوی کے صحیح و ضعیف یا نامقبول ہونے میں علماء فن حدیث کا اختلاف چلا آرہا ہے۔ کسی حجت یا تاویل یا شبہ کی بنیاد پر کوئی محدث کسی صحیح حدیث کو ضعیف قرار دیتا ہے۔ کوئی کسی ضعیف حدیث کو صحیح قرار دیتا ہے۔ کوئی مقبول کو نامقبول اور کوئی نامقبول کو مقبول قرار دیتا ہے۔ لیکن بحث و نظر کا یہ سلسلہ علماء کے مہذب علمی طریقہ پر جاری ہے۔ اور بحیثیت ایک صاحب عقل و فہم انسان کے ہر محدث کو اس کا حق بھی حاصل ہے۔ کیونکہ علم ہر ایک کا حصہ ہے اور اس کا میدان بہت وسیع و عریض ہے۔

رسول اکرم، نبی اعظم، سید العلماء، امام العقلاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فکر و نظر کی اپنے اس ارشاد مبارک کے ذریعہ حوصلہ افزائی بھی فرمائی ہے کہ مجتہد اگر صواب پر ہو تو اس کے لئے دو اجر اور اگر خطاء پر ہو تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔

نقل و بیانِ خصائص نبوی کے سلسلے میں علماء اسلام نے ہمیشہ وسعتِ قلب سے کام لیا ہے۔ اور ان خصائص کو فضائلِ اعمال میں داخل سمجھا ہے کیونکہ ان کا تعلق حلال و حرام سے نہیں ہے۔

اسی لئے محدثین کرام نے یہ اصول و ضابطہ متعین فرمادیا ہے کہ حدیث نبوی اگر اپنے اصطلاحی معنی میں صحیح نہ بھی ہو بلکہ ضعیف ہو اور موضوع و باطل نہ ہو تو فضائل اعمال میں ایسی ضعیف احادیث مقبول ہیں

اور اگر شرائط صحت حدیث کو یہاں بھی لازم کر دیا جائے تو قبل بعثت یا بعد بعثت کی سیرت طیبہ ہی ہم بیان نہیں کر پائیں گے۔ حالاں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ محدثین و حفاظ حدیث جن پر ہم سب کا اعتماد ہے اور جن کے گرانقدر کارنامے ہمارے لئے نقوش راہ ہیں۔ اور جن کے ذریعہ ہم نے یہ جانا ہے کہ ضعیف احادیث باب فضائل و مناقب میں مقبول اور باب احکام و مسائل میں نامقبول ہیں۔ انہیں ائمۂ حدیث کی کتابیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص مبارکہ کے ذکر و بیان سے بھری ہوئی ہیں۔ جن میں مقطوعات و مراسیل بھی ہیں۔ اور کاہنوں کی روایات بھی منقول ہیں جن کا ذکر اس مقام پر جائز و مقبول ہے۔

علماء امت و ائمۂ فقہ کی کتابیں مطالعہ کرتے وقت ہم دیکھتے ہیں کہ خصائص رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ضمن میں بہت سی عجیب و غریب باتیں بھی لکھی اور بیان کی جاتی رہی ہیں کہ اگر کوئی فاضل محقق صرف سند کی صحت کو مدار قبول بنائے تو مشکل سے بس تھوڑی ہی خصوصیات پر وہ مطمئن ہو پائے گا۔ جب کہ ان کی کتب میں خصائص رسول بڑی تعداد میں منقول و موجود ہیں۔ اور یہ نقل و بیان انہوں نے باب فضائل میں محدثین کے اصول و قواعد مقررہ کے مطابق ہی کیا ہے۔

خصائص نبوی ادر ابن تیمیہ

شیخ ابن تیمیہ نے اپنے تشدد کے باوجود اس موضوع پر لکھتے وقت اپنی کتابوں میں ایسے بعض اقوال نقل کئے ہیں۔ جن کی سند صحیح نہیں۔ بہت سے مسائل میں ان سے استشہاد بھی کیا ہے۔ اور حدیث کے بیان یا تائید یا تشریح کے وقت انہیں معتبر سمجھا ہے۔

مثلاً الفتاویٰ الکبریٰ میں انہوں نے لکھا ہے۔

روایت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک عرش پر اور جنت کے دروازوں، گنبدوں، پتوں پر تحریر فرمادیا ہے۔

ابن تیمیہ نے پھر کئی آثار کی روایتیں نقل کیں جو ان احادیث ثابتہ کے مطابق ہیں جن سے آپ کے نام کی عظمت اور ذکر کی رفعت واضح ہوتی ہے۔ چنانچہ آگے لکھتے ہیں۔

مسند کی حدیث کے الفاظ گزر چکے ہیں کہ میسرۃ الفجر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا متیٰ کنت نبیا۔ آپ کب نبی ہوئے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ و آدم بین الروح والجسد حضرت آدم جب روح وجسم کے درمیان تھے۔

بطریق شیخ ابوالفرج ابن الجوزی درکتاب الوفاء بفضل المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ابوالحسین بن بشران روایت کرتے ہیں۔ ہم سے ابوجعفر محمد بن عمرو۔ ان سے احمد بن اسحٰق بن صالح۔ ان سے محمد بن صالح۔ ان سے محمد بن سنان العوفی۔ ان سے ابراہیم بن طہمان۔ ان سے یزید بن میسرۃ۔ ان سے عبداللہ بن سفیان۔ ان سے میسرۃ نے حدیث بیان کی۔

قلت یا رسول اللہ متیٰ کنت نبیا۔ قال لما خلق اللہ الارض واستویٰ الی السماء فسواھن سبع سمٰوات وخلق العرش۔ کتب علی ساق العرش ــ محمد رسول اللہ خاتم الانبیاء۔ وخلق الجنۃ التی اسکنھا آدم وحواء۔ فکتب اسمی علی الابواب والاوراق والقباب

والخیام ۔ وآدم بین الروح والجسد ۔ فلما احیاہ اللہ تعالیٰ نظر الی العرش فرأی اسمی فاخبرہ اللہ انہ سید ولدک ۔ فلما غرھما الشیطٰن تابا واستشفعا باسمی الیہ ۔ اھ۔

(الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۵۱ للشیخ ابن تیمیۃ)

میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ کب نبی ہوئے؟

ارشاد فرمایا۔ جب اللہ نے زمین کو پیدا فرمایا۔ اور آسمان کی طرف استوا کرکے اسے ٹھیک سات آسمان بنائے۔ اور عرش پیدا فرمایا تو ساقِ عرش پر تحریر فرمایا۔ محمد رسول اللہ خاتم الانبیاء۔

اور اس جنت کو پیدا فرمایا جس میں آدم وحوا، علیہما السلام کو ٹھہرایا۔ تو جنت کے دروازوں، پتوں، گنبدوں، خیموں پر میرا نام لکھا۔ اور آدم علیہ السلام ابھی روح وجسم کے درمیان تھے۔ پھر اللہ نے آدم کو پیدا فرمایا۔ تو انہوں نے عرش کی طرف دیکھا جس پر میرا نام لکھا پایا۔ اللہ عز وجل نے انہیں بتایا کہ یہ تیری اولاد کے سردار ہیں۔ اور جب شیطان کی وجہ سے آدم وحوا کو لغزش ہوئی تو دونوں نے توبہ کیا اور بارگاہِ خداوندی میں میرے نام کو شفیع بنایا۔

خصائص وکرامات دونوں حکماً جنس واحد ہی سے ہیں۔ اور ان کے نقل وبیان میں وہ سخت اصول نہیں ہیں جو احکام حلال وحرام کے سلسلے میں ہیں۔ کیونکہ یہ خصائص وکرامات دائرۂ فضائل ومناقب میں داخل ہیں۔

شیخ ابن تیمیہ کا مسلک کرامات اولیاء سے متعلق ٹھیک وہی ہے جو خصائص انبیاء کے بارے میں ہے۔

یہاں ان کی کتابوں سے وہ چند کرامات وخوارقِ عادت نقل کیے جارہے ہیں جو صدرِ اول میں واقع ہوئے۔

ان روایاتِ کرامات کے درجات واسانید اور ان کے طریقِ ثبوت پر تحقیق وبحث کی جائے تو ان میں صحیح، حسن، ضعیف، مقبول، نامقبول، منکر، شاذ سبھی طرح کی روایتیں نکلیں گی جو سب کی سب باب فضائل میں مقبول اور علماء سے منقول ہیں۔

بعض صحابہ کرام کی ابن تیمیہ نے یہ کرامتیں نقل کی ہیں۔

ام ایمن ہجرت کے ارادہ سے نکلیں۔ ان کے پاس توشہ تھا نہ پانی۔ پیاس سے جاں بلب ہوگئیں

کیوں کہ وہ روزہ سے تھیں۔ افطار کے وقت انہوں نے اپنے سر پر کچھ آہٹ محسوس کی۔ سر اٹھا کر دیکھا تو ڈول لٹک رہی تھی۔ اس سے آپ نے خوب پانی پیا اور پھر زندگی بھر انہیں پیاس ہی نہ لگی۔

۲ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام سفینہ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے ایک موقع پر شیر سے کہا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں۔ تو شیر نے خود ان کے ساتھ چل کر انہیں منزل تک پہنچا دیا۔

۳ برا بن مالک جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی قسم کھا کر کوئی بات کہہ دیتے تو اللہ ان کی قسم پوری فرما دیتا۔ جہاد کے مواقع پر جب گھمسان کی جنگ شروع ہو جاتی تو مجاہدین کہتے۔ اے براء! اپنے رب کی قسم کھاؤ۔ وہ کہتے۔ اے رب! میں تیری قسم کھاتا ہوں کہ انہیں فتح دے۔ ان کی اس قسم کے بعد دشمنوں کو شکست ہو جاتی۔

معرکۂ قادسیہ میں برا بن مالک نے کہا۔ اے رب! تجھے قسم ہے کہ مجاہدین کو فتح دے اور مجھے شہادت عطا فرما۔ جس کے بعد مسلمانوں کو فتح ہوئی اور برا بن مالک کو شہادت نصیب ہوئی۔

۴ خالد بن ولید نے ایک مضبوط قلعہ کا محاصرہ کیا۔ قلعہ والوں نے کہا۔ یہ زہر پی لو تو ہم خود سپردگی کر دیں۔ انہوں نے وہ زہر پی لیا مگر انہیں اس سے کوئی ضرر نہیں پہونچا۔

۵ عمر بن خطاب نے ساریہ کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کیا۔ منبر پر خطبہ دیتے وقت عمر بن خطاب بلند آواز سے کہنے لگے۔ یا ساریۃ الجبل۔ یا ساریۃ الجبل۔ اے ساریہ پہاڑ کی طرف دیکھو۔ اے ساریہ پہاڑ کی طرف دیکھو۔

لشکر سے قاصد آیا۔ اس سے حالات پوچھے گئے۔ اس نے بیان کیا۔

اے امیرالمومنین! دشمن سے جنگ کے وقت ہمیں شکست ہونے لگی تو ہم نے ایک آواز سنی۔

یا ساریۃ الجبل۔

ہم نے پہاڑ کی طرف رُخ کیا اور پھر اس سے پشت لگا کر دشمن سے ہم جنگ کرنے لگے اور اللہ نے انہیں شکست دی۔ ہمیں فتح سے ہمکنار کیا۔

۶ علاء بن حضرمی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کا عامل بنایا تھا۔ وہ دعا کرتے وقت یہ کہتے تھے۔ یا علیم۔ یا حلیم۔ یا علی۔ یا عظیم تو ان کی دعا قبول ہو جاتی تھی۔

پانی نہ ہونے پر وہ دعا کرتے کہ اے اللہ! پانی عطا فرما جس سے لوگ سیراب ہوں اور

وضو کریں۔ ان کی یہ دعا بھی قبول ہو جاتی تھی۔

ایک سفر کے دوران دریا راہ میں حائل ہو گیا۔ علاء بن حضرمی نے اللہ سے دعا کی جس کے بعد سبھی ہمراہی گھوڑوں پر سواری کی حالت میں ہی دریا عبور کر گئے اور گھوڑوں کی زین بھی نم نہ ہوئی۔

علاء بن حضرمی نے اللہ سے دعا کی کہ ان کی موت کے بعد لوگ ان کا جسم نہ دیکھ پائیں۔ تو قبر میں ان کی نعش ہی کوئی نہ پا سکا۔

۷ ابو مسلم خولانی اور ان کے ہمراہی ایک بار موجیں مارتے ہوئے دجلہ پر چل کر ساحل پہ اتر گئے۔ اور لوگوں سے کہا۔ تمہاری کوئی چیز اگر دریا پار کرتے وقت چھوٹ گئی تو بتلاؤ میں اس کے لئے اللہ سے دعا کروں۔ ایک شخص نے کہا۔ میرا پیالہ نہیں مل رہا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میرے پیچھے آؤ۔ وہ آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ آگے جا کر انہوں نے دیکھا کہ وہ کسی چیز میں الجھا ہوا ملا جسے انہوں نے لے لیا۔

مدعی نبوت اسود عنسی نے ابو مسلم خولانی سے ایک موقعہ پر دباؤ ڈالتے ہوئے مطالبہ کیا کہ مجھے اللہ کا رسول مانو۔ آپ نے اس کی بات پر کوئی دھیان ہی نہیں دیا۔ پھر اس نے کہا کیا تم محمد کو اللہ کا رسول مانتے ہو۔ آپ نے کہا۔ ہاں۔ اسود عنسی نے غصہ میں حکم دیا کہ آپ کو آگ میں ڈال دیا جائے۔ اور آپ آگ میں ڈال دئے گئے۔ لوگوں نے دیکھا کہ آپ اطمینان سے اس آگ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں اور وہ آگ آپ کے لئے ٹھنڈی اور سلامتی والی بن گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب آپ مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو عمر بن خطاب نے آپ کو اپنے اور ابو بکر صدیق کے درمیان اعزاز و اکرام کے ساتھ بٹھایا اور کہا۔

الحمدللہ! میں اپنی موت سے پہلے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایسے فرد کی زیارت کر رہا ہوں جس کے ساتھ اللہ نے ویسا ہی معاملہ فرمایا جیسا کہ ابراہیم خلیل اللہ کے ساتھ معاملہ فرمایا تھا۔

ایک لونڈی نے ابو مسلم خولانی کے کھانے میں زھر ملا دیا۔ لیکن اس زھر نے آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچایا۔

آپ سے ایک عورت نے اپنے شوہر کے سلسلے میں دھوکہ بازی کی۔ اسے آپ نے بد دعا دے دی جس سے وہ نابینا ہو گئی۔ پھر وہ روتی گڑگڑاتی آپ کی خدمت میں آئی اور توبہ کیا۔ اللہ سے آپ نے دعا کی تو وہ بینا ہو گئی۔

۸ سعید بن مسیب ایام حرہ میں جب کہ مسجد نبوی کے اندر آپ کے علاوہ کوئی نہیں رہ گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے نماز کے اوقات میں اذان کی آواز سنا کرتے تھے۔

۹ عمرو بن عقبہ بن فرقد سخت دھوپ میں نماز پڑھ رہے تھے تو آپ پر بادل کا ایک ٹکڑا سایہ فگن ہو گیا۔

جنگوں میں آپ مجاہدین کی خدمت کیا کرتے تھے۔ ان کے مویشی چراتے تھے۔ تو مویشی چراتے وقت درندے آپ کی رکھوالی کیا کرتے تھے۔

۱۰ مطرف بن عبد اللہ بن الشخیر جب گھر میں داخل ہوتے تو گھر کے برتن آپ کے ساتھ تسبیح پڑھا کرتے تھے

ایک بار آپ اپنے ہمراہی کے ساتھ چل رہے تھے۔ رات تاریک تھی تو آپ کے دڑے میں روشنی پیدا ہو گئی جس سے ان دونوں نے باآسانی راستہ طے کر لیا۔

ص ۲۸۱ ج ۱۱۔ الفتاوی الکبریٰ للشیخ ابن تیمیۃ۔

عرش پر نبی کریم کی تشریف ارزانی اور ابن قیم

شیخ ابن قیم نے ائمہ سلف رضی اللہ عنہم کے حوالے سے ایک عجیب و غریب خصوصیت نقل کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

قاضی نے کہا۔ مروزی نے فضیلت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں عرش پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف ارزانی کا ذکر کیا ہے۔

(فائدہ) قاضی نے کہا۔ یہ قول ان حضرات کا ہے۔

ابوداؤد۔ احمد بن اصرم یحییٰ بن ابی طالب۔ ابوبکر بن حماد۔ ابن جعفر دمشقی۔ عیاش دوری۔ اسحٰق بن راہویہ۔ عبدالوہاب وراق۔ ابراہیم اصبہانی۔ ابراہیم حربی۔ ہارون بن معروف۔ محمد بن اسمٰعیل سلمی۔ محمد بن مصعب عابد۔ ابوبکر بن صدقہ۔ محمد بن بشر بن شریک۔ ابو قلابہ۔ علی بن سہل۔ ابوعبداللہ بن عبدالنور۔ ابوعبید۔ حسن بن فضل۔ ہارون بن عباس ہاشمی۔ اسمٰعیل بن ابراہیم ہاشمی۔ محمد بن عمران فارسی زاہد۔ محمد بن یونس بصری۔ عبداللہ بن امام احمد۔ مروزی۔ بشر حافی — انتہی۔

شیخ ابن قیم نے کہا۔ میں کہتا ہوں۔ یہی قول ابن جریر طبری اور ان سب کے امام امام التفسیر مجاہد کا بھی ہے۔ اور یہی قول ابوالحسن دارقطنی کا ہے جن کے یہ اشعار بھی ہیں۔

حدیث الشفاعۃ عن احمد — الی احمد المصطفیٰ مسندہ
وجاء حدیث باقعادہ — علی العرش ایضا فلانجحدہ
امروا الحدیث علی وجہہ — ولاتدخلوا فیہ مایفسدہ
ولا تنکروا انہ قاعد — ولا تنکروا انہ یقعدہ

(ص ۴۰ ج ۴۔ بدائع الفوائد للشیخ ابن القیم)

ملک فیصل بن عبد العزیز آل سعود کے حکم سے شیخ منصور بن یونس البہوتی الحنبلی کی ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس کا نام ہے کشاف القناع۔

کشاف القناع کے اندر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ایسے خصائص مذکور ہیں جنہیں اصول و قواعد سے ناواقف اور کم نظر افراد عجائب و غرائب میں شمار کریں گے۔ چند خصوصیات یہ ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور جملہ انبیاء کے فضلات طاہر ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خون و پیشاب سے شفاء حاصل کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ دارقطنی کی روایت ہے۔ ام ایمن نے آپ کا پیشاب پی لیا تو ارشاد ہوا کہ تمہارے پیٹ کو آگ نہیں جلائے گی۔ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے ابن حبان کی روایت ہے۔ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پچھنا لگایا اور اس کا خون پی گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ تم نے خون کیا کیا؟ اس نے عرض کیا۔ میں نے خون اپنے پیٹ کے اندر ڈال لیا۔ اس کے لئے ارشاد ہوا۔ جاؤ۔ تم نے اپنے آپ کو جہنم سے بچالیا۔

حافظ ابن حجر نے کہا۔ اس کے اندر راز یہ ہے کہ دو فرشتوں نے آپ کا شکم مبارک دھودیا تھا۔ (اس لئے مذکورہ دونوں چیزیں پاک ہیں)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ نہ دھوپ میں نہ چاندنی میں۔ کیوں کہ آپ نورانی ہیں۔ اور سایہ ایک طرح کی تاریکی ہے۔ ذکرہ ابن عقیل وغیرہ۔ اللہ سے آپ کی یہ دعا ہوا کرتی کہ میرے اعضاء و جوارح کو نور سے بھردے اور مجھے نور بنادے۔

زمین آپ کے بول و براز کو جذب کرلیا کرتی تھی۔

عرش پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف ارزانی کا نام مقام محمود ہے اور عبد اللہ بن سلام کی روایت کے مطابق کرسی پر بیٹھنے کا نام مقام محمود ہے۔ ذکرھما البغوی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جماہی نہیں لیا کرتے تھے۔

آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمام اشیاء کے اسماء کی تعلیم دی تھی بالکل اسی طرح حضرت آدم سے لے کر آپ کے بعد کی آخری مخلوق تک جملہ مخلوقات کو تخلیق سے پہلے ہی اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کر دیا تھا۔

دیلمی کی حدیث ہے۔ مثلت لی الدنیا بالماء والطین فعلمت الاشیاء کلھا۔ میرے سامنے یہ دنیا آب وگل کے ساتھ پیش کی گئی تو ساری اشیاء کو میں نے جان لیا۔

آپ کی ساری امت آپ پر پیش ہوئی جسے آپ نے ملاحظہ فرمایا۔

طبرانی کی حدیث ہے۔ کل شب اس چٹان کے پاس میری امت کے شروع سے آخر تک کے ہر فرد کو پیش کیا گیا۔ سب لوگ آب وگل کی شکل میں تھے۔ تم ایک دوسرے کو جس طرح پہچانتے ہو میں اس سے زیادہ انہیں پہچانتا ہوں۔

آپ کی امت میں قیامت تک جو احوال ومعاملات پیش آئیں گے ان سب کو آپ کے سامنے حاضر کر دیا گیا۔

امام احمد وغیرہ کی حدیث ہے۔ میری امت میرے بعد جن معاملات اور آپس کی خوں ریزی سے دوچار ہوگی وہ سب مجھے بتلا دیا گیا ہے۔

مرد و زن کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت مستحب ہے۔

عبداللہ بن عمر سے دارقطنی کی روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ من حج و زار قبری بعد وفاتی فکانما زارنی فی حیاتی۔ جس نے حج کیا اور میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی اس نے گویا میری حیات ظاہری میں میری زیارت کی۔

(ص ۳۰ ج ۵ کشاف القناع للشیخ منصور بن یونس البھوتی الحنبلی طبع بامر الملک فیصل بن عبد العزیز آل سعود)

مذکورہ خصائص میں کچھ صحیح ہیں، کچھ ضعیف ہیں، اور کچھ بے دلیل ہیں۔

کبار ائمہ اہل سنت سے یہ خصائص منقول ہیں۔ جن کے بارے میں یہ معترضین ومتشددین کیا رائے قائم کریں گے؟؟؟ علماء اہل سنت نے تو ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور انہیں تسلیم کرتے رہے ہیں۔ کیوں کہ انہیں یہ اصول وضابطہ معلوم ہے کہ باب فضائل ومناقب میں ضعیف احادیث کا ذکر و بیان بھی مقبول ہے۔

خصائص رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے اقوال بھی نقل کئے جاتے ہیں کہ انہیں یہ معترض یا منکر سن لیں تو ان کے ناقل وقائل پر کفر سے بڑھ کر کوئی فتویٰ لگائیں گے۔

اور مذکورہ خصائص سے کہیں زیادہ بڑھ کر تو یہی بات ہے جسے شیخ ابن قیم نے اپنی کتاب بدائع الفوائد میں کتاب وسنت کی کسی دلیل و برہان کے بغیر نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے عرش پر بٹھائے گا۔

اور مذکورہ خصائص سے بڑھ کر تو یہی بات ہے جو کشاف القناع سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نور مجسم ہیں۔ ان کا سایہ نہیں تھا۔ ان کا بول و براز زمین نگل جاتی تھی۔

اور مذکورہ خصائص سے بڑھ کر یہی بات ہے جو شیخ ابن تیمیہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک ساق عرش، جنت کے دروازوں، گنبدوں، درختوں، پھلوں اور پتوں پر لکھا ہوا ہے۔

محققین و باحثین کیوں خاموش ہیں؟ ریسرچ اور ایڈٹ کرنے والے کیوں مہر بلب ہیں؟ ان مسائل پر نقد و جرح کرنے کی ان کی صلاحیت کہاں کھو گئی ہے؟ کیا ان کی نظر سے یہ مسائل ابھی نہیں گزرے ہیں؟ (جو شیخ ابن تیمیہ و شیخ ابن قیم کی کتابوں میں درج ہیں)

نبی کریم!
حاکم وضامنِ جنّت

اہل علم کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت زیر بحث رہی ہے کہ آپ جنت کی جاگیر عطا فرماتے ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی، علامہ شہاب الدین قسطلانی اور علامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی (شارح مواہب لدنیہ) نے اس خصوصیت کا اپنی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔

یہ عطاء جنت توحید و رسالت کی گواہی دینے والوں کے لئے باذنِ الٰہی ہوگی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی یا الہام یا تفویض جنت کی یہ تقسیم ہوگی۔ جس کا اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک سے ملتا ہے۔ انما انا قاسم واللّٰہ معطٍ۔ میں تقسیم کرنے والا اور اللہ عطا فرمانے والا ہے۔

اگر یہ تعبیر صحیح ہے کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے تو پھر یہ تعبیر کیسے صحیح نہیں ہوگی کہ جنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر فرمان ہے۔ بلکہ آپ کے قدم کے نیچے ہے۔

مطلب تو ایک ہی ہے۔ اور ہر ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ یہ مجازی تعبیر ہے۔ اس کا مقصود یہ ہے کہ جنت والدین بالخصوص ماں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی خدمت سے حاصل ہوتی ہے۔

یہی مطلب یہاں بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری اور آپ سے محبت و موالات کے ذریعہ جنت حاصل ہوتی ہے۔

اس خصوصیت کے امثال و شواہد بہت سے ہیں جن سے اس کی صحت ثابت ہے۔

جنت کی جاگیر عطا فرمانے کا معنی یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعض اہل ایمان کے لئے جنت کے ضامن ہیں، چنانچہ بیعت عقبہ کرنے والوں کو یہ سعادت حاصل ہے۔

عبادہ بن صامت سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا: میں بیعت عقبہ اولیٰ کرنے والوں میں شامل تھا۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ پاک پر اس کی بیعت کی کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانیں گے۔ چوری نہیں کریں گے۔ زنا نہیں کریں گے۔ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔ کسی پر کوئی بہتان نہیں لگائیں گے۔ کسی نیک کام کے کرنے میں کوئی نافرمانی نہیں کریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اگر تم نے اپنا یہ عہد پورا کیا تو تمہارے لئے جنت ہے۔ اور اگر اس میں کوئی بدعہدی کی تو تمہارا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ وہ چاہے تو تمہیں عذاب دے اور چاہے تو تمہاری مغفرت فرما دے۔ ذکرہ ابن کثیر فی باب بدء اسلام الانصار (السیرۃ ج ۲ - ص ۱۷۶)

حدیث نبوی میں اس کی تصریح ہے کہ یہ بیعت مشروط بالجنۃ ہے۔

عبادہ بن صامت سے روایت ہے۔ میں ان نقباء میں سے ہوں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امر پر بیعت کی کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ چوری نہیں کریں گے۔ زنا نہیں کریں گے۔ اللہ نے جس کا قتل حرام قرار دیا ہے اسے ناحق قتل نہیں کریں گے۔ اور جنت میں نہ جائیں اگر یہ افعال ہم سے صادر ہوں۔ رواہ البخاری فی کتاب مناقب الانصار باب بیعۃ العقبۃ۔

ایک روایت میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنا یہ عہد پورا کیا اس کے لئے جنت ہے۔ کذا فی البدایۃ ج ۳ ص ۱۵۰۔

قتادہ سے روایت ہے۔ لوگوں نے کہا۔ یا رسول اللہ! ہمارے اس عہد کی تکمیل کے بدلہ میں ہمیں کیا ملے گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ جنت۔ اھ۔ البدایۃ ج ۳ ص ۱۶۳۔

عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ فاذا علمتم ذلک فلکم علی اللہ الجنۃ وعلیّ۔ رواہ الطبرانی۔ انظر کنز العمال ج ۱ ص ۶۳ - و مجمع الزوائد ج ۶ ص ۴۷۔

جب تم نے یہ جان لیا اور اس پر عمل کرو تو تمہارے لئے جنت اللہ کے ذمہ کرم پر ہے۔ اور میری بھی ضمانت ہے۔

عقبہ بن عمرو انصاری سے بھی یہی روایت ہے۔ فاذا علمتم ذلک فلکم علی اللہ

الجنة وعلى- رواه ابن ابی شیبة وابن عساکر۔ انظر کنز العمال ج ا ص ۶۷۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطاہ نعلیہ۔ فقال لہ اذھب فمن لقیت وراء ھذا الحائط یشھد ان لا الہ الا اللہ فبشرہ بالجنة۔ رواہ مسلم فی کتاب الایمان۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنا نعلین مبارک مرحمت فرما کر ارشاد فرمایا۔ جاؤ اور اس دیوار کے پیچھے جو شخص بھی اس بات کی گواہی دیتا ہوا ملے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اسے جنت کی خوشخبری سنادو۔

نبیٔ کریم کے دست کرم میں پروانۂ جنت

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یوضع للانبیاء منابر من نور یجلسون علیھا ویبقی منبری لا اجلس علیھا اوقال لا اقعد علیھا۔ قائما بین یدی ربی مخافة ان یبعث بی الی الجنة وتبقی امتی بعد۔

فاقول یارب امتی امتی۔ فیقول اللہ عزوجل۔ یامحمد ماترید ان اصنع بامتک۔ فاقول یارب عجل حسابھم۔

فیدعی بھم فیحاسبون۔ فمنھم من یدخل الجنة برحمتہ ومنھم من یدخل الجنہ بشفاعتی۔

فما ازال اشفع حتی اعطی صکا کا برجال قد بعث بھم الی النار۔ حتی ان مالکا خازن النار لیقول۔ یامحمد ماترکت لغضب ربک فی امتک من نقمة۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط والبیھقی فی البعث۔ قال المنذری ولیس فی رواتہ متروک۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ انبیاء کرام کے لئے نورانی منبر بچھائے جائیں گے۔ جن پر وہ بیٹھیں گے۔ میں اپنے منبر پر نہیں بیٹھوں گا۔ اپنے رب کے حضور اس اندیشہ کے ساتھ کھڑا رہوں گا کہ مجھے تو جنت میں بھیج دیا جائے گا اور کہیں میری امت یوں ہی نہ رہ جائے۔

میں عرض کروں گا اے رب! میری امت میری امت۔ اللہ عزوجل ارشاد فرمائے گا۔ اے محمد! تم اپنی

امت کے بارے میں مجھ سے کیا چاہتے ہو؟

میں عرض کروں گا۔ اے رب! اس کا حساب جلد کر دے۔ تو میری امت کو طلب کر کے اس کا حساب کر دیا جائے گا۔ اللہ کی رحمت سے کچھ امتی جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ اور میری شفاعت سے کچھ امتی کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔

میں اپنی امت کی شفاعت جاری رکھوں گا اور کچھ لوگ جنہیں جہنم میں بھیجا جا چکا ہو گا انہیں پروانہ جنت دوں گا۔ داروغہ جہنم مالک مجھ سے کہیں گے۔ اے محمد! آپ نے اپنی امت پر اپنے رب کے غضب کے لئے کچھ نہیں چھوڑا۔

نبی کریم اور عطاء جنت

جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم نے عرض کیا۔ ہم کس چیز پر آپ سے بیعت کریں؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔

على السمع والطاعة فى النشاط والكسل وعلى النفقة فى العسر وعلى الامر بالمعروف والنهى عن المنكر ولكم الجنة۔

نشاط وکسلمندی کی ہر حالت میں سمع وطاعت پر، تنگ دستی کے وقت خرچ کرنے پر اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر۔ پھر تمہارے لئے جنت ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا۔ امام احمد نے حضرت جابر ہی سے یہ روایت اس طرح کی ہے۔ حضرت عباس کا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھا۔ اور جب ہم اس بیعت سے فارغ ہو گئے تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

اخذت واعطيت۔ اے فتح الباری ج ۷ ص ۲۲۳۔ رواہ احمد۔ مجمع الزوائد ج ۶ ص ۴۸۔

یعنی تم نے بیعت کی اور ہم نے تمہیں جنت عطا کی۔

ایک روایت میں اس سے بھی زیادہ تصریح ہے۔ حضرت جابر نے بیان کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے ارشاد فرمایا۔

سمع وطاعت پر مجھ سے بیعت کرو۔ اور آخر میں فرمایا ولکم الجنۃ۔ پھر تمہارے لئے جنت ہے۔

صحابہ نے عرض کیا۔ واللہ! ہم یہ بیعت کبھی نہیں توڑیں گے۔ پھر ہم نے بیعت کی اور آپ نے ہماری بیعت لی۔ اور اس کے بدلے ہمیں جنت عطا فرمائی۔ قال الھیثمی روی اصحاب السنن طرفا منه۔ رواہ احمد والبزاز۔ ورجال احمد رجال الصحیح۔ اھ (مجمع الزوائد ج ۶ ص ۴۶)

نبی کریم جنت فروخت کرنے والے اور عثمان بن عفان اس کے خریدار

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔

بیعت حق کے ساتھ عثمان بن عفان نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوبار جنت خریدی۔ ایک مرتبہ بئر معونہ خرید کر اور دوسری مرتبہ جیش عسرت (غزوۂ تبوک) کی تیاری میں مدد دے کر۔ رواہ الحاکم فی مستدرکہ ج ۳ ص ۱۰۷ وصححہ۔

ہر صاحب عقل سمجھتا ہے کہ جنت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ کوئی رسول و نبی و فرشتہ خواہ کتنا ہی جلیل القدر و عظیم المرتبت ہو وہ نہ تو جنت کا مالک ہے نہ اس میں تصرف کرسکتا ہے۔ لیکن اللہ سبحنہ و تعالیٰ کے نزدیک رسولوں کو عزت و کرامت و رفعت حاصل ہے اس لئے دوسروں سے انہیں ممتاز بنانے کے لئے اس نے انہیں اپنے انعام و احسان سے بھی نوازا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان عطایا و تصرفات کو بطور احترام و تعظیم ان کی طرف بھی منسوب کر دیا جاتا ہے۔

عقل کے اسی پیمانہ سے خصائص نبوی کے باب میں یہ کہنے کا جواز پیدا ہو جاتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنت کی جاگیر عطا فرماتے ہیں۔ یا جنت کے ضامن ہیں۔ یا وہ جنت فروخت کرتے ہیں۔ یا جنت کی بشارت دیتے ہیں۔ حالاں کہ بلاشک و شبہ اللہ سبحنہ و تعالیٰ ہی کی جنت ہے اور اس حقیقت کا انکار وہی جاہل کرسکتا ہے جو معمولی مسائل علم سے ادنیٰ سطح کی بھی واقفیت نہ رکھتا ہو۔

شب میلاد النبی کی تفضیل کا مطلب

خصائص نبوی بیان کرتے ہوئے بعض علماء نے لکھا ہے کہ شب میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم شب قدر سے افضل ہے۔ اور ان دونوں راتوں کا انہوں نے موازنہ بھی کیا ہے۔

یہاں ہم اس نکتہ کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ جس شب میلاد کو شب قدر سے افضل سمجھا جاتا ہے وہ صرف وہی شب میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس میں آج سے صدیوں پیشتر آپ کی ولادت طیبہ ہوئی۔ آپ کی وہ حقیقی شب ولادت ہی شب قدر سے افضل ہے۔ جب کہ اس شب قدر سے کوئی واقف بھی نہ تھا۔ اس سے وہ شب نہیں مراد ہے جو ہر سال ماہ ربیع الاول میں شب میلاد النبی کے طور پر منائی جاتی ہے۔

اور حق بات یہ ہے کہ اس مسئلہ پر بحث ومباحثہ کرنے سے کوئی بڑا فائدہ نہیں حاصل ہو جاتا اور اس کے ماننے نہ ماننے سے کوئی نقصان بھی نہیں پہنچتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حقیقی شب میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم شب قدر سے افضل ہے اور وہ شب میلاد بہت پہلے گزر چکی ہے جب کہ شب قدر ہر سال آتی ہے اور یہ ہر رات سے افضل ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ. وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ. لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ. (القدر۔ ۱-۳)

بے شک ہم نے اسے شب قدر میں اتارا۔ اور تم نے کیا جانا شب قدر کیا ہے۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

اس مسئلہ تفضیل پر علماء واسلاف کی بحثیں ہوتی رہی ہیں۔

اور شیخ ابن تیمیہ نے کافی دقت نظر کے ساتھ اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے کہ شب قدر افضل ہے یا شب معراج؟ جب کہ اس مسئلہ پر بحث کا ثبوت نہ ائمہ سلف سے ملتا ہے نہ اہل قرون اولیٰ سے۔ تو پھر صحابہ کرام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بحث کا کیا ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے۔

شیخ ابن تیمیہ کا فتویٰ

شیخ ابن قیم نے لکھا ہے ــــــ شیخ ابن تیمیہ سے سوال کیا گیا۔ ایک شخص کہتا ہے۔ شب معراج شب قدر سے افضل ہے۔ اور دوسرا کہتا ہے شب قدر شب معراج سے افضل ہے ان دونوں میں کس کی بات صحیح ہے؟

شیخ ابن تیمیہ نے جواب دیا۔ الحمدللہ! شب معراج کو شب قدر سے افضل بتانے والے کی

مراد اگر یہ ہے کہ وہ شب جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی اور ساتھ ہی ہر سال کی شب معراج اس حیثیت سے افضل ہے کہ ان میں امت محمدیہ کی عبادت ودعاء وشب بیداری کرنا شب قدر سے افضل ہے تو یہ خیال باطل وفاسد ہے اور کوئی مسلمان ایسی بات نہ کہتا ہے نہ اسے صحیح سمجھتا ہے۔ اور اگر اس کی مراد یہ ہے کہ وہ شب متعین جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی۔ اور اس میں آپ ایسی نعمتوں سے نوازے گئے جو دوسری راتوں میں آپ کو حاصل نہیں ہوئیں اور کسی مخصوص عبادت وشب بیداری کو اس شب میں مشروع نہ سمجھا جائے تو یہ صحیح ہے۔

انظر مقدمة زاد المعاد لابن القیم۔

حدیث لاتطرونی کا مطلب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسیٰ بن مریم۔ نصرانیوں نے عیسیٰ بن مریم کی جس طرح بے جا تعریف کی ویسی میری تعریف نہ کرنا۔

اس حدیث سے کچھ لوگ یہ سمجھ بیٹھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وستائش کرنا ہی بیجا اور غلو مذموم ہے جس سے شرک تک بات جا پہنچتی ہے۔ اور ایسے لوگ یہ بھی سمجھ بیٹھے کہ عامہ بشر سے آپ کو ممتاز کرنے والی تعریف اور آپ کی مدح وستائش و نعت و وصف بیان کرنے والا شخص سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا مخالف اور دین میں بدعت رائج کرنے کا مرتکب ہے۔

اس سوء فہم سے ان لوگوں کی قلتِ نظر کا پتہ چلتا ہے۔ کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کی ممانعت فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو اللہ کا بیٹا کہا۔ ایسی کوئی بیجا و بے بنیاد بات میری تعریف میں نہ کہی جائے۔ اور اگر کسی نے ایسا کیا تو وہ بھی نصرانیوں جیسا ہی ہو جائے گا۔

اور آپ کو افضل نوع بشر، اللہ کا مقرب ترین بندہ اور معظم ترین رسول قرار دیتے ہوئے وصف و مدح کرنا حق ہے۔ کیوں کہ آپ سارے انسانوں میں سب سے کامل توحید والے ہیں اور اس تعریف میں نہ کہیں سے عقیدۂ نصاریٰ جھلکتا ہے نہ ہی آپ کی ذات حقیقت بشریت سے خارج ہوتی ہے۔ امام شرف الدین بوصیری نے بالکل صحیح کہا ہے کہ ؎

دع ما ادعته النصاریٰ فی نبیهم واحکم بما شئت مدحاً فیه واحتکم

عیسیٰ بن مریم کے بارے میں نصرانیوں کے دعویٰ ابنیت کو چھوڑ کر خاتم النبیین محمد رسول اللہ کے بارے میں جو چاہو حکم لگاؤ اور فیصلہ کرو۔

فان فضل رسول اللہ لیس لـــــہ حدٌّ فیعرب عنہ ناطق بفـم

اس لئے کہ محمد رسول اللہ کی فضیلت وعظمت کی کوئی حد نہیں ہے کہ اسے کوئی بیان کرنے والا زبان سے بیان کر سکے۔

اپنے نبی مقرب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وتعریف میں خود خالق کائنات ارشاد فرماتا ہے۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۔ (القلم ۔ ٤)

اور بے شک تمہاری خو بوبڑی شان کی ہے۔

آپ کے ساتھ آداب گفتگو کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۔ (حجرات ۔ ٢)

اے ایمان والو! نبی کی آواز پر اپنی آواز اونچی نہ کرو۔ اور ان کے حضور اس طرح بلند آواز سے بات نہ کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے کرتے ہو کہیں تمہارے عمل ضائع نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۔ (نور ۔ ٦٣)

رسول کو تم اس طرح نہ پکارو جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

پکارنے اور گفتگو کرنے میں ادب نہ ملحوظ رکھنے کی مذمت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۔ (حجرات ۔ ٤)

بے شک تمہیں حجروں کے باہر سے پکارنے والوں میں اکثر لوگ بے عقل ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے سامنے آپ کی موجودگی میں آپ کی نعتیں پیش کیا کرتے تھے۔ آپ کی تعریف وتوصیف کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت حسان بن ثابت انصاری بارگاہ رسول میں عرض کرتے ہیں۔

اغر علیہ للنبوۃ خاتم من اللہ مشھود یلوح ویشھد

اللہ کی طرف سے مشہود اور منور مہر نبوت آپ پر تابندہ اور آپ کی شاھد ہے۔

وضم الالٰہ اسم النبی مع اسمہ اذا قال فی الخمس المؤذن اشھد

اللہ نے نام نبی کو اپنے نام کے ساتھ ملا رکھا ہے کہ پنجوقتہ اذان میں مؤذن شہادتِ توحید کے ساتھ شہادتِ رسالت بھی دیتا ہے۔

وشق له من اسمه ليجله فذو العرش محمود وهذا محمد

اللہ نے آپ کے اجلال و اکرام کے لئے اپنے نام سے آپ کے نام کو مشتق کیا ہے۔ تو مالکِ عرش بریں کا نام محمود اور زینت فرش زمین کا نام محمد ہے۔ (اور دونوں کا مادہ اشتقاق حمد ہے)

نبی اتانا بعد يأس وفترة من الرسل والاوثان فى الارض تعبد

رسولوں کی بعثت کے طویل وقفہ اور لوگوں کی مایوسی کے بعد یہ نبی ہمارے اندر تشریف لائے جب کہ روئے زمین پر بتوں کی پوجا ہو رہی تھی۔

فامسىٰ سراجاً مستنيراً وهادياً يلوح كما لاح الصقيل المهند

تو آپ روشن چراغ اور رسول ہادی ہوئے۔ آپ کا نور صیقل کردہ ہندی تلوار کی طرح جگمگا رہا ہے۔

فانذرنا ناراً و بشّر جنة وعلّمنا الاسلام فالله نحمد

ہمیں آتش جہنم سے ڈرایا اور جنت کی بشارت دی اور اسلام کی تعلیم دی۔ تو ہم حمد الٰہی بجالاتے ہیں۔

یہ نعتیہ اشعار بھی حضرت حسان بن ثابت انصاری کے ہیں۔

يا ركن معتمد وعصمة لائذ وملاذ منتجع وجار مجاور

اے بھروسہ و پناہ و مدد و ہمسائگی چاہنے والے کے سہارا و پناہ گاہ!

يامن تخيره الاله لخلقه فحباه بالخلق الزكى الطاهر

اور اے مخلوقات میں اللہ کے منتخب! جسے اس نے پاکیزہ اخلاق سے نوازا ہے۔

انت النبى وخير عصبة آدم يا من يجود كفيض بحر زاخر

اے بحرِ مواج کے سیل رواں کی طرح جود و سخا کرنے والے! آپ ہی نبی خاتم اور سرخیل و افضل اولاد آدم ہیں۔

ميكال معك وجبريل كلاهما مدد لنصرك من عزيز قادر

رب عزیز قادر کی طرف سے آپ کی حمایت و نصرت کے لئے جبرئیل و میکائیل دونوں آپ کے ساتھ رہ کر آپ کے مددگار رہیں۔

حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد عرض کرتی ہیں۔

الا یا رسول اللہ کنت رجاءنا وکنت بنا براً ولم تک جافیا

یارسول اللہ! آپ ہماری امید تھے۔ ہمارے ساتھ آپ حسن سلوک والے تھے بے رخی برتنے والے نہیں تھے۔

وکنت رحیما هادیا و معلما لیبک علیک الیوم من کان باکیا

آپ رحم کرنے والے ہدایت دینے والے اور تعلیم دینے والے تھے آج جسے رونا ہو وہ آپ پر آنسو بہالے

صدقت و بلغت الرسالة صادقا ومت صلیب العود ابلج صافیا

آپ صادق رہے اور صداقت کے ساتھ پیغام حق پہنچایا۔ اور آپ اصیل و روشن و پاکیزہ وہ کر اس جہان سے تشریف لے گئے۔

فدًی لرسول اللہ امی وخالتی وعمی و أبائی ونفسی ومالیا

میری ماں، میری خالہ، میرے چچا، میرے آباء واجداد اور میری جان و مال سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں۔

فلو ان رب الناس ابقی نبینا سعدنا ولکن امرہ کان ماضیا

کاش! رب کائنات ہمارے نبی کو ہمارے درمیان ہی باقی رکھتا تو ہم کتنے خوش نصیب ہوتے لیکن اللہ کا حکم تو پورا ہو کر ہی رہتا ہے۔

علیک من اللہ السلام تحیة وادخلت جناتٍ من العدن راضیا

اللہ کی جانب سے آپ پر سلام تحیت ہو۔ آپ جنت الفردوس میں رضا و رغبت کے ساتھ خوش آمدید کہے گئے

افاطم صلی اللہ رب محمد علی جدث امسی بطیبته ثاویا

اے فاطمہ زہراء! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی بے شمار رحمتیں ہوں اس قبر نبوی پر جو مدینۃ الرسول کی زینت ہے۔

- حضرت کعب بن زہیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں اپنا مشہور قصیدہ بانت سعاد پیش کیا جس کا مطلع ہے۔

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول متیم اثرها لم یفد مکبول

آگے عرض کرتے ہیں۔

ابنئت ان رسول اللہ اوعدنی و العفو عند رسول اللہ مأمول

ان الرسول لنور یستضاء بہ مھند من سیوف اللہ مسلول

ابوبکر بن الانباری روایت کرتے ہیں۔ جب کعب بن زہیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا یہ شعر سنایا۔

ان الرسول لنور یستضاء بہ مھند من سیوف اللہ مسلول

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے نور ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ آپ اللہ کی بے نیام شمشیر بُرّاں ہیں

تو یہ شعر سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر کعب بن زہیر کو انعام میں اپنی چادر مبارک عطا فرمادی۔

بعد میں امیر معاویہ بن ابی سفیان نے دس ہزار کے بدلے اس چادر مبارک کو لینا چاہا تو کعب بن زہیر نے کہا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ انعام ہرگز کسی کو نہیں دوں گا۔ کعب بن زہیر کا جب انتقال ہو گیا تو امیر معاویہ نے بیس ہزار دے کر یہ چادر مبارک ان کے وارثین سے حاصل کرلی۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی تعریف اس طرح فرمائی ہے۔

انا خیر اصحاب الیمین ـــــ انا خیر السابقین ـــــ انا اتقیٰ ولد آدم و اکرمھم علی اللہ ولا فخر ـــــ رواہ الطبرانی والبیھقی فی الدلائل۔

میں جنت والوں میں سب سے بہتر ہوں۔ میں سابقین میں سب سے بہتر ہوں۔ میں اللہ کے نزدیک اولادِ آدم میں سب سے زیادہ تقویٰ و کرامت والا ہوں۔ اور کوئی فخر نہیں۔

اور فرمایا۔ انا اکرم الاولین والآخرین ولا فخر۔ رواہ الترمذی والدارمی۔

میں اولین و آخرین میں سب سے محترم و مکرم ہوں اور کوئی فخر نہیں۔

اور فرمایا۔ ولم یلتق ابوای علی سفاح قط۔ رواہ ابن عمر العدنی فی مسندہ۔

میرے آباء و امہات میں سے کسی نے کبھی زنا کا ارتکاب نہیں کیا۔

اور جبرئیل امین علیہ السلام عرض کرتے ہیں۔

قلبت مشارق الارض ومغاربھا فلم ار رجلا افضل من محمد ولم ار

افضل من بنی ھاشم ۔ رواہ البیھقی والبونعیم والطبرانی عن عائشۃ رضی اللہ عنھا۔

میں نے زمین کے مشرق ومغرب میں گھوم پھر کر دیکھا مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل کوئی شخص اور بنی ہاشم سے افضل کوئی قبیلہ نہیں دیکھا۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی بالبراق لیلۃ اسریٰ بہ فاستصعب علیہ ۔فقال لہ جبریل: بمحمد تفعل ھذا۔ فمارکبک احد اکرم علی اللہ منہ فارفض عرقا۔ رواہ البخاری ومسلم۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شب معراج براق پیش ہوا تو وہ کچھ نخرے کرنے لگا۔ جبریل امین نے اس سے کہا۔ کیا تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ایسا کر رہے ہو۔ تمہاری پشت پر ان سے زیادہ محترم ومقبول بارگاہ الٰہی کوئی شخص کبھی سوار نہیں ہوا۔ یہ سن کر براق پسینہ پسینہ ہوگیا۔

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا سید ولد آدم یوم القیامۃ ولا فخر۔ وبیدی لواء الحمد ولا فخر۔ وما من نبی یومئذ۔ آدم فمن سواہ ۔ الاتحت لوائی ۔ وانا اول من تنشق عنہ الارض ولا فخر۔ رواہ الترمذی وقال حسن صحیح۔

میں قیامت کے روز اولاد آدم کا سردار ہوں۔ اور کوئی فخر نہیں۔ میرے ہاتھ میں لواء حمد ہوگا اور کوئی فخر نہیں۔ اس دن آدم اور سارے نبی میرے پرچم کے سایہ میں ہوں گے۔ سب سے پہلے میرے لئے زمین شق ہوگی۔ اور فخر نہیں۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا اول الناس خروجا اذ ابعثوا۔ انا قائدھم اذا وفدوا۔ وانا خطیبھم اذا انصتوا۔ وانا شفیعھم اذا حبسوا۔ وانا مبشرھم اذا یئسوا۔ الکرامۃ والمفاتیح یومئذ بیدی۔ ولواء الحمد یومئذ۔

وانا اکرم ولد آدم علی ربی۔ یطوف علی الف خادم کانھم بیض مکنون او لؤلؤ منثور۔

رواہ الترمذی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ قبر سے اٹھائے جانے کے وقت میں سب سے پہلے

اٹھوں گا۔ بارگاہ رب میں پیشی کے وقت میں قیادت کروں گا۔ جب سب خاموش ہوں گے تو میں ان کی ترجمانی و نمائندگی کروں گا۔ جب کسی کو شفاعت کی اجازت نہ ہوگی اس وقت میں شفاعت کروں گا۔ مایوسی کی کیفیت میں خوشخبری سناؤں گا۔ عزت و کرامت اور کنجیاں اس دن میرے ہاتھ میں ہوں گی اور لواء الحمد اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا۔

میں اپنے رب کی بارگاہ میں اولاد آدم کے درمیان سب سے زیادہ عزت و کرامت والا ہوں۔ بکھرے موتیوں جیسے ایک ہزار خادم میرے اردگرد گھومیں گے۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انا اول من تنشق عنه الارض فاكسى حلة من حلل الجنة ثم اقوم على يمين العرش۔ ليس احد من الخلائق يقوم ذلك المقام غيرى۔ رواه الترمذی وقال حسن صحیح۔

میرے لئے زمین سب سے پہلے شق ہوگی۔ مجھے جنتی جوڑا پہنایا جائے گا۔ پھر میں عرش کی دائیں جانب کھڑا ہوں گا۔ میرے سوا کوئی مخلوق اس جگہ نہیں کھڑی ہوگی۔

انبیاء بشر ہیں لیکن .....

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی اپنے احوال وظروف و معاملات وعوارض میں دوسرے انسانوں جیسے ہی ہیں۔ حالاں کہ یہ محض جہل واضح اور خطاء فاحش ہے۔ کتاب وسنت کے دلائل وبراہین اس خیال فاسد کی مکمل طور پر تردید کرتے ہیں۔

حقیقتِ اصلی یعنی بشریت انبیاء کرام اور سبھی اولاد آدم میں قدرِ مشترک ہے۔ جیسا کہ ارشاد خالق کائنات ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ (کہف۔ ۱۱۰)

تم فرماؤ میں بشر ہی ہوں جیسے تم بشر ہو۔

مگر اپنے اوصاف وخصائص اور صفات ومحاسن میں انبیاء کرام دوسرے انسانوں سے بدرجہا ممتاز وفائق ہیں۔ ورنہ ان کی خوبی ہی کیا رہ جائے گی۔ اور دوسروں پر ان کی ترجیح و انتخاب کا فائدہ ہی کیا رہ جائے گا۔

کتاب وسنت کی روشنی میں ہم یہاں کچھ برزخی خصائص اور دنیوی صفات کا ذکر کر رہے ہیں۔

انبیاء کرام اللہ کے بندوں میں منتخب وبرگزیدہ جماعت کا نام ہے۔ اللہ نے انہیں نبوت سے سرفراز کیا ہے۔ حکمت سے نوازا ہے۔ قوت عقل وصحت رائے عطا فرمائی ہے۔ اور انہیں اس لئے منتخب فرمایا ہے کہ وہ اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچائیں۔ اس کے احکام واوامر سے انہیں آگاہ فرمائیں۔ اس کے غضب ومواخذہ سے انہیں ڈرائیں۔ اور انہیں دنیوی واخروی سعادت کی راہ دکھائیں۔

اللہ عز وجل کی حکمت ومشیت یہ ہوئی کہ یہ انبیاء بشر ہی ہوں تاکہ لوگ ان سے مل جل سکیں۔ ان سے استفادہ کر سکیں۔ ان کے نقش قدم پر چل سکیں۔ اور ان کے اخلاق وکردار کی پیروی کر سکیں۔

یہ بشریت تو عین اعجاز ہے۔ وہ جنس بشر میں سے بشری مخلوق ہیں۔ لیکن دوسرے انسانوں سے اتنے ممتاز ہیں کہ وہ ان کے مقام تک پہونچ ہی نہیں سکتے۔ جس سے واضح اور ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کرام کے اوصاف وخصائص کو چھوڑ کر ان کے اندر محض عام بشریت پر نظر رکھنا اور اس کی بات کرتے رہنا یہ جاہلانہ مشرکانہ نظریہ ہے۔

یہ جاہلانہ مشرکانہ نظریہ پہلی قوموں کی وراثت ہے جس کا رب کائنات نے قرآن حکیم میں متعدد جگہ ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً

نوح علیہ السلام سے ان کی قوم نے جو کہا اس کا ذکر اللہ نے اس طرح کیا ہے۔

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا۔ (هود - ۲۷)

تو ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا ہم تو تمہیں اپنا جیسا ہی بشر دیکھتے ہیں۔

موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام سے ان کی قوم نے جو کہا اس کا ذکر اللہ نے اس طرح کیا ہے۔

فَقَالُوْا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ۔ (المومنون - ۴۷)

تو وہ لوگ بولے کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لائیں گے جبکہ ان دونوں کی قوم ہماری غلامی کر رہی ہے۔

ثمود علیہ السلام سے ان کی قوم نے جو کہا اس کا ذکر اللہ نے اس طرح کیا ہے۔

مَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۔ (الشعراء - ۱۵۴)

تم تو ہمارے جیسے آدمی ہو۔ اور اگر سچے ہو تو کوئی نشانی لاؤ۔

شعیب علیہ السلام سے اصحاب ایکہ نے جو کہا اس کا ذکر اللہ نے اس طرح کیا ہے۔

قَالُوْا اِنَّمَا اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ وَمَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ۔ (الشعراء - ۱۸۶)

بولے تم پر جادو ہوا ہے اور تم تو ہمارے ہی جیسے آدمی ہو۔ ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔

سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مشرکوں نے صرف بشریت کی نگاہ سے دیکھا جس کا ذکر اللہ نے اس طرح کیا ہے۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ۔

(فرقان - ۷)

اور بولے اس رسول کو کیا ہوا ہے۔ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔

صفات انبیاء کرام

انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین اگرچہ بشر ہیں، کھاتے پیتے ہیں، بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں، تندرست بھی رہتے ہیں، مریض بھی ہوتے ہیں، عورتوں سے نکاح بھی کرتے ہیں، دوسرے انسانوں کے عوارض مثلاً ضعیفی و بڑھاپا اور موت انہیں بھی طاری ہوتی ہے۔ لیکن وہ بڑی خصوصیات کے حامل اور عظیم صفات سے متصف ہوتے ہیں جو ان کے ساتھ لازمی طور پر ہوتی ہیں اور ان صفات کا خلاصہ یہ ہے۔

صدق، تبلیغ، امانت، فطانت، تنفر پیدا کرنے والے عیوب سے تحفظ، عصمت۔

ان صفات کی یہاں تفصیل نہیں کی جاسکتی۔ اسلامی کتابوں میں ان پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے یہاں صرف چند صفات کا ذکر کیا جارہا ہے جس سے انبیاء کرام دوسرے بشر سے ممتاز ہوجاتے ہیں اور سیدالانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ثابت و متحقق صفات ہی کا ذکر اس وقت کافی ہے۔

آگے کی طرح پیچھے بھی نبی کریم کی قوت مشاہدہ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ھل ترون قبلتی ھٰھنا۔ فواللہ مایخفیٰ علیّ رکوعکم ولا سجودکم انی لاراکم من ورائی۔ (البخاری ومسلم)

واللہ! مجھ پر نہ تمہارا رکوع پوشیدہ رہتا ہے نہ سجدہ۔ میں تمہیں اپنے پیچھے کی طرف سے بھی دیکھتا ہوں۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ایھا الناس انی امامکم فلا تسبقونی بالرکوع ولا بالسجود فانی اراکم من امامی ومن خلفی۔ (صحیح مسلم)

اے لوگو! میں تمہارا امام ہوں۔ رکوع اور سجدہ مجھ سے پہلے نہ کرو۔ میں تمہیں اپنے آگے اور پیچھے دونوں طرف سے دیکھتا ہوں۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انی لا نظر الی ما ورائی کما انظر الی ما بین یدی۔ (اخرج عبدالرزاق فی جامعہ والحاکم وابونعیم)

میں جس طرح آگے دیکھتا ہوں اسی طرح اپنے پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انی لاراکم من وراء ظھری۔ (اخرج ابونعیم)

میں تمہیں اپنی پشت کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

نبی کریم کی رویت وسماعت

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انی اریٰ مالا ترون واسمع مالا تسمعون۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

میں جو دیکھتا ہوں وہ تم لوگ نہیں دیکھتے اور میں جو سنتا ہوں وہ تم لوگ نہیں سنتے۔

اسی حدیث میں ہے۔ آسمان میں چرچراہٹ ہوتی ہے۔ اور اس میں یہ چرچراہٹ ہونی بھی چاہئے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ آسمان میں چار انگل بھی کوئی ایسی جگہ نہیں جس میں کوئی فرشتہ اللہ کے سامنے سجدہ ریز نہ ہو۔ واللہ! جو میں جانتا ہوں اسے اگر تم جان لو تو ہنسو کم اور روؤ زیادہ۔ اور بستروں پر عورتوں سے لذت اندوزی بھی نہ کرسکو۔ بلکہ پہاڑوں پر چڑھ کر اللہ کی پناہ ڈھونڈھنے لگو۔ (رواہ احمد و ترمذی وابن ماجہ)

یہ ارشاد نبوی سن کر حضرت ابو ذر کی زبان سے نکلا۔

یا لیتنی کنت شجرۃ تعضد۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

کاش! میں کوئی درخت ہوتا جسے کاٹ دیا جاتا۔

بغل شریف

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔

رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیہ فی الدعاء حتی یری بیاض ابطہ۔ (البخاری ومسلم)

میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ہاتھ دعا کے لئے دراز کئے ہوئے ہیں۔ اور آپ کے بغل شریف کی چمک نظر آ رہی ہے۔

حضرت جابر سے ایک دوسری روایت ہے۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا یسجد یری بیاض ابطیہ۔ (اخرجہ ابن سعد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو آپ کے بغل شریف کی چمک نظر آتی۔

صحابہ کرام سے کئی ایسی احادیث منقول ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغل شریف کی چمک کا ذکر ہے۔

المحب الطبری نے لکھا ہے کہ بغل شریف کا رنگ جدا تھا۔ قرطبی نے بھی لکھا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے بغل شریف میں بال نہیں تھے۔

جمائی سے پاکی

حضرت یزید بن الاصم سے روایت ہے۔

ماتثاءب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قط۔ (اخرجہ البخاری فی التاریخ و ابن ابی شیبۃ فی المصنف (ابن سعد)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی جمائی نہیں آئی۔

حضرت مسلمہ بن عبد الملک بن مروان سے روایت ہے۔

ماتثاءب نبی قط (اخرجہ ابن ابی شیبۃ)

کسی نبی کو کبھی جمائی نہیں آئی۔

خوشبودار پسینہ

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔

دخل علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال عندنا فعرق وجاءت امی بقارورۃ فجعلت تسلت العرق، فاستیقظ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا ام سلیم ماھذا الذی تصنعین۔ قالت عرق نجعلہ لطیبنا وھو اطیب الطیب۔ (مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے اور قیلولہ فرمایا۔ آپ کے جسم اطہر سے جب پسینہ نکلنے لگا تو میری ماں ام سلیم نے ایک شیشی لے کر اس میں اس پسینہ کو جمع کرنا شروع کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے۔ ارشاد فرمایا۔ ام سلیم! یہ تم کیا کر رہی ہو؟ انہوں نے عرض کیا

یارسول اللہ! پسینہ جمع کر رہی ہوں۔ اسے ہم خوشبو میں ڈالیں گے کیوں کہ یہ پسینہ تو سب سے پاکیزہ و خوشبودار ہے۔

حضرت انس بن مالک ہی سے ایک دوسری روایت ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یاتی ام سلیم فیقیل عندھا فتبسط لہ نطعا فیقیل علیہ ۔ وکان کثیر العرق ۔ فکانت تجمع عرقہ فتجعلہ فی الطیب والقواریر۔ فقال یا ام سلیم ماھذا ؟ قالت عرقک ادوف بہ طیبی ۔ (صحیح مسلم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں ام سلیم کے گھر آکر قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔ وہ آپ کے لئے ایک چمڑا بچھا دیا کرتیں اور آپ اس پر قیلولہ فرماتے۔ آپ کو پسینہ بہت آتا تھا۔ ام سلیم وہ پسینہ جمع کر کے خوشبو میں ملا دیتیں اور شیشی میں رکھ لیا کرتیں۔ آپ نے ایک بار ارشاد فرمایا۔ ام سلیم! کیا کر رہی ہو ؟ انہوں نے عرض کیا آپ کا پسینہ ہے جسے میں خوشبو میں ملا دیا کرتی ہوں۔

درازیٔ قد

حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ زیادہ لمبے تھے نہ پستہ قد بلکہ درمیانہ قد تھے جب تنہا چلتے۔ اور کوئی لمبا آدمی بھی آپ کے ساتھ چلتا تو آپ اس سے لمبے نظر آتے۔ کبھی دو لمبے آدمی آپ سے شانہ ملاتے تو آپ ان سے بھی لمبے ہوتے۔ اور جب وہ جدا ہو جاتے تو آپ کے قد کو درمیانہ ہی کہا جاتا۔ (تاریخ ابن خیثمہ و بیہقی و ابن عساکر)

ابن سبع نے ان خصائص کا ذکر کرتے ہوتے یہ بھی کہا ہے کہ جب آپ مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو سارے بیٹھنے والوں سے آپ کا شانہ بلند ہوتا۔

قدِ بے سایہ

حضرت ذکوان سے روایت ہے۔

دھوپ اور چاندنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں پڑتا تھا (اخرجہ الحاکم والترمذی)

ابن سبع نے لکھا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ زمین پر آپ کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔ آپ نور تھے۔ جب دھوپ یا چاندنی میں چلتے تو آپ کا سایہ نظر نہیں آتا تھا۔

بعض علماء کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ ہونے کی شہادت اس سے ملتی ہے

کہ آپ دعا کیا کرتے تھے واجعلنی نورا۔ اے اللہ! مجھے نور ہی نور بنا دے۔

ایک خصوصیت آپ کی یہ بھی تھی کہ مکھی آپ پر نہیں بیٹھا کرتی تھی۔ (ذکرہ القاضی عیاض والعزفی مولدہ)

ابن سبع نے لکھا ہے۔ آپ کے کپڑوں پر مکھی کبھی نہ بیٹھ سکی۔

بابرکت خون

حضرت عبداللہ بن زبیر سے روایت ہے۔

ایک بار وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ پچھنا لگوا رہے تھے۔ جب فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا۔ عبداللہ! یہ خون لے جا کر ایسی جگہ بہا دو جہاں کوئی اسے نہ دیکھ سکے۔ عبداللہ بن زبیر وہ خون خود ہی پی گئے اور واپس چلے آئے۔ حضور اکرم نے دریافت فرمایا۔ عبداللہ! تم نے خون کیا کیا؟ انہوں نے عرض کیا میں نے اسے ایسی جگہ چھپا دیا جو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔ تم نے اسے پی لیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہاں! آپ نے ارشاد فرمایا۔ بڑے عجیب ہو تم۔ لوگوں کو تم سے اور تمہیں لوگوں سے شر نہ پہنچے۔

صحابہ کرام سمجھتے تھے کہ عبداللہ بن زبیر کی طاقت وشجاعت اسی خون کی وجہ سے تھی۔

(اخرج البزار وابویعلی والطبرانی والحاکم والبیہقی)

نیند کی کیفیت

حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا آپ وتر سے پہلے سو جاتے ہیں۔ ارشاد فرمایا۔

یا عائشۃ! ان عینی تنامان ولاینام قلبی۔ (صحیح بخاری ومسلم)

اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

تنام عینی ولاینام قلبی۔ (صحیح بخاری ومسلم)

میری آنکھ سوتی ہے میرا دل نہیں سوتا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

الانبیاء تنام اعینھم ولا تنام قلوبھم۔
انبیا کی آنکھیں سوتی ہیں ان کے دل نہیں سوتے۔

بدخوابی سے پاکی

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔

ما احتلم نبی قط وانما الاحتلام من الشیطٰن (اخرج الطبرانی من طریق عکرمۃ عن انس وابن عباس۔ والدینوری فی المجالسۃ من طریق مجاھد عن ابن عباس)

کسی نبی کو کبھی احتلام نہیں ہوا۔ احتلام شیطان کی وجہ سے ہوتا ہے۔

ازاستشفاء بالبول

حضرت ام ایمن سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت گھر کے ایک کنارے جا کر پکی ہوئی مٹی کے ایک برتن میں استنجاء (پیشاب) کیا۔ میں رات میں اٹھی اور مجھے سخت پیاس لگی ہوئی تھی۔ میں نے وہ پی لیا۔ صبح ہوئی تو میں نے آپ سے اس کا ذکر کیا۔ یہ سن کر آپ ہنس پڑے اور ارشاد فرمایا۔

انک لن تشتکی بطنک بعد یومک ھذا ابدا۔ (اخرج الحسن بن سفیان فی مسندہ۔ وابویعلی والحاکم والدارقطنی وابونعیم)

آج کے بعد سے تمہارے پیٹ میں کبھی کوئی شکایت نہ ہوگی۔

حضرت ابن جریج سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔

مجھے بتلایا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لکڑی کے ایک بڑے پیالہ میں استنجاء (پیشاب) فرما کر اسے اپنے تخت کے نیچے رکھ دیا کرتے تھے۔ ایک بار آپ نے دیکھا کہ پیالہ میں کچھ نہیں ہے۔ تو ام حبیبہ کی خادمہ برکۃ حبشیہ سے پوچھا۔ پیالہ کا پانی کیا ہوا؟ اس نے عرض کیا میں تو اسے پی گئی۔ آپ نے اس سے ارشاد فرمایا۔ اے ام یوسف (کنیت برکۃ حبشیہ) تم اچھی رہو۔ اس دعا کے بعد اس برکۃ حبشیہ کو کبھی مرض نہیں لاحق ہوا۔ بس اسے مرض وصال ہی ہوا اور اسی میں اسے موت آئی۔ (اخرج عبدالرزاق۔ قال ابن دحیۃ ھذہ قضیۃ اخری غیر قضیۃ ام ایمن۔ وبرکۃ ام یوسف غیر برکۃ ام ایمن)

دس خصوصیاتِ نبوی

کسی عربی شاعر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند اُن خصوصیات کا ذکر کیا ہے جن سے آپ کی ذات دوسرے انسانوں کی عام صفت بشری سے بالکل ممتاز ہو جاتی ہے۔

خُص بنبینا بعشرۃ خصال — لم یحتلم قط ومالہ ظلال

والارض ماتخرج منہ تبتلع — کذلک الذباب عنہ ممتنع

تنام عیناہ وقلب لاینام — من خلفہ یری کما یریٰ امام

لم یتثاوب قط وھی السابعۃ — ولد مختونا الیھا تابعۃ

تعرفہ الدواب حین یرکب — تاتی الیہ سرعۃ لاتھرب

یعلو جلوسہ جلوس الجلسا — صلی علیہ اللہ صبحا ومسا

ان چھ اشعار کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دس خصوصیات حاصل تھیں۔ آپ کا سایہ نہ تھا۔ احتلام نہیں ہوتا تھا۔ بول و براز زمین نگل جاتی تھی۔ آپ پر مکھی نہ بیٹھتی تھی۔ آنکھیں سوتی تھیں دل جاگتا رہتا تھا۔ آگے کی طرح آپ پیچھے بھی دیکھتے تھے۔ جمائی آپ کو نہیں آتی تھی۔ آپ مختون پیدا ہوئے۔ جانور آپ کو پہچان کر آپ کے تابع فرمان رہتے تھے۔ آپ شہ نشیں تھے۔

مفہومِ تبرّک

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے آثار مبارکہ و اہل بیت، اور آپ کے وارث علماء و اولیاء رضی اللہ عنہم سے حصول برکت کی حقیقت سمجھنے میں بہت سے لوگ سخت غلطی کرتے ہیں اور تبرکات سے فیض حاصل کرنے والوں پر شرک و گمراہی کا فتویٰ لگانے کی جسارت بھی کر ڈالتے ہیں جیسا کہ ان کی عادت ہے کہ ہر چیز جو ان کے شعور و ادراک سے باہر ہو اور ان کی نظر وہاں تک نہ پہونچ سکے اس پر اسی قسم کا فتویٰ لگاتے پھرتے ہیں۔

تبرکات کے جواز بلکہ استحباب کے دلائل و شواہد بیان کرنے سے پہلے ہمیں یہ حقیقت سمجھ لینی چاہئے کہ جس سے تبرک حاصل کیا جاتا ہے۔ خواہ وہ یادگاریں ہوں کہ مقامات ہوں کہ ذوات قدسیہ، دراصل ان سے برکت حاصل کرنا ایک طرح بارگاہِ الٰہی میں توسل ہی ہے۔

ذوات قدسیہ سے برکت حاصل کرنا اس طرح توسل ہے کہ وہ برکت حاصل کرنے والا شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اس ذات کو بارگاہ الٰہی کا قرب و منزلت حاصل ہے۔ اور اس کا یہ عقیدہ بھی ہوتا ہے کہ اسے بذات خود کوئی فائدہ پہنچانے یا شر و فساد دور کرنے کی کوئی طاقت نہیں۔ ہاں! باذن الٰہی اس کے اندر یہ طاقت ہو سکتی ہے۔

اسی طرح یادگاروں کا معاملہ ہے کہ وہ ذوات قدسیہ کی طرف منسوب ہوتی ہیں۔ اور انہیں ذوات قدسیہ کے تعلق سے ان یادگاروں کو بھی شرف و کرامت و عظمت و محبوبیت حاصل ہے۔

مقامات کا بھی یہی حال ہے کہ بالذات ان کے اندر کوئی فضیلت نہیں۔ بلکہ ان میں جو اچھے اور نیک کام ہوتے ہیں ان کی وجہ سے انہیں فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً! اللہ کے نیک بندے وہاں نماز پڑھیں، روزے رکھیں اور دوسری عبادتیں کریں تو رحمتوں کا نزول ہونے لگتا ہے۔ ملائکہ آنے لگتے ہیں۔ اور وہاں سکون و وقار کا ماحول بن جاتا ہے۔ یہی وہ برکت ہے جو

مقامات مقدسہ پر حاضر ہو کر اللہ سے طلب کی جاتی ہے۔

یہ برکت ان مقامات پر اللہ کی طرف توجہ، اس کے ذکر و دعا، اور اس سے استغفار کر کے حاصل کی جاتی ہے۔ وہاں جو عظیم و مقدس واقعات پیش آئے انہیں یاد کیا جاتا ہے جس سے دل میں تحریک پیدا ہوتی ہے۔ عزم و حوصلہ بیدار ہوتا ہے۔ نشاط و سرگرمی آجاتی ہے کہ ان اہل صلاح و فلاح و اصحاب خیر و تقویٰ جیسی زندگی ہمیں بھی گزارنی چاہئے۔ اور علم و عمل میں ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنا چاہئے۔

موئے مبارک، آب وضو، لعاب و پسینہ سے حصولِ برکت

۱۔ جعفر بن عبداللہ بن الحکم سے روایت ہے۔

جنگ یرموک میں خالد بن ولید کی ٹوپی گم ہوگئی۔ آپ نے مجاہدین سے کہا اسے فوراً تلاش کرو۔ لوگوں نے اسے تلاش کیا لیکن پا نہ سکے۔ آپ نے پھر زور دیا کہ اسے کہیں سے بھی ڈھونڈھ کر لاؤ۔ تلاش کرتے کرتے ملی۔ جو پرانی تھی کوئی نئی بھی نہ تھی۔

خالد بن ولید نے خود ہی واقعہ بیان کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کیا اور سر منڈایا۔ لوگ آپ کا موئے مبارک لینے کے لئے ہر چہار جانب سے ٹوٹ پڑے۔ میں نے بھی سبقت کر کے آپ کی پیشانی اقدس کا موئے مبارک حاصل کر لیا۔ اور اسے اس ٹوپی کی زینت بنالیا۔ جس جنگ میں بھی اس ٹوپی کے ساتھ میں گیا مجھے فتح و نصرت ہی ملی۔

(قال الحافظ الهيثمي. رواه الطبراني و ابويعلى بنحوه - و رجالهما رجال الصحيح. و جعفر سمع من جماعة من الصحابة. فلا ادري سمع من خالد ام لا - ۳۴۹/۹ — وذكره ابن الحجر في المطالب العالية ج ٤ ص ۹۰ - وفيه يقول خالد - فما وجهت في جهة الا فتح لي)

۲۔ مالک بن حمزہ بن ابی اسید الساعدی الخزرجی اپنے والد حمزہ سے وہ اپنے والد ابو اسید سے روایت کرتے ہیں۔

ان کے پاس مدینہ منورہ میں ایک کنواں تھا جسے بئر بضاعہ کہا جاتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں لعاب دہن ڈال دیا۔ تو وہ اس کنویں سے پانی پی کر برکت حاصل کیا کرتے تھے۔

رواہ الطبرانی و رجالہ ثقات۔

حدیبیہ میں صحابہ کا حال ؛ عروہ بن مسعود کی زبانی

۳۔ عروہ بن مسعود نے بڑے غور سے حدیبیہ میں صحابہ کرام کو دیکھا اور پھر اپنے یہ مشاہدات و تاثرات بیان کئے۔ (عروہ ابھی اسلام سے مشرف نہ تھے)۔

واللہ! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھوکتے تو اسے کوئی نہ کوئی صحابی اپنے ہاتھ میں لے لیتا۔ اور اپنے چہرے وجسم پر مل لیتا۔ آپ جب حکم دیتے تو اس کی تعمیل کے لئے صحابہ دوڑ پڑتے۔ جب آپ وضو فرماتے تو آبِ وضو حاصل کرنے کے لئے ایسا معلوم ہوتا کہ آپس میں لڑ پڑیں گے۔ آپ کے حضور جب وہ بات کرتے تو بہت آہستہ بولتے۔ آپ کی تعظیم وتکریم کا یہ حال تھا کہ نظر اٹھا کر آپ کی طرف نہیں دیکھتے۔

عروہ بن مسعود نے مکہ مکرمہ واپس آکر قریش سے کہا۔

اے لوگو! واللہ! میں بادشاہوں کے درباروں میں گیا ہوں۔ میں نے قیصر وکسریٰ اور نجاشی کا دربار دیکھا ہے۔

واللہ! میں نے کہیں نہیں دیکھا کہ کسی بادشاہ کے رفقاء وہم نشین اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی صحابہ اپنے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعظیم کرتے ہیں۔

واللہ! وہ جب تھوکتے ہیں تو وہ کسی نہ کسی صحابی کے ہاتھ میں پڑتا ہے جسے وہ اپنے چہرہ اور جسم پر مل لیتا ہے۔ جب وہ حکم دیتے ہیں تو دوڑ کر صحابہ اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ جب وہ وضو کرتے ہیں تو آبِ وضو حاصل کرنے کے لئے ایسا لگتا ہے کہ صحابہ آپس میں لڑ پڑیں گے۔ جب آپ کے حضور وہ بات کرتے ہیں تو اپنی آواز بہت آہستہ نکالتے ہیں۔ آپ کی تعظیم کی وجہ سے نظر اٹھا کر آپ کو نہیں دیکھتے۔

(رواہ البخاری فی کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد۔ فتح الباری ج ۵ ص ۳۳۰)

ابن حجر عسقلانی اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ تھوک، جسم سے جدا بال، پاک ہے۔ اور ابرار و صالحین کے پاکیزہ متروکات اور ان سے منسوب چیزوں سے حصول برکت جائز ہے۔

صحابہ کرام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عروہ بن مسعود کی موجودگی میں شاید اس لئے بھی عشق و وارفتگی کا یہ نمونہ پیش کیا کہ وہ خوب یہ سمجھ لیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اصحاب نہ تنہا چھوڑیں گے اور نہ فرار اختیار کریں گے۔ یہ ایک طرح کا اشاریہ تھا۔

گویا زبان حال سے صحابہ کرام یہ کہہ رہے تھے۔

جو لوگ اپنے مقتدا سے اتنی محبت رکھتے ہیں۔ ان کی اتنی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں کیسے یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ اسے چھوڑ کر الگ ہو جائیں اور دشمن کے حوالہ کر دیں گے؟ آپ کی ذات مقدسہ، آپ کے دین اور آپ کی نصرت و اعانت کی چاہت و فداکاری کا جذبہ ان صحابہ کے اندر اس سے کہیں زیادہ ہے جو اپنے رشتہ ناطہ کے تحت قبائل عرب آپس میں ایک دوسرے کی ہمدردی کرتے ہوئے رکھتے ہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مقصود و منشا کی طلب میں، ہر مناسب طریقہ اختیار کرنے کی اجازت ہے۔ (کذا فی فتح الباری ج ۵ ص ۳۴۱۔

اپنے آبِ وضو کے تحفظ کی ترغیب

۴۔ طلق بن علی سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہماری ایک جماعت حاضر ہوئی۔ ہم نے بیعت کی اور آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر ہم نے آپ کو بتلایا کہ ہمارے یہاں ہمارا ایک عبادت خانہ ہے۔ اور ہم نے آپ سے آپ کا بچا ہوا پانی مانگا۔ آپ نے پانی منگا کر وضو اور کلی کرتے ہوئے اسے چمڑے کے ایک برتن میں ڈال کر ہمیں عنایت فرمادیا اور ارشاد فرمایا۔

اب جاؤ۔ اور جب اپنے وطن پہنچنا تو وہ اپنا عبادت خانہ منہدم کرکے وہاں یہ پانی چھڑک دینا اور پھر اسے اپنے لئے مسجد بنالینا۔

ہم نے عرض کیا۔ وطن دور ہے اور شدید گرمی پڑ رہی ہے اور یہ پانی تو ختم ہو جائے گا۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔ اس میں اور پانی ملالینا۔ اس سے برکت ہی ہوگی۔ رواہ النسائی

کذا فی المشکوٰۃ رقم ۷۱۶۔

یہ حدیث مبارک اصول معتبرہ مشہورہ میں سے ہے جس سے خوب واضح ہوجاتا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آثار و منسوبات و متعلقات سے برکت حاصل کرنا جائز و مستحسن ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنا آب وضوء کر اسے برتن میں ڈالا اور حکم فرمایا کہ اسے اپنے ساتھ لے جاؤ اور آپ نے جماعت مذکورہ کی مراد پوری کرنے کے لئے اس کی درخواست پر اسے اس سعادت سے نوازا تھا۔

اور اس جماعت کے دل میں بھی یہ بات جاگزیں تھی کہ آپ سے مس کردہ اور آپکا عطا کردہ پانی خصوصی اثر و برکت کا حامل ہے۔ ورنہ صرف پانی لینے کی بات ہوتی تو مدینہ منورہ میں پانی کی کیا کمی تھی۔ بلکہ خود ان کے وطن ہی میں پانی کی کیا کمی تھی؟

آفتاب کی تمازت، طویل مسافت، مشقتِ سفر برداشت کر کے تھوڑا سا پانی لے جانے کی کوئی تو وجہ ہوگی؟

اور یہ زحمت و مشقت اٹھانے کی وجہ اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس آب مبارک اور آپ کے آثار و منسوبات سے برکت حاصل کی جاتے؟ کہ یہ سعادت ان کے اپنے وطن میں میسر نہیں۔

اور آپ کے اس عمل پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و سند حاصل ہے کہ جب انہوں نے گرمی کی شدت سے اس پانی کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ظاہر کیا تو آپ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ مدّوہ من الماء۔ اس میں اور پانی ملا لینا۔ اس طرح آپ نے واضح فرما دیا کہ اس پانی میں جو برکت شامل ہوگئی ہے وہ دوسرا پانی ملانے پر بھی اسی طرح باقی و برقرار رہے گی۔

وصالِ نبوی کے بعد موئے مبارک سے حصولِ برکت

۵۔ عثمان بن عبداللہ بن موہب نے بیان کیا۔

میرے گھر والوں نے مجھے ایک پیالہ میں پانی دے کر حضرت ام سلمہ کے پاس بھیجا۔

(راوی حدیث) اسرائیل نے اپنی تین انگلیاں بند کر کے اس پیالہ کی طرح بنائیں جس کے اندر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک تھا۔ چاندی کے جلجل میں موئے مبارک رکھا گیا تھا۔

جب کسی آدمی کو نظر لگ جاتی یا اور کوئی تکلیف ہو جاتی تو ایک برتن میں وہ پانی بھیج دیا جاتا۔

ں نے جلجل میں دیکھا کہ چند موئے مبارک ہیں۔ رواہ البخاری فی کتاب اللباس باب مایذکر فی الشیب۔

امام حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

چاندی کا جلجل اس موئے مبارک کی حفاظت کے لیے بنایا گیا تھا جو حضرت ام سلمہ کے پاس تھا۔ جلجل چاندی یا پیتل یا تانبہ سے بنی ہوئی ایک چیز گھنٹی جیسی ہوتی ہے۔ بیچ میں حرکت کرنے والی کنکری نکال کر جس چیز کی حفاظت مقصود ہو وہ چیز اس میں رکھ دی جاتی ہے۔

قد بینہ وکیع فی مصنفہ۔ کذا فی فتح الباری ج ١٠ ص ٣٥٣۔

امام بدرالدین عینی نے لکھا ہے۔

حضرت ام سلمہ کے پاس جلجل جیسی ایک چیز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند سرخ موئے مبارک تھے۔ لوگ اپنی بیماری میں اس سے برکت حاصل کرتے اور اس کی برکت سے شفا پاتے تھے۔ وہ موئے مبارک پانی کے پیالہ میں ڈال دیا کرتے اور وہ پانی جس میں موئے مبارک ہوتا تھا اسے پی جایا کرتے تھے جس سے شفایاب ہو جاتے تھے۔

عثمان بن عبداللہ بن موہب کے گھر والوں نے چند موئے مبارک حاصل کر لئے تھے اور چاندی کے پیالہ میں رکھ لیا تھا۔ پانی کو جب گھر والوں نے پیا تو سب کو شفا مل گئی۔

پھر عثمان کو ان کے گھر والوں نے حضرت ام سلمہ کے پاس اس پیالہ کے ساتھ بھیجا۔ حضرت ام سلمہ نے اسے لے کر جلجل میں ڈال دیا۔ اور عثمان نے جلجل میں دیکھا تو کچھ سرخ موئے مبارک تھے۔

امام بدرالدین عینی نے لکھا ہے کہ روایت میں جو یہ وارد ہے کہ کسی انسان کو نظر لگ جاتی یا اسے کوئی تکلیف پہنچتی تو بعث الیھا مِخْضَبَۃ۔ یہاں مِخْضَبَۃ بمعنی اجانہ ہے۔ (پیالہ۔ مرتبان) جس میں پانی اور کچھ موئے مبارک رکھا جائے۔ موئے مبارک نیچے بیٹھ جاتا اور اس پانی کو جو پی لے اسے شفا مل جاتی۔ پھر وہ موئے مبارک مِخْضَبَۃ سے نکال کر جلجل (شیشی) میں رکھ دیا جاتا۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ١٨ ص ٧٩)

نبی کریم کی طرف سے موئے مبارک کی تقسیم

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتی منیٰ فاتی الجمرۃ فرماھا۔ ثم اتی منزلہ بمنیٰ ونحر وقال للحلاق خذ واشار الی جانبہ الایمن ثم الایسر ثم جعل یعطیہ الناس۔ رواہ مسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادیٔ منی تشریف لائے پھر جمرہ پہونچ کر کنکری ماری پھر منی کے اپنے مقام پر آکر قربانی کی۔ اس کے بعد سر مونڈنے والے کو حکم دیا کہ وہ سر کے دائیں پھر بائیں حصہ کو مونڈے۔ اس کے بعد آپ نے موئے مبارک خود ہی تقسیم فرمانا شروع کیا۔

حضرت انس بن مالک سے یہ بھی روایت ہے۔

لما رمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجمرۃ نحر نسکہ ثم ناول الحالق شقہ الایمن فحلقہ فاعطاہ اباطلحۃ ثم ناول شقہ الایسر فحلقہ۔ فقال اقسم بین الناس۔ رواہ الترمذی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمرہ میں کنکری مار کر جب قربانی سے بھی فارغ ہوگئے تو سر مونڈنے والے کو اپنا دایاں حصۂ سر پیش کیا اور اس نے اسے مونڈا۔ پھر آپ نے اپنا بایاں حصۂ سر پیش کیا اور اس نے اسے بھی مونڈا اور اس کے بعد حکم دیا کہ یہ بال لوگوں کے درمیان تقسیم کر دئے جائیں۔

روایت ترمذی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو طلحہ کو بائیں حصۂ سر کا موئے مبارک تقسیم کرنے کا حکم دیا تھا۔ بطریق ابن عینیہ مسلم کی بھی یہی روایت ہے۔

اور حفص بن غیاث وعبدالاعلیٰ کی روایتوں میں ہے کہ دائیں حصۂ سر کے موئے مبارک کی تقسیم کا حکم تھا۔ اور یہ دونوں روایتیں صحیح مسلم میں ہیں۔

ایک ایک موئے مبارک کی تقسیم

روایت حفص بن غیاث میں ہے۔ فبدأ بالشق الایمن فوزعہ الشعرۃ والشعرتین بین الناس ثم قال بالایسر فصنع مثل ذلک۔ صحیح مسلم۔

دائیں حصۂ سر کے بال منڈوا کر لوگوں کے درمیان ایک ایک دو دو بال تقسیم کیا۔ پھر بائیں حصۂ سر کا حکم دیا اور اس کے ساتھ بھی یہی ہوا۔

اور ایک دوسری روایت ہے۔ قال للحلاق۔ ھا۔ و اشار بیدہ الی الجانب الایمن ھکذا۔ فقسم شعرہ بین من یلیہ قال ثم اشار اشارۃ الی الحلاق الی الجانب الایسر

نحلقه فاعطاه ام سليم. (قال ابوبكر فی روايته عن حفص)

سرمونڈنے والے کو اشارہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ دائیں طرف سے سر مونڈے۔ اور قریب پاس کے لوگوں کے درمیان اس موئے مبارک کو تقسیم فرمادیا۔ راوی نے کہا پھر بائیں طرف کا بال مونڈنے کا حکم دیا اور اس نے مونڈا جسے آپ نے ام سلیم کو عطا فرمادیا۔

موئے مبارک کے حصول کی جدوجہد

مسند امام احمد بن حنبل کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دائیں حصۂ سر کا موئے مبارک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس بن مالک کے ذریعہ ام سلیم زوجۂ ابوطلحہ کو بھجوادیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں سر منڈایا اور انس بن مالک کو حکم دیا کہ یہ (دائیں حصۂ سر کا بال) لے جاکر ام سلیم کو دے دینا۔

لوگوں نے جب دیکھا کہ انس کے اہل خانہ پر خصوصی عنایت ہے تو وہ بائیں حصۂ سر کا بال حاصل کرنے کے لئے دوڑ پڑے۔ کوئی ادھر سے کوئی ادھر سے موئے مبارک حاصل کرنے کی جدوجہد میں لگ گیا۔ رواہ احمد فی مسندہ۔

تطبیقِ روایاتِ موئے مبارک

موئے مبارک سے متعلق مذکورہ روایات میں تعارض نظر آتا ہے۔ کسی میں یہ ہے کہ دائیں حصۂ سر کا موئے مبارک ابوطلحہ کو حضور اکرم نے عنایت فرمایا۔ اور بائیں حصۂ سر کا موئے مبارک لوگوں کے درمیان تقسیم فرمایا۔ کسی میں اس کے برعکس ہے۔ اور کسی میں یہ ہے کہ بائیں طرف کا موئے مبارک ام سلیم کو مرحمت فرمایا۔

صاحب المفہم نے ان روایات میں اس طرح تطبیق دی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دایاں حصۂ سر منڈ اکر اسے ابوطلحہ کو دیا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ دایاں حصۂ سر منڈ اکر اسے لوگوں کے درمیان تقسیم فرمایا اور بائیں حصۂ سر کا موئے مبارک ام سلیم کو دیا جو انس بن مالک کی والدہ اور ابوطلحہ کی زوجہ ہیں۔

ان دونوں روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دایاں حصۂ سر منڈ اکر اسے لوگوں کے درمیان تقسیم کرنے کی خدمت ابوطلحہ کے سپرد کی اور ابوطلحہ نے اسے لوگوں کے درمیان

تقسیم کیا۔ اور بایاں حصہ سر منڈا کر ابوطلحہ کو دیا کہ وہ اسے اپنے پاس رکھیں۔ اس طرح ہر نسبت اپنی اپنی جگہ درست ہے۔ واللہ اعلم۔

المحب الطبری نے لکھا

صحیح یہ ہے کہ دائیں حصۂ سر کا موئے مبارک لوگوں کے درمیان آپ نے تقسیم کرایا اور بائیں حصۂ سر کا موئے مبارک ابوطلحہ و ام سلیم کو عطا فرمایا۔

اور ان دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ ام سلیم ابوطلحہ کی زوجۂ محترمہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دونوں کے لئے عطا فرمایا۔ اس طرح کبھی ابوطلحہ کی طرف اور کبھی ام سلیم کی طرف نسبت ہوتی ہے۔ انتہیٰ

اس واقعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن پر ہمارے ماں باپ اور ہماری جان قربان ہیں۔ ان کے موئے مبارک اور آثار شریفہ سے حصول برکت کا جواز و استحسان ثابت ہوتا ہے۔

مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت ابن سیرین کی یہ روایت ہے۔ ابن سیرین نے کہا۔ مجھ سے عبیدۃ السلمانی نے مذکورہ حدیث موئے مبارک بیان کرتے ہوئے کہا۔

میرے پاس ایک موئے مبارک کا ہونا سطح زمین و زیر زمین کے ہر سرخ و زرد مال و متاع سے محبوب و پسندیدہ ہے۔

حضرت خالد بن ولید کی ٹوپی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک تھا اور وہ جہاں بھی جاتے تھے فتح و نصرت ان کے قدم چومتی تھی۔

ابوطلحہ نے جب موئے مبارک لوگوں کے درمیان تقسیم کرنا شروع کیا تو اسی وقت خالد بن ولید نے ان سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کا موئے مبارک مانگ لیا تھا اور انہوں نے دے بھی دیا تھا۔ اور یہی موئے مبارک ان کی ٹوپی میں رہا کرتا تھا۔ اور اسی پیشانی کے موئے مبارک کی برکت سے خالد بن ولید کو ہر قدم پر فتح و نصرت حاصل ہوتی تھی۔ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۸ ص ۲۳۰ - ۲۳۱ -

خوشبودار پسینہ کا تبرک

۶ - انس بن مالک سے روایت ہے۔

ام سلیم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چمڑے کا بستر بچھا دیا کرتی تھیں جس پر آپ قیلولہ فرماتے تھے۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے تو ام سلیم نے (چمڑے کے بستر پر آئے ہوئے قطرات پسینہ) آپ کے پسینہ اور موئے مبارک کو جمع کر کے ایک شیشی میں محفوظ کر کے اسے خوشبو میں ملالیا۔

راوی نے کہا۔ انس بن مالک نے اپنی وفات کے وقت وصیت کی کہ میرے انتقال کے بعد اس پسینہ رسول میں مخلوط خوشبو کو میرے جسم و کفن پر مل دینا۔ رواہ البخاری فی کتاب الاستیذان باب من زار قوما فقال عندھم۔

۷۔ انس بن مالک سے روایت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے اور قیلولہ فرمایا میری ماں ام سلیم نے آپ کا پسینہ جمع کرنا شروع کیا۔ اتنے میں آپ بیدار ہو گئے۔

پوچھا۔ ام سلیم! کیا کر رہی ہو؟

انہوں نے عرض کیا۔ یہ آپ کا پسینہ ہے جسے ہم خوشبو میں ملادیں گے۔ یہ پسینہ تو سب سے عمدہ خوشبو ہے۔ رواہ مسلم۔

۸۔ اسحٰق بن ابی طلحہ کی روایت ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پسینہ آیا۔ اور پرانے چمڑے کے ٹکڑے پر وہ پسینہ جمع ہونے لگا ام سلیم اسے پونچھ کر شیشی میں جمع کرنے لگیں کہ آپ بیدار ہو گئے۔

اور پوچھا۔ کیا کر رہی ہو؟

عرض کیا۔ اپنے بچوں کے لیے ہم اس کی برکت چاہتے ہیں۔

ارشاد فرمایا۔ ٹھیک ہے۔

ابو قلابہ کی روایت ہے۔ ام سلیم آپ کا پسینہ جمع کر کے اسے خوشبو میں ملاتی تھیں اور شیشی میں رکھ دیتی تھیں۔

آپ نے پوچھا۔ تم کیا کر رہی ہو؟

عرض کیا۔ اسے ہم اپنی خوشبو میں ملائیں گے۔

یہ ساری روایات بتلاتی ہیں کہ ام سلیم کے اس عمل سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف یہ کہ بخوبی واقف تھے بلکہ اسے ٹھیک بھی کہا ہے۔

ام سلیم نے کہا تھا ہم اس پسینہ کو جمع کر کے اسے خوشبو میں ملائیں گے اور یہ بھی کہا تھا کہ اس سے برکت حاصل کریں گے۔

ان دونوں باتوں میں کوئی اختلاف و تعارض نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ان دونوں مقاصد کے پیش نظر پسینہ جمع کر رہی تھیں۔

فتح الباری۔ الجزء الحادی عشر ص ۷۲۔

جسم مبارک سے مس کردہ برکت

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ ان کے والد نے بیان کیا۔

اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ ایک نیک ہنس مکھ ظریف آدمی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر لوگوں سے باتیں کر رہے تھے اور انہیں ہنسا رہے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کمر میں کچوکا لگایا تو کہنے لگے۔ آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے آپ نے فرمایا۔ بدلہ لے لو۔ انہوں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! آپ تو کرتہ پہنے ہوئے ہیں اور میرے جسم پر کرتہ نہیں۔

حضور نے اپنا کرتہ اوپر اٹھا دیا۔ تو وہ آپ سے لپٹ گئے اور پہلو کو چومنے لگے اور عرض کیا۔ یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ میں بس یہی چاہتا تھا۔ قال الحاکم هذا حدیث صحیح حسن ولم یخرجه و وافقه الذهبی فقال صحیح۔ و اخرجه ابن عساکر عن ابی لیلیٰ رضی الله عنه مثله کما فی الکنز ج ۷ ص ۷۰۱۔ قلت والحدیث عند ابی داؤد ـ والطبرانی عن اسید بن حضیر نحوه کما فی الکنز ج ٤ ص ٤٣۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر میں مجاہدین کی صفیں درست فرما رہے تھے اور آپ کے دست مبارک میں ایک تیر تھا جس سے آپ لوگوں کو درست کر رہے تھے۔

صفوں کا جائزہ لیتے ہوئے سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ حلیف بنی عدی بن النجار کے قریب سے

گزرے جو صف سے باہر تھے۔ انہیں آپ نے ہلکا سا کچو کا لگاتے ہوئے حکم دیا کہ سواد سیدھے ہو جاؤ۔ سواد نے کہا۔ یارسول اللہ! آپ نے تو مجھے تکلیف پہنچادی جب کہ اللہ نے آپ کو حق اور عدل کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ آپ مجھے اس کا بدلہ دیجئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بدن سے کرتہ یا اس کی جگہ جو کپڑا تھا اسے ہٹادیا اور فرمایا کہ بدلہ لے لو۔

سواد بڑھ کر لپٹ گئے اور شکم مبارک چومنے لگے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ سواد! تم نے کیوں ایسا کیا؟ انہوں نے عرض کیا۔

یارسول اللہ! جو ہوا وہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ میں نے چاہا کہ آپ سے آخری معاملہ یہ ہو کہ آپ کے جسد اطہر سے اپنا جسم مس کرنے کی مجھے سعادت مل جائے۔ ان کی بات سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعاء خیر کی۔ اخرجہ ابن اسحٰق عن حبان بن واسع عن اشیاخ من قومہ۔ وقالہ کذا فی البدایۃ ج ۳ ص ۲۷۱۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو تنبیہ کرتے ہوئے اپنے دست مبارک میں موجود چھڑی سے اس کے پیٹ میں کچو کا لگاتے ہوئے فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں اس سے منع نہیں کیا تھا؟ اس شخص کے پیٹ میں کچھ خراش آگئی جس سے خون نکل آیا۔ اس نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! مجھے بدلہ چاہئے۔

لوگوں نے کہا۔ کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدلہ لینا چاہتے ہو؟ اس نے کہا میرے جسم سے تمہارا جسم اچھا نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کرتہ اوپر اٹھا کر شکم مبارک کھول دیا اور فرمایا کہ بدلہ لے لو۔ اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکم مبارک چوم لیا اور عرض کیا۔ میں اس درخواست کے ساتھ اپنا بدلہ آپ سے نہیں لے رہا ہوں کہ آپ بروز قیامت میری شفاعت فرمائیں۔ اخرجہ عبد الرزاق عن الحسن۔ کذا فی الکنز ج ۷ ص ۳۰۲۔

سواد بن عمرو کا بھی ایک واقعہ اسی طرح کا ہے۔ اخرجہ ابن سعد ج ۳ ص ۷۲ عن الحسن۔

اور روایت ہے ایک انصاری شخص سوادۃ بن عمرو کو ایک موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنے ہاتھ کی چھڑی سے کچوکا لگایا۔ اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے بدلہ چاہئے۔ آپ نے وہی چھڑی اسے دے دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو کرتے پہنے ہوئے تھے۔ انہیں وہ اوپر اٹھانے لگا لیکن لوگوں کی زجر و توبیخ پر رک گیا اور چھڑی پھینک کر آپ کا جسم مبارک چومنے لگا۔ پھر عرض کیا۔

یا رسول اللہ! میں آپ سے اس درخواست کے ساتھ یہ بدلہ چھوڑ رہا ہوں کہ قیامت کے روز آپ میری شفاعت فرمائیں۔ اخرجه عبد الرزاق. كما فى الكنز ج ۷ ص ۳۰۲ عن الحسن. واخرجه البغوى نحوه كما فى الاصابة ج ۲ ص ۹۶۔

حضرت زاھر کا واقعہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ زاہر ہمارے دیہاتی اور ہم اس کے شہری ہیں۔ زاہر سے آپ محبت فرماتے تھے۔ ایک بار آپ بازار تشریف لے گئے تو وہاں زاہر کو ایک جگہ دیکھا کہ کھڑے ہیں۔ آپ نے پشت کی طرف سے آکر انہیں پکڑ لیا اور اپنا ہاتھ ان کے آگے کر دیا کہ دیکھ نہ پائیں جب زاہر کو احساس ہو گیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تو وہ خود کہتے ہیں۔

میں اپنی پشت آپ کے سینے سے ملنے لگا کہ برکت میسر آجائے۔

شمائل ترمذی میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے انہیں اس طرح پکڑ لیا جیسے گود میں لیا جاتا ہے۔ اور زاہر آپ کو دیکھ نہیں پا رہے تھے۔ کہنے لگے مجھے چھوڑ دو۔ کون ہو تم؟ پھر توجہ دی تو پہچان گئے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو اپنی پشت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ سے خوب ملنے لگے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس غلام کو کون خریدے گا؟ زاہر نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ! میں بہت کم قیمت ہوں۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔ تم اللہ کے نزدیک قیمتی ہو۔

شمائل ترمذی میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

تم اللہ کے نزدیک کم قیمت نہیں۔ یا یہ ارشاد فرمایا کہ تم اللہ کے نزدیک بیش قیمت ہو۔

المواهب اللدنية ج ۱ ص ۲۹۷۔

مُبارک خون سے حصولِ برکت

عبداللہ بن زبیر کا واقعہ

عامر بن عبداللہ بن زبیر سے روایت ہے۔

میرے والد عبداللہ بن زبیر ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ پچھنا لگوا رہے تھے۔ اس سے فراغت کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا۔

عبداللہ! یہ خون لے جاکر ایسی جگہ بہادو جہاں اسے کوئی دیکھ نہ پائے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور جاکر اس خون کو پی گئے۔ اور جب واپس آئے تو آپ نے فرمایا۔ عبداللہ! وہ خون کیا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا۔ میں نے اسے ایسی جگہ چھپا دیا ہے جو میرے خیال میں لوگوں کی نظروں میں سب سے پوشیدہ جگہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ تم اسے پی گئے؟

عرض کیا۔ ہاں! آپ نے ارشاد فرمایا۔ کیوں؟ لوگوں کو تم سے نقصان نہ پہنچے اور تم دوسروں کے شر سے محفوظ رہو۔

ابوموسیٰ بیان کرتے ہیں کہ ابو عاصم نے کہا۔ ان کے اندر جو قوت تھی وہ اسی خون کی وجہ سے تھی۔ کذا فی الاصابۃ ج ۲ ص ۳۱۰۔ واخرجہ الحاکم ج ۳ ص ۵۵٤۔ والطبرانی نحوہ۔ قال الهیثمی ج ۸ ص ۲۷۰۔ رواہ الطبرانی والبزاز باختصار و رجال البزاز رجال الصحیح غیر هنید بن القاسم وھو ثقۃ۔ انتھی۔ واخرجہ ایضا ابن عساکر نحوہ۔ کذا فی الکنز ج ۷ ص ۵۷ مع ذکر قول ابی عاصم۔

ایک روایت میں ہے۔ ابو مسلم نے کہا۔

صحابہ کرام کا خیال تھا کہ عبداللہ بن زبیر کی قوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پچھنا کا خون پی جانے کی وجہ سے تھی۔

عبداللہ بن زبیر کے غلام کیسان سے روایت ہے۔

حضرت سلمان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے دیکھا کہ عبداللہ بن زبیر ایک طشت سے کچھ پی رہے ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔ آپ نے پوچھا کیا تم کام کر چکے؟ انہوں نے عرض کیا۔ ہاں!

سلمان بول اٹھے۔ یا رسول اللہ! یہ کیا بات ہو رہی ہے؟

ارشاد فرمایا۔ میں نے انہیں اپنے پچھنا کا غسالہ دیا کہ اسے کہیں بہا دیں۔

سلمان نے عرض کیا۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ اسے تو یہ پی گئے۔

آپ نے عبداللہ بن زبیر سے استفسار فرمایا۔ کیا تم پی گئے؟ انہوں نے عرض کیا۔ ہاں!

آپ نے فرمایا کیوں؟

عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرے اندر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ آپ کا خون میرے شکم میں آ جائے۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور عبداللہ بن زبیر کے سر پر دستِ شفقت پھیرا پھر ارشاد فرمایا۔ تمہیں لوگوں سے نقصان نہ پہنچے اور تم دوسروں کے شر سے محفوظ رہو۔ تمہیں جہنم کی آگ نہ چھوئے گی۔ الاقسم الیمین۔ عند ابی نعیم فی الحلیۃ ج ا ص ۳۳ — واخرجہ ابن عساکر عن سلمان نحوہ مختصرا ورجالہ ثقات۔ کذا فی الکنز ج ۷ ص ۵۶ وروی نحوہ الدارقطنی فی سننہ۔

ایک اور روایت میں ہے۔

عبداللہ بن زبیر نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون پیا تو ان سے آپ نے ارشاد فرمایا۔ تم نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے عرض کیا۔ آپ کے خون سے آتش جہنم دور رہے گی اس لئے میں نے آپ کا وہ خون پی لیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ تم دوسروں کے شر سے محفوظ رہو۔

اسماء بنت ابی بکر کا بھی ایک ایسا ہی واقعہ ہے۔ اور اس میں یہ ارشاد مبارک ہے۔ تمہیں آگ نہ چھوئے۔ رواہ الدارقطنی۔

عبداللہ بن زبیر نے جب وہ خون پیا تو ان کے منہ سے مشک جیسی خوشبو پھیل گئی۔ اور یہ خوشبو ان کی شہادت تک ان کے منہ سے پھیلتی رہی۔ الجوھر المکنون فی ذکر القبائل

والبطون - کذا فی المواھب للحافظ العسقلانی۔

سفینہ کا واقعہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت سفینہ بیان کرتے ہیں۔
آپ نے پچھنا لگوایا۔ پھر مجھے حکم صادر فرمایا کہ یہ خون لے جاؤ اور کہیں ایسی جگہ دفن کرد
جہاں چوپائے، پرندے اور آدمی نہ پہونچ سکیں۔ میں لے گیا اور ایک جگہ چھپ کر اسے پی گیا۔ پھ
میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان بھی کر دیا۔ آپ یہ سن کر ہنسنے لگے۔ اخرجه الطبرا
قال الھیثمی ج۸ ص۲۷۰ رجال الطبرانی ثقات۔

مالک بن سنان کا واقعہ

ابو سعید خدری کے والد مالک بن سنان غزوۂ احد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ک
زخمی ہونے کے وقت آپ کا زخم چاٹنے اور چوسنے لگے جس سے زخم کی جگہ چمکنے لگی۔ آپ نے ارشا
فرمایا۔ خون تھوک دو۔ انہوں نے عرض کیا۔ نہیں میں تو اسے ہرگز نہیں تھوکوں گا اور وہ اسے پی گئ
آپ نے ارشاد فرمایا۔
جسے کوئی جنتی آدمی دیکھنا ہو وہ انہیں دیکھ لے۔
مالک بن سنان غزوۂ احد ہی میں شہید ہو گئے۔ فی سنن سعید بن منصور من طریق
عمرو بن السائب - ورواه الطبرانی ایضاً وفیہ۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میرا خون جس کے خون میں شامل ہو گیا اسے
آتش جہنم نہیں چھوئے گی۔ قال الھیثمی لم ار فی اسناده من اجمع علی ضعفه اھ۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جسے یہ دیکھ کر خوشی حاصل کرنی ہو کہ میرا خون کسی
کے خون میں شامل ہے تو وہ مالک بن سنان کو دیکھ لے۔ رواه سعید بن منصور فی سننه۔

ایک قریشی لڑکے کا واقعہ

ایک قریشی لڑکے نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پچھنا لگایا۔ اور اس سے فارغ ہو کر
خون کو دیوار کے پیچھے لے گیا۔ دائیں بائیں دیکھا تو کوئی نظر نہ آیا۔ اس نے موقع غنیمت دیکھا اور
خون کو پی گیا۔

جب واپس آیا تو آپ نے پوچھا تم نے خون کیا کیا؟ اس نے کہا دیوار کے پیچھے جا کر میں نے خون کو چھپا دیا۔ ارشاد فرمایا۔ کہاں چھپا دیا؟ اس نے کہا۔

یارسول اللہ! میں نے یہی بہتر سمجھا کر زمین پر آپ کا یہ خون نہ بہاؤں اس لئے وہ تو میرے پیٹ میں چلا گیا۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔ جاؤ۔ تم نے جہنم سے اپنے آپ کو بچا لیا۔ رواہ ابن حبان فی الضعفاء عن ابن عباس۔ ذکرہ الحافظ القسطلانی فی المواہب اللدنیۃ۔

برکۃ خادمۂ ام حبیبہ کا واقعہ

حضرت ابن جریج سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔

مجھے بتلایا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لکڑی کے ایک پیالہ میں استنجاء (پیشاب) فرما کر اسے اپنے تخت کے نیچے رکھ دیا کرتے تھے۔ ایک بار آپ نے دیکھا کہ پیالہ میں کچھ نہیں ہے تو ام حبیبہ کی خادمہ برکۃ حبشیہ سے استفسار فرمایا کہ پیالہ کا پانی (پیشاب) کیا ہوا؟

اس نے عرض کیا۔ میں اسے پی گئی۔

ارشاد فرمایا۔ ام یوسف (برکۃ حبشیہ کی کنیت) ٹھیک ہے۔

اس واقعہ کے بعد برکۃ حبشیہ کبھی بیمار نہیں ہوئیں۔ بس انتقال ہی کی بیماری ہوئی۔

قال الحافظ ابن حجر روی عبد الرزاق عن ابن جریج۔ کذا فی التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر ج ۱ ص ۳۲۔ قلت وقد رواہ ابوداؤد والنسائی مختصرا۔ قال الحافظ السیوطی وقد اتمہ عبد البر فی الاستیعاب۔ وفیہ انہ سألہا عن البول الذی کان فی القدح فقالت شربتہ یارسول اللہ۔ و ذکر الحدیث۔ کذا فی شرح السیوطی علی سنن النسائی ج ۱ ص ۳۲۔

ام ایمن کا واقعہ

ام ایمن بیان کرتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت اٹھے اور گھر کے ایک گوشہ میں تشریف لے گئے اور مٹی کے ایک برتن میں استنجاء (پیشاب) فرمایا۔

میں بھی رات میں اٹھی تو مجھے خوب پیاس لگ رہی تھی۔ میں بے خبری میں وہی پانی پی گئی۔
صبح کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔
ام ایمن! جاؤ اس برتن کا پانی بہا دو۔
میں نے عرض کیا۔ اللہ کی قسم! میں تو اسے پی گئی۔
ام ایمن کہتی ہیں۔ میری بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح ہنسے کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ پھر ارشاد فرمایا۔ تمہارے پیٹ میں کبھی تکلیف نہ ہوگی۔ قال الامام الحافظ القسطلانی فی المواهب۔ اخرج الحسن ابن سفیان فی مسنده والحاکم والدارقطنی والطبرانی وابونعیم من حدیث ابی مالک النخعی عن الاسود بن قیس عن نبیح العنزی عن ام ایمن۔

قال الحافظ ابن حجر فی التلخیص۔ وصحح ابن دحیة انهما قضیتان وقعتا لامرأتین وهو واضح من اختلاف السیاق ووضح ان برکة ام یوسف غیر برکة ام ایمن مولاة ابو رافع کی بیوی بیان کرتی ہیں۔
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غسالہ پی لیا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ تمہارا بدن جہنم پر حرام ہے۔ اخرجه الطبرانی فی الاوسط من حدیثها۔ وفی السند ضعف۔ کذا فی التلخیص ج۱ ص ۳۲۔
امام قسطلانی کہتے ہیں۔
شیخ الاسلام بلقینی کی یہی رائے ہے۔ اور ان احادیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خون اور پیشاب کی طہارت کا پتہ چلتا ہے۔

سرۃ خادمۂ ام سلمہ کا واقعہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لکڑی کا ایک پیالہ تھا جس میں استنجاء (پیشاب) کر کے اپنے تخت کے نیچے رکھ دیا کرتے تھے۔ ایک روز بیدار ہوئے اور تلاش کیا تو وہ پیالہ نہیں ملا تو آپ نے استفسار فرمایا۔ پیالہ کہاں ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اسے لے جا کر سرۃ حبشیہ خادمۂ ام حبیبہ نے اس کا پانی پی لیا ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔

اس نے جہنم سے آڑ حاصل کر لیا۔ اخرج الطبرانی عن حکیمۃ بنت امیمۃ من امها۔

قال الهیثمی۔ ج ۸ ص ۲۷۱۔ رجاله رجال الصحیح۔ غیر عبد الله بن احمد بن حنبل وحکیمۃ وکلاهما ثقات۔

اقوال علماء وائمہ

امام محی الدین نووی کہتے ہیں۔

دم و بول (خون اور پیشاب) کو طاہر کہنے والے علماء نے ان دو مشہور احادیث سے استدلال کیا ہے کہ ابو طیبہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پچھنا لگایا اور اس خون کو پی لیا۔ اور ایک عورت نے آپ کا بول مبارک پی لیا جس پر آپ نے کسی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں فرمایا۔

حدیث ابو طیبہ ضعیف اور حدیث شرب بول صحیح ہے۔ دار قطنی نے اس کی روایت کر کے اسے حدیث حسن صحیح کہا ہے۔ جس پر قیاس کرتے ہوئے یہ استدلال درست ہوگا کہ آپ کے تمام فضلات پاک ہیں۔

قاضی حسین نے کہا کہ صحیح یہی ہے کہ تمام فضلات پاک ہیں۔ اور جہاں تک یہ بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے خود بچا کرتے تھے تو یہ بطور استحباب ہے۔ اھ

شرح المہذب ج ۱ ص ۲۳۳۔

شارح بخاری علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک تو معظم و مکرم ہیں اور اس بحث سے خارج ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ ماوردی کی یہ بات کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں صحیح مذہب یہی ہے کہ ان کی طہارت یقینی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ موئے مبارک کی طہارت کے سلسلے میں شک و شبہ میں مبتلا ہیں اور کچھ اور ہی بات ان کے ذہن میں ہے نعوذ باللہ من ذلک القول۔

ایک آدھ شافعی حضرات نے بھی ایسی بات کہی ہے جس سے ان کے دائرۂ اسلام سے نکل جانے کا خطرہ ہے۔ ان کا یہ کہنا کتنے سنگین نتائج کا حامل ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کے دو پہلو ہیں۔ حاشا وکلا۔ کہنے والے نے یہ بات کیسے کہہ دی۔ موئے مبارک تو موئے مبارک ہیں۔ آپ کے فضلات کو بھی طاہر کہا گیا ہے۔

علامہ عینی نے یہ بھی لکھا ہے۔ بہت سی احادیث میں وارد ہے کہ کئی ایک لوگوں نے آپ کا خونِ مبارک پیا۔ جن میں ابوطیبہ حجام اور ایک قریشی لڑکا بھی شامل ہے۔ جن دونوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پچھنا لگایا۔ اور عبداللہ بن زبیر نے بھی آپ کا خون پی لیا تھا۔ رواه البزار والطبرانی والحاکم والبیہقی و ابونعیم فی الحلیۃ۔

علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بول مبارک پی لیا تھا۔ نیز ام ایمن نے آپ کا بول مبارک پیا۔

رواه الحاکم و الدارقطنی والطبرانی و ابونعیم فی الحلیۃ۔

سلمیٰ زوجہ ابورافع نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غسالہ پیا تھا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ تمہارے بدن پر آتش جہنم اللہ نے حرام فرما دیا۔ اخرجه الطبرانی فی الاوسط۔

عمدة القاری ج ۲ ص ۳۵ للعینی۔

علامہ حافظ شہاب الدین قسطلانی امام نووی کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

صحیح یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سبھی فضلات طاہر ہیں۔ یہی امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے۔ جیسا کہ عینی نے لکھا ہے۔

شیخ الاسلام ابن حجر لکھتے ہیں۔ آپ کے فضلات کی طہارت پر بہت سی دلیلیں ہیں۔ اور علماء وائمہ اسے آپ کے خصائص میں شمار کرتے ہیں۔ انتہیٰ۔ المواهب اللدنیۃ للقسطلانی۔

مقام نماز سے حصول تبرک

عبداللہ بن عمر سے نافع روایت کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرف الروحاء سے آگے کی مسجد صغیر میں نماز پڑھی۔

عبداللہ بن عمر جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام نماز کا علم تھا۔ وہ کہتے ہیں۔

پھر تم اپنے دائیں جانب مڑو اور مسجد میں نماز پڑھو۔ یہ مسجد مکہ جاتے وقت دائیں راستہ کے کنارے واقع ہے۔ اس مسجد اور مسجد اکبر کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ ہے۔ رواہ البخاری۔

مشکیزہ کے دہانہ سے حصول برکت

انس بن مالک سے روایت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ام سلیم کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں ایک لٹکا ہوا مشکیزہ تھا۔ اس کے دہانہ سے آپ نے پانی پیا۔

ام سلیم نے وہ دہانہ کاٹ کر رکھ لیا جو ہمارے گھر پر محفوظ ہے۔ رواہ الامام احمد وغیرہ۔

مطلب یہ ہے کہ ام سلیم نے مشکیزہ کا وہ حصہ کاٹ لیا جہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پیا تھا۔ اور اثر نبوی سے حصول برکت کے لئے اسے اپنے گھر میں حفاظت سے رکھ لیا۔

ورواہ الطبرانی وفیہ البراء بن زید ولم یضعفہ احمد۔ وبقیۃ رجالہ رجال الصحیح۔

مس کردہ دستِ مبارک سے حصول برکت

یحییٰ بن حارث ذماری بیان کرتے ہیں۔

میں نے واثلہ بن اسقع سے ملاقات کی۔ اور ان سے پوچھا کیا آپ نے اپنے ہاتھوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی ہے؟ وہ بولے۔ ہاں!

میں نے کہا۔ لایئے ہاتھ بڑھایئے۔ اور پھر میں نے ان کا ہاتھ چوم لیا۔ قال الھیثمی ج ۸ ص ۴۲ ۔ وفیہ عبد الملک القاری ولم اعرفہ ۔ وبقیۃ رجالہ ثقات ۔ انتھیٰ ۔

یونس بن میسرہ نے بیان کیا۔

ہم چند افراد یزید بن اسود کی عیادت کرنے گئے۔ وہاں واثلہ بن اسقع بھی پہنچ آئے۔ یزید بن اسود نے جب انہیں دیکھا تو ان کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے سینہ اور جسم پر ملنے لگے کیوں کہ اس ہاتھ سے واثلہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ پاک پر بیعت کی تھی۔

واثلہ نے پوچھا۔ یزید! تم اپنے رب سے کیسی امید رکھتے ہو۔ انہوں نے کہا بہتری کی۔ واثلہ نے کہا آپ کو خوش خبری ہو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ میں اپنے بندہ کے اس گمان سے قریب ہوں جو وہ مجھ سے کرتا ہے۔ خیر ہے تو خیر اور شر ہے تو شر۔

رواہ ابونعیم فی الحلیۃ ج ۹ ص ۳۰۶ ۔

عبد الرحمن بن رزین نے بیان کیا۔

ہم مقام ربذہ سے گزرے تو ہمیں بتایا گیا کہ یہاں سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ موجود ہیں۔ ان کی خدمت میں ہم نے حاضری دی اور انہیں سلام کیا۔ انہوں نے اپنا ہاتھ باہر نکالا اور کہا کہ ان ہاتھوں سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست پاک پر بیعت کی ہے۔ سلمہ کا ہاتھ اونٹ کے سم کی طرح سخت بھاری بھرکم تھا۔ ہم نے اٹھ کر ان ہاتھوں کو چوم لیا۔ اخرجہ البخاری فی الادب المفرد ص ۱٤٤ ۔ واخرجہ ابن سعد ج ٤ ص ۳۹ عن عبدالرحمٰن بن زید العراقی نحوہ۔

حضرت ابن جدعان نے بیان کیا۔

حضرت ثابت نے انس بن مالک سے پوچھا۔

کیا آپ نے اپنے ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کو چھوا ہے۔ انہوں نے کہا۔ ہاں! تو حضرت ثابت نے حضرت انس کا ہاتھ چوم لیا۔ اخرجہ البخاری فی الادب المفرد ص ١٤٤۔

حضرت صہیب نے بیان کیا۔

میں نے حضرت علی کو دیکھا کہ حضرت عباس کا ہاتھ پاؤں چوم رہے ہیں۔ اخرجہ البخاری فی الادب المفرد ص ۱٤٤

حضرت ثابت بیان کرتے ہیں۔

میں نے حضرت انس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر انہیں بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ میرے ماں باپ ان دونوں ہاتھوں پر قربان ہوں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک چھوا ہے۔ اور ان کی آنکھوں کو بوسہ دیتے ہوئے میں نے کہا۔ ان آنکھوں پر میرے ماں باپ قربان ہوں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ ذکرہ الحافظ ابن حجر فی المطالب العالیۃ ص ۱۱۱۔ وقال الهیثمی رواہ ابو یعلی ورجالہ رجال الصحیح غیر عبداللہ بن ابی بکر المقدمی وھو ثقۃ۔ وسکت عنہ البوصیری۔ اھ۔ کذا فی مجمع الزوائد ۳۲۵/۹۔

جبۂ مبارکہ سے حصول برکت

حضرت اسماء بنت ابی بکر نے ایک طیالسی کسروانی جبہ نکال کر دکھاتے ہوئے کہا۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے۔ عائشہ صدیقہ کے پاس رہا اور ان کے انتقال کے بعد اسے میں نے حاصل کر لیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ اب ہم اسے دھو کر مریضوں کو اس کا پانی پلاتے ہیں اور اس کی برکت سے انہیں شفا مل جاتی ہے۔ رواہ مسلم

دست مبارک سے مس کردہ چیز سے حصول برکت

صفیہ بنت مجزاۃ بیان کرتی ہیں۔

ابو محذورہ کی پیشانی پر بالوں کا ایسا گچھا تھا کہ وہ بیٹھ کر ان بالوں کو چھوڑ دیتے تو وہ زمین تک آجاتے تھے۔

لوگوں نے ان سے کہا کہ یہ بال کیوں نہیں کٹوا دیتے ہو؟ انہوں نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بالوں پر دستِ شفقت پھیرا ہے۔ میں انہیں زندگی بھر نہیں کٹوا سکتا۔ رواہ الطبرانی وفیہ ایوب بن ثابت المکی۔ قال ابوحاتم: لا یحمل حدیثہ کذا فی مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۶۵۔

محمد بن عبدالملک بن ابی محذورہ بیان کرتے ہیں کہ ان سے ان کے والد عبدالملک اور ان سے ان کے والد ابو محذورہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔

یارسول اللہ! مجھے سنت اذان کی تعلیم دیں۔ تو آپ نے میرے سر پر دستِ شفقت پھیرتے ہوئے فرمایا۔ بلند آواز سے یہ کہو۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر۔

ایک روایت میں ہے۔

ابو محذورہ اپنی پیشانی کے بال نہ کٹواتے تھے نہ ان میں مانگ نکالتے تھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر دستِ شفقت پھیرا ہے۔ اخرجہ البیھقی والدارقطنی واحمد وابن حبان والنسائی بمعناہ۔

پیالہ اور مقام نماز سے حصول برکت

ابو بردہ نے بیان کیا۔

میں مدینہ پہنچا تو عبداللہ بن سلام مجھ سے ملے اور فرمایا۔ چلو گھر چلیں۔ میں تمہیں ایسے پیالہ میں پانی پلاؤں گا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پیا ہے۔ اور پھر تم وہاں ایسی جگہ نماز پڑھو گے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے۔

میں ان کے ساتھ چل پڑا۔ تو انہوں نے مجھے کھجور کھلایا۔ پانی پلایا اور اس جگہ نماز پڑھی جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔ رواہ البخاری فی کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔

نشان قدم سے حصول برکت

ابو مجلز نے بیان کیا۔
ابو موسیٰ اشعری نے مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ کے درمیان عشاء کے وقت دو رکعت نماز پڑھی پھر ایک رکعت وتر پڑھی جس میں سورۂ نساء کی سو آیتیں پڑھیں اور کہا۔
میں نے بھرپور کوشش کی کہ میرا قدم وہیں پڑے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک قدم رکھے تھے اور انہیں آیتوں کی تلاوت کروں جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کی تھی۔ رواہ النسائی ۲/۲۴۳۔

مبارک گھر سے حصول برکت

محمد بن سوقہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے بیان کیا۔
جب عمرو بن حریث نے اپنا گھر بنایا تو میں ان کے یہاں پہنچا کہ اسے کرایہ پر حاصل کر کے وہاں کچھ کام کروں۔ انہوں نے پوچھا۔ تم یہاں کیا کرو گے؟ میں نے کہا کہ یہاں بیٹھ کر خرید وفروخت کروں گا۔
انہوں نے کہا۔ اس گھر سے متعلق ایک بات میں تم سے بتلا رہا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ اس گھر میں جو شخص سکونت اختیار کرے اور جو یہاں خرید وفروخت کرے اس کے لئے یہ گھر بابرکت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں ایک بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کے سامنے کچھ مال رکھا ہوا تھا۔ آپ نے اس میں سے کچھ دراہم لے کر مجھے عنایت فرمایا کہ انہیں رکھ لو۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ یہ دراہم میں نے رکھ لئے۔ اور وہاں جتنے دنوں اللہ نے چاہا ہم اقامت پذیر رہے۔ پھر کوفہ چلے آئے اور یہاں ہم نے ایک گھر خریدنا چاہا۔
میری ماں نے کہا بیٹے! جب تم گھر خریدنے لگو اور مال جمع کرو تو مجھے بتلانا۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ میں نے اپنی ماں کے پاس آکر انہیں دعوت دی تو وہ تشریف لائیں۔ مال سامنے رکھا ہوا تھا انہوں نے اپنے پاس سے کچھ نکال کر دراہم میں رکھ کر خود اپنے ہاتھ سے انہیں ایک دوسرے میں خلط ملط کیا۔ میں نے عرض کیا۔ امی جان! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا۔
بیٹے! یہ تمہارے لائے ہوئے دراہم ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک

سے تمہیں عنایت فرمایا ہے۔ اور میں سمجھتی ہوں کہ یہ گھر ہر اس شخص کے لئے بابرکت ہے جو اس میں نشست و برخاست اور خرید و فروخت کرے۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر و ابویعلی۔ ج ۴ ص ۱۱ مجمع الزوائد۔

منبر سے حصول برکت

قاضی عیاض مالکی لکھتے ہیں۔

لوگوں نے دیکھا کہ عبداللہ بن عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر آپ کی نشست گاہ کو ہاتھ لگایا پھر اسے اپنے چہرے پر مل لیا۔

ابو قسیط اور عتبی سے روایت ہے۔

صحابہ کرام کا معمول یہ تھا کہ جب وہ مسجد نبوی میں حاضر ہوتے تو منبر شریف کے اس جوڑ کو جو مرقد نبوی سے متصل ہے اسے ہاتھوں سے پکڑ لیتے اور قبلہ کی جانب رُخ کر کے دعائیں کیا کرتے تھے۔ الشفاء للقاضی عیاض۔ قال الملا علی قاری شارح الشفاء، رواہ ابن سعد عن عبدالرحمٰن بن عبد القاری (ج ۳ ص ۵۱۸)

شیخ ابن تیمیہ نے بھی لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل کے نزدیک منبر اور اس سے متصل حصہ کو مس کرنے کی اجازت ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ عبداللہ بن عمر، سعید بن مسیب، یحییٰ بن سعید جو فقہاء مدینہ تھے وہ ایسا کیا کرتے تھے۔ اقتضاء الصراط المستقیم ص ۳۶۷۔

قبر مبارک سے حصول برکت

امیر المؤمنین عمر بن خطاب نے اپنے انتقال کے وقت اپنے فرزند عبداللہ بن عمر سے کہا ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کی خدمت میں جا کر عرض کرو کہ عمر نے آپ کو سلام کہا ہے۔ مجھے امیر المؤمنین نہ کہنا کیوں کہ اب میں امیر المؤمنین نہیں رہ جاؤں گا۔

سلام کے بعد عائشہ صدیقہ سے کہنا کہ وہ اپنے دونوں ساتھیوں کے قریب دفن ہونے کی اجازت چاہتے ہیں۔

عبداللہ بن عمر نے اجازت و سلام کے بعد عائشہ صدیقہ کی خدمت میں حاضری دی جو رو رہی تھیں۔ ان سے عرض کیا۔

عمر آپ کو سلام کہہ رہے ہیں اور اپنے دونوں ساتھیوں کے قریب دفن ہونے کی اجازت

مانگ رہے ہیں۔

عائشہ صدیقہ نے فرمایا۔ میں خود اس جوار رحمت میں دفن ہونا چاہتی تھی لیکن اب اپنی اس خواہش پر ان کی خواہش کو ترجیح دیتی ہوں۔

عبداللہ بن عمر اجازت لے کر واپس آئے اور ان کی آمد کی اطلاع حضرت عمر فاروق کو دی گئی تو آپ نے فرمایا۔ مجھے اٹھاؤ۔ انہیں سہارا دے کر ایک شخص نے اٹھایا تو آپ نے پوچھا کیا خبر لائے؟ عبداللہ بن عمر نے عرض کیا۔ امیر المومنین! آپ کے لئے خوش خبری ہے کہ حضرت عائشہ نے اجازت دے دی۔

حضرت عمر فاروق نے کہا۔ الحمد للہ! اس سے زیادہ میری نظر میں کوئی اور چیز اہم نہ تھی۔ میری وفات کے بعد وہاں مجھے لے جانا۔ سلام کہنا اور عرض کرنا کہ عمر اجازت چاہتے ہیں۔ اگر اجازت مل جائے تو دفن کر دینا ورنہ مقابر مسلمین میں لے جا کر دفن کرنا۔ اخرجه البخاري في كتاب الجنائز- و في كتاب فضائل الصحابة باب قصة البيعة۔

انبیاء و صالحین کے آثار شریفہ سے حصول برکت

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام جب مقام حجر ارض ثمود پہنچے تو اس جگہ کے کنوؤں سے لوگوں نے پانی پی لیا اور اسی سے آٹا بھی گوندھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم صادر فرمایا کہ پانی گرا دیا جائے اور آٹا اونٹوں کو کھلا دیا جائے۔

اور صحابہ کو حکم دیا کہ وہ اس کنوئیں سے پانی لیں جو حضرت صالح کی ناقہ کا کنواں ہے۔

رواه مسلم في كتاب الزهد باب النهي عن الدخول على اهل الحجر- قاله النووي في الشرح ج ۸ ص ۱۱۸۔

تابوت سکینہ سے حصول برکت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فضیلتِ تابوت کے بارے میں ارشاد فرمایا

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ (سورۂ بقرہ - ۲۴۸)

اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس تابوت آئے جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کا چین ہے اور معزز موسیٰ و معزز ہارون کے ترکہ کی کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جسے فرشتے اٹھائے ہوئے لائیں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے پاس تابوت تھا جس کے آثار و تبرکات کو بنی اسرائیل بارگاہِ الٰہی میں وسیلہ بنایا کرتے تھے اور فتح و نصرت مانگا کرتے تھے۔

اور یہ بعینہٖ وہی حصول برکت ہے جس کے جواز کے ہم قائل ہیں۔ اس تابوت کے مشتملات کے بارے میں خود ارشاد خداوندی ہے۔

وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسٰى وَآلُ هٰرُوْنَ ۔ (سورۂ بقرہ - ۲۴۸)

اور معزز موسیٰ و معزز ہارون کے ترکہ کی کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں۔

مفسرین و مؤرخین مثلاً ابن کثیر و قرطبی و سیوطی و طبری کے بیان کے مطابق آل موسیٰ و ہارون کے باقیات یہ تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ان کے کچھ کپڑے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کے نعلین اور ان کے کچھ کپڑے۔ توریت کے الواح اور طشت۔

جن سے واضح ہوتا ہے کہ آثار صالحین سے توسل، ان کا تحفظ اور ان سے حصول برکت جائز ہے۔

مسجد عشار سے حصول برکت

صالح بن درہم بیان کرتے ہیں۔

ہم حج کے ارادہ سے نکلے۔ ایک شخص ملا جس نے ہم سے کہا۔ تمہارے قریب ہی ایک آبادی ہے جسے الابلہ کہا جاتا ہے۔ ہم نے کہا ہاں! اس نے کہا۔

تم میں کون میرے لئے ضمانت لیتا ہے کہ مسجد عشار میں میرے واسطے دو یا چار رکعت نماز پڑھے اور کہے کہ یہ ابوہریرہ کے لئے ہے۔ میں نے اپنے دوست ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے۔

بے شک اللہ عزوجل قیامت کے روز مسجد عشار سے شہداء کو اٹھائے گا اور ان کے علاوہ شہداء بدر کے ساتھ کوئی دوسرا نہ ہوگا۔ رواہ ابوداؤد۔ وقال هذا المسجد مما يلی

النهر۔ مشکوٰۃ المصابیح ج ۳ ص ۱۴۹۶۔

مؤلف بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد نے لکھا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بدنی عبادات کا ثواب دوسروں کو بھی ملتا ہے۔ اور آثار اولیاء و مقربین کی زیارت اور ان سے حصول برکت جائز ہے۔ بذل المجہود ج ۱۷ ص ۲۲۵۔

اور مؤلف عون المعبود نے لکھا ہے۔

مسجد عشار وہ مشہور مسجد ہے جہاں نماز پڑھ کر برکت حاصل کی جاتی ہے۔

عون المعبود ج ۱۱ ص ۴۲۳۔

برکات رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اکثر لوگ عادۃً کہا کرتے ہیں کہ ہم برکتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ میں ہیں۔ یا ہمارے ساتھ برکتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

اس سلسلے میں شیخ ابن تیمیہ سے پوچھا گیا تھا تو انہوں نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

ہم فلاں کی برکت میں ہیں یا ہمارے پاس اس کے آنے سے برکت ہوئی۔ یہ کہنا ایک اعتبار سے صحیح اور ایک اعتبار سے غلط ہے۔

صحیح اس طرح ہے کہ کہنے والا یہ مراد لے۔ فلاں نے ہمیں صحیح راستہ دکھایا۔ ہمیں تعلیم دی، بھلائی کا ہمیں حکم دیا، برائی سے ہمیں روکا اور اس کی اطاعت و اتباع کی وجہ سے ہمیں برکت و سعادت میسر آئی۔

جس طرح مدینہ منورہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے اہل مدینہ کو برکت حاصل ہوئی کہ وہ آپ پر ایمان لا کر آپ کی اطاعت کرنے لگے۔ تو وہ اس برکت کے ذریعہ سعادتِ دارین سے ہمکنار ہوتے۔

بلکہ جس جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر آپ کی اطاعت کی وہ برکتِ رسول کے سایہ میں رہا اور دین و دنیا کی اسے ایسی سعادت ملی جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا اور اس کا علم رکھتا ہے۔

اسی طرح یہ مراد لینا بھی صحیح ہے کہ فلاں کی دعاء۔ اور اس کے صلاح و تقویٰ کی برکت سے

اللہ تعالیٰ نے دفع شر فرمایا اور ہمیں رزق و نصرت حاصل ہوئی۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔
تمہارے ضعفا ہی کی دعا، اور ان کے اخلاص و نیکی کے سبب ہمیں رزق و نصرت سے نوازا جاتا ہے۔

اور کبھی کبھی کفار و فجار سے بھی عذاب ٹال دیا جاتا ہے تاکہ ان کے درمیان رہنے والے اہل ایمان جو اس عذاب کے مستحق نہیں ہیں وہ اس کا شکار نہ ہو جائیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوهُمْ أَن تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُم مِّنْهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ لِّيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا۔ (فتح - ۲۵)

اس آیت کے آخری حصہ کا ترجمہ یہ ہے۔ اور ان کا بچاؤ اس لئے ہے کہ اللہ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے۔ اگر وہ جدا ہو جاتے تو ہم ضرور ان میں کے کافروں کو درد ناک عذاب دیتے۔

کفار مکہ کے درمیان اگر اہل ایمان ضعفا نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کافروں پر عذاب نازل فرما دیتا۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں نماز کا حکم دیتا کہ ادا کی جائے۔ پھر اپنے ساتھ کچھ لوگوں کو لے کر جاؤں جن کے ساتھ لکڑیوں کا گٹھر ہو اور ہمارے ساتھ جو لوگ نماز میں حاضر نہیں ہوتے ان کے گھروں کو جلا دوں۔

اسی طرح حاملہ عورت کے ثبوت زنا کے باوجود وضع حمل تک اس کے سنگسار کا حکم مؤخر رہتا ہے۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آغوش مادر ہی میں کہا۔

وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ۔ (مریم - ۳۱)
اور اس نے مجھے مبارک کیا میں جہاں رہوں۔

اللہ کے مقربین و صالحین کی برکتیں عام ہیں کہ وہ مخلوق کو طاعتِ الٰہی کی دعوت دیتے ہیں۔ اس کے حق میں دعا کرتے ہیں۔ اور ان کے سبب اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ عذابِ الٰہی ٹل جاتا ہے۔
برکت سے جس کی یہ مراد ہو تو وہ حق و صواب پر ہے۔
غلط اس طرح ہے کہ اس کی مراد شرک بالخلق ہو۔ مثلاً کسی جگہ کسی کا مزار ہو اور لوگ سمجھنے لگیں

کہ اطاعت خدا و رسول کے بغیر بھی اس جگہ کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ اس مدفون بزرگ کی وجہ سے محبت فرماتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو سردار اولاد آدم ہیں اور مدینہ میں مدفون ہیں۔ اس کے باوجود واقعۂ حرہ پیش آیا۔ اور اہل مدینہ جس قتل و غارت گری، لوٹ مار، ایذا و تذلیل کا شکار ہوئے اسے بس اللہ ہی جانتا ہے۔

اور یہ اس لئے ہوا کہ خلفاء راشدین کے بعد اہل مدینہ نے نئی نئی باتیں اپنالی تھیں۔ جب کہ خلفاء راشدین کے عہد میں ان کے ایمان و تقویٰ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اہل مدینہ کو بلاؤں سے محفوظ رکھتا تھا۔ کیوں کہ یہ حضرات انہیں ایمان و تقویٰ کی ترغیب دیا کرتے تھے جن پر وہ عمل کرتے تھے۔ اس اشتراک و تعاون کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کی نصرت و اعانت فرماتا تھا۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ملک شام میں مدفون ہیں۔ اس کے باوجود تقریباً سو سال نصاریٰ کی حکومت اس پر رہ چکی ہے۔ اور اہل شام طرح طرح کے مصائب و آلام کی زد میں رہے ہیں۔

تو جس کا بھی یہ خیال ہو کہ صاحب قبر لوگوں کی پریشانیاں دور کر سکتا ہے خواہ وہ معصیتِ الٰہی کے ارتکاب میں جتنا بھی مبتلا رہیں وہ سخت غلطی اور خطا پر ہے۔

اسی طرح یہ خیال بھی غلط ہے کہ شرک کرنے والے اور اللہ و رسول کی اطاعت نہ کرنے والے کو بھی کسی شخص کی وجہ سے برکت حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً کسی کے سامنے سجدہ ریزی یا زمین بوسی سے سعادت حاصل ہونے کا خیال رکھنا۔ خواہ وہ اطاعت خدا و رسول نہ کرے یہ خیال بھی غلط ہے۔

اسی طرح یہ سمجھنا کہ کوئی شخص محض محبت و نسبت کی وجہ سے اس کی شفاعت کرے گا۔ ایک خیال فاسد ہے۔

اس طرح کے خیالات جو خلاف کتاب و سنت اور معمولات اہل شرک و بدعت ہیں وہ قطعاً باطل ہیں۔ نہ ایسا کوئی اعتقاد رکھنا چاہئے نہ اس پر اعتماد کرنا چاہئے۔

الفتاویٰ للشیخ ابن تیمیہ ج ۱۱ ص ۱۱۳۔

خلاصۂ کلام

احادیث و اقوال مذکورہ کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تبرکات و

منسوبات سے برکت حاصل کرنا سنت و مستحب ہے۔ اور اسے ثابت کرنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ایسا کیا ہے۔ اور انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید بھی حاصل رہی ہے۔ کبھی آپ نے صراحۃً حکم دیا ہے اور کبھی اشارۃً اس کی طرف راغب کیا ہے۔

بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ صرف عبداللہ بن عمر اس طرح کا اہتمام کرتے تھے اور باقی صحابہ ان کے ہمنوا نہ تھے۔ ایسے لوگوں کا خیال محض جہالت یا کذب یا تلبیس ہے جس کی حقیقت ہمارے پیش کردہ نصوص و حوالہ جات کے ذریعہ واضح ہو چکی ہے۔

بہت سے صحابہ کرام آثار و تبرکات سے فیض اٹھاتے تھے اور ان کا اہتمام کرتے تھے جن میں خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین سر فہرست ہیں۔ ان کے علاوہ چند اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

ام سلمہ۔ خالد بن ولید۔ واثلہ بن اسقع۔ سلمہ بن اکوع۔ انس بن مالک۔ ام سلیم۔ اسید بن حضیر۔ سواد بن غزیہ۔ سواد بن عمرو۔ عبداللہ بن سلام۔ ابوموسیٰ اشعری۔ عبداللہ بن زبیر۔ سفینہ (غلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم) سرۃ خادمۂ ام سلمہ۔ مالک بن سنان۔ اسماء بنت ابی بکر۔ ابومحذورہ۔ مالک بن انس اور ان کے شیوخ مدینہ منورہ۔ مثلاً سعید بن مسیب۔ یحییٰ بن سعید۔

تیسراباب

مباحث مختلفہ
زیارت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی مشروعیت. نیز
آپ کے آثار و مشاہد و منسوبات کی زیارت
کا
جواز

حیاتِ برزخی! حیاتِ حقیقی

حیاتِ برزخی! حیاتِ حقیقی ہے۔ جو قرآن کریم کی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

قرآن حکیم ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَاجَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ۔ (الانبیاء - ۳۴)

اور ہم نے تم سے پہلے کسی آدمی کے لئے دنیا میں ہمیشگی نہیں بنائی۔

اور فرماتا ہے۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۔ (الزمر - ۳۰)

بے شک تمہیں موت آنی ہے اور انہیں بھی مرنا ہے۔

مرحومین کی موت کا حیات حقیقی سے کوئی تعارض نہیں اور ان کی حیاتِ برزخی کو حیاتِ حقیقی کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ حیات خیالی یا مثالی نہیں ہے۔ جیسا کہ ان ملحدوں کا نظریہ ہے جن کی عقلیں صرف مشاہدات و محسوسات کو مانتی ہیں اور انسانی عقل سے ماوراء غیوب و قدرت خداوندی کی منکر ہیں۔

حیات برزخی کو حیات حقیقی کہنے پر کم عقلوں اور کوتاہ فہموں کو کسی طرح کا اشکال و تردد نہیں ہونا چاہئے۔ کیوں کہ یہاں لفظ حقیقی کا صرف اس لئے استعمال کیا جارہا ہے کہ عالم برزخ و عالم آخرت مثلاً بعث و نشر و حشر و حساب کے حالات و کیفیات میں شک و شبہ رکھنے والے منکرین کے اوہام و خیالاتِ باطلہ کی تردید ہو سکے۔

ایک عام عربی داں بھی جانتا ہے کہ حقیقی سے مراد وہ حقیقت ہے جو وہم و خیال و مثال کے بالمقابل ہے۔ حیات برزخی کو حیاتِ حقیقی کہنے کا مطلب ہے کہ اس حیات کا حقیقۃً وجود ہے

یہ محض وہمی نہیں ہے۔ اور اسی حقیقت حیات کو ہم حیاتِ حقیقی کہہ رہے ہیں جس کے بارے میں بہت سی احادیث و آثار وارد ہیں کہ مومن ہو یا کافر ہر مرنے والا شخص بعد موت بھی سنتا ہے، احساس رکھتا ہے اور پہچانتا ہے۔

صحیحین میں قلیب بدر کی حدیث متعدد طرق سے مروی ہے۔ ابوطلحہ و عمرو بن خطاب و عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر چوبیس سرداران قریش بدر کے ایک گڑھے میں ڈال دیئے گئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک کا نام لے کر پکارا۔

اے ابوجہل بن ہشام۔ اے امیہ بن خلف۔ اے عتبہ بن ربیعہ۔ اے شیبہ بن ربیعہ۔ اے فلاں بن فلاں۔ کیا تمہارے رب نے تم سے جو وعدہ کیا تھا اسے تم نے سچ نہیں پایا؟ مجھ سے تو میرے رب نے جو وعدہ کیا اسے میں نے سچ پایا۔

عمر بن خطاب نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! بے جان لاشوں سے آپ کیا گفتگو فرما رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

والذی نفسی بیدہ ما انتم باسمع لما اقول منھم ولکنھم لا یجیبون۔

اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ ان سے زیادہ تم میری بات نہیں سن پاؤگے لیکن یہ مُردے جواب نہیں دے سکتے۔ رواہ الشیخان من حدیث ابن عمر والبخاری من حدیث انس عن ابی طلحۃ ومسلم من حدیث انس عن عمر۔

عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے۔

لوگوں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! کیا یہ مردے سن رہے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کما تسمعون ولکن لا یجیبون۔ جیسے تم سنتے ہو ویسے ہی یہ بھی سنتے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے۔ رواہ الطبرانی من حدیث ابن مسعود باسناد صحیح ومن حدیث عبداللہ بن سیدان نحوہ۔

ابوہریرہ سے روایت ہے۔

ان المیت لیسمع خفق نعالھم اذا ولّوا مدبرین۔ جب لوگ مردہ دفن کرکے واپس ہونے لگیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ رواہ البزار وصححہ ابن حبان من طریق اسمٰعیل

بن عبد الرحمن السندی عن ابیہ عن ابی هریرة ۔

واخرج ابن حبان ایضاً من طریق محمد بن عمرو عن ابی سلمة عن ابی هریرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی حدیث طویل ۔

انس بن مالک سے روایت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

العبد اذا وضع فی قبرہ وتولی وذھب اصحابہ حتی انہ لیسمع قرع نعالھم اتاہ ملکان فاقعداہ۔

مردہ شخص کو قبر میں دفن کر کے جب اس کے اقارب واصحاب واپس ہوتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا دیتے ہیں۔ رواہ البخاری فی صحیحہ باب المیت یسمع خفق النعال۔ وذکر الحدیث فی سؤال القبر ورواہ مسلم ایضاً۔ وسماع المیت خفق النعال وارد فی عدة احادیث۔

بہت ساری احادیث میں وارد ہے کہ قبر میں مُردوں سے فرشتے سوال کرتے ہیں۔ اور مردے اپنی سعادت یا شقاوت کے اعتبار سے جواب دیتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو حکم دیا ہے کہ وہ اہل قبر کو اس طرح سلام کریں۔

السلام علیکم دار قوم مؤمنین۔

شیخ ابن قیم کہتے ہیں۔ یہ سلام سماعت وعقل رکھنے والوں کو خطاب ہے۔ ورنہ معدوم وجماد سے خطاب کی طرح یہ سلام لغو ہو جائے گا۔ اسلاف کا اس پر اجماع ہے اور ان سے روایات واقوال منقول ہیں کہ مردہ شخص اپنی زیارت کے لئے آنے والے شخص کو جانتا پہچانتا ہے اور اس سے خوش ہوتا ہے۔ اپنی کتاب الروح میں ایسے چند اقوال ابن قیم نے نقل بھی کئے ہیں جنہیں اس کتاب میں مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ اور ان کے ایک ساتھی ایک قبر کے قریب سے گزرے۔ ابو ہریرہ نے اپنے ساتھی سے کہا کہ سلام کرو۔ اس نے کہا کیا قبر کو سلام کروں؟ ابو ہریرہ نے فرمایا۔

ان کان راٰک فی الدنیا قط انہ لیعرفک الاٰن۔ اس نے دنیا میں اگر دیکھ رکھا ہوگا تو

اس وقت بھی ہمیں پہچان لے گا۔ رواہ عبد الرزاق فی المصنف ج ۳ ص ۵۷۷۔

یہی ہمارا بھی کہنا ہے۔ اور سلف صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین جو اہل سنت وجماعت ہیں ان کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ اس واضح حقیقت سے مذہب سلفیت کے دعویدار پتہ نہیں کیسے غافل ہیں۔

شیخ ابن قیم نے کتاب الروح میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

اور شیخ ابن تیمیہ کے الفتاوی الکبریٰ سے یہاں ایک فتویٰ نقل کیا جا رہا ہے۔

شیخ ابن تیمیہ سے لوگوں نے سوال کیا کہ کیا مردے اپنے زائرین کو اور اپنے بعد مرنے والے اہل قرابت وغیرہ کو جانتے ہیں؟ اس کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا۔

الحمد للہ! آثار مبارکہ میں وارد ہے کہ اہل قبر ایک دوسرے کے حالات جانتے ان سے ملتے اور سوال کرتے ہیں۔ زندوں کے اعمال ان کے سامنے آتے رہتے ہیں۔

ابن مبارک بیان کرتے ہیں۔ ابو ایوب انصاری نے فرمایا۔

جب مومن کی روح قبض کی جاتی ہے تو عزیز بندگان خدا اس کا ویسے ہی استقبال کرتے ہیں جیسے دنیا میں کسی خوشخبری سنانے والے کا خیر مقدم کیا جاتا ہے۔

اس نئے وفات یافتہ کے گرد مرحومین کا جمگھٹ لگ جاتا ہے اور وہ اس سے سوالات کرنے لگتے ہیں۔ ایک دوسرے سے کہتے ہیں اپنے بھائی کو دیکھو اب آرام سے ہے جب کہ وہ شدید کرب و بے چینی میں تھا۔ وہ اس سے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ فلاں شخص کا کیا حال ہے؟ فلاں عورت کی شادی ہوئی کہ نہیں؟۔ الحدیث۔

کوئی شخص جب کسی صاحب قبر کی زیارت کو آتا ہے اور اسے سلام کرتا ہے تو وہ مرحوم اسے خوب جانتا ہے جیسا کہ عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مامن احد یمر بقبر اخیہ المؤمن کان یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الاعرفہ ورد علیہ السلام۔

دنیا میں متعارف اپنے مومن بھائی کی قبر پر اگر جب کوئی شخص سلام کرتا ہے تو وہ صاحب قبر اسے پہچانتا اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

قال ابن مبارک: ثبت ذلک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ وصحہ عبد الحق صاحب الاحکام۔

الفتاوی الکبریٰ للشیخ ابن تیمیہ ج ۲۴ ص ۳۳۱۔

شیخ ابن تیمیہ سے ایک سوال یہ بھی ہوا۔
کیا وفات یافتہ شخص اپنے زائر کو پہچانتا اور اس کی بات سنتا ہے؟ اور کیا اس وقت اس کی روح اس کے بدن میں ڈال دی جاتی ہے یا وہ روح اس کی قبر کے پاس اس مخصوص وقت اور دوسرے اوقات میں منڈلاتی رہتی ہے۔ اور کیا اس کی روح اپنے پہلے کے وفات یافتہ اہل وعیال واقارب کی روحوں کے ساتھ مل جاتی ہے؟

ان سوالات کا جواب دیتے ہوئے شیخ ابن تیمیہ نے لکھا۔
الحمد للہ رب العالمین۔ وفات یافتہ شخص لوگوں کی باتیں سنتا ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

یسمع خفق نعالھم حین یولون عنہ۔ (بخاری ومسلم)
صاحب قبر لوگوں کی واپسی کے وقت ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔
اس مفہوم کی کئی احادیث پیش کرنے کے بعد شیخ ابن تیمیہ نے لکھا۔
ان نصوص سے واضح ہوجاتا ہے کہ وفات یافتہ شخص زندہ کی آواز سنتا ہے۔ اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ وہ ہر وقت آواز سنتا رہے۔ بلکہ کبھی سنتا ہے کبھی نہیں سنتا ہے۔ جیسے زندہ افراد کبھی اپنے پکارنے والے کی آواز سنتے ہیں اور کبھی کسی وجہ سے نہیں سن پاتے۔
اس سننے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بات سمجھ لیتا ہے مگر جواب نہیں دے پاتا۔ اور یہ سننا وہ سننا نہیں ہے جس کی قرآن حکیم میں نفی کی گئی ہے۔

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (النمل - ۸۰)
بے شک تمہارے سنانے سے مردے نہیں سن پائیں گے۔
کیوں کہ اس آیت میں سمع قبول و امتثال امر کی نفی ہے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے زندہ کافر کو اس مردہ کی طرح قرار دیا ہے جو اپنے پکارنے والے کی آواز پر لبیک نہ کہہ سکے۔ اسی طرح کافر کو اس جانور کی طرح قرار دیا گیا ہے جو آواز تو سنتا ہے مگر اس کا مفہوم نہیں سمجھ پاتا۔
مردہ اگرچہ بات سنے اور معنی بھی سمجھ لے جب بھی وہ پکارنے والے کی آواز پر لبیک نہیں کہہ سکتا۔ نہ اوامر و نواہی کے مطابق عمل کرسکتا ہے۔ اس لئے امر و نہی اس کے لئے بے سود ہے۔

ٹھیک یہی حال کافر کا بھی ہے کہ امر و نہی سے وہ کوئی فائدہ نہیں حاصل کر پاتا باوجودیکہ باتیں سنتا ہے اور ان کا مطلب بھی سمجھتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۔ (الانفال - ۲۳)

اور اگر اللہ ان میں کچھ بھلائی جانتا تو انہیں سنا دیتا۔

وفات یافتہ شخص زندوں کو دیکھتا بھی ہے جس کے متعلق حضرت عائشہ وغیرہا سے کئی ایک آثار منقول ہیں۔

سمعِ کلام کے وقت صاحبِ قبر کی روح اس کے بدن میں لوٹا دی جاتی ہے۔ اسی طرح دوسرے اوقات میں بھی لوٹا دی جاتی ہے جیسا کہ احادیث کریمہ میں وارد ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اذن سے جب چاہے روح اپنے بدن میں آجائے۔ اور اس کے لئے بس ایک لمحہ کافی ہے۔ جیسے سونے والے کی بیداری یا زمین پر شعاعِ آفتاب یا ملائکہ کا نزول آناً فاناً ہوتا ہے۔

کئی آثار مبارکہ میں وارد ہے کہ روحیں صحن قبر میں رہتی ہیں۔ جیسا کہ حضرت مجاہد نے کہا۔

دفن میت کے بعد روحیں سات روز تک صحن قبر میں رہتی ہیں اس سے جدا نہیں ہوتیں۔

اور حضرت مالک بن انس ارشاد فرماتے ہیں۔

بلغنی ان الارواح مرسلة تذهب حيث شاءت ۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ روحیں آزاد ہیں جہاں چاہیں جائیں ۔ مجموع الفتاوی للشیخ ابن تیمیہ ج ۲۴ ص ۳۶۲۔

اس سے پہلے شیخ ابن تیمیہ ایک جگہ لکھ چکے ہیں۔

قرآن حکیم میں شہداء کی حیات و رزق اور احادیث کریمہ میں ارواح شہداء کے دخول جنت کے بارے میں کچھ علماء کہتے ہیں کہ یہ حیات صرف شہداء کے لئے خاص ہے صدیقین وغیرہ کے لئے نہیں۔

جب کہ ائمہ سلف و جمہور اہل سنت کا مسلک صحیح یہ ہے کہ حیات و رزق و دخول جنت شہداء کے لئے خاص نہیں۔ یہی نصوص سے ثابت بھی ہے۔

البتہ شہید کا ذکر خاص طور پر اس لئے ہے کہ کچھ گمان کرنے والے یہ گمان کر کے جہاد سے پیچھے ہٹ جاتے کہ مجاہد تو مرجاتا ہے۔ اس گمان فاسد کو زائل کر کے اقدام جہاد و شہادت پر

راغب کرنے کے لئے بتایا گیا کہ شہید کو حیات و رزق و دخول جنت کا اعزاز حاصل ہے۔

مسئلہ شہید کو سمجھنے کے لئے اللہ کا وہ حکم سامنے رکھئے کہ مفلسی کے ڈر سے بچوں کو قتل نہ کرو۔ کیوں کہ مفلسی کے ڈر سے قتلِ اولاد کا جُرم سرزد ہوتا تھا حالاں کہ مفلسی کا ڈر نہ ہو جب بھی قتل اولاد جائز نہیں۔ مجموع الفتاویٰ للشیخ ابن تیمیہ ج ۲۴ ص ۳۳۲۔

میت کی ایذا رسانی سے ممانعت

قبر سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے ایک شخص کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لا توذ صاحب القبر۔ صاحب قبر کو تکلیف نہ دو۔ ذکرہ ابن تیمیہ فی المنتقیٰ ج ۲ ص ۱۰۴۔ و عزاہ لاحمد فی للمسند وکذا الحافظ ابن حجر فی الفتح ج ۳ ص ۱۷۸ وقال اسنادہ صحیح۔

اور قبر پر بیٹھے ہوئے دیکھ کر آپ نے حکم صادر فرمایا۔

انزل من القبر لا توذ صاحب القبر ولا یوذیک۔ قبر سے اتر جاؤ۔ تم صاحب قبر کو اذیت نہ دو نہ وہ تمہیں اذیت پہنچائے۔ اخرجہ الطحاوی فی معانی الاٰثار ج ۱ ص ۲۹۶ من حدیث بن عمرو بن حزم۔ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۶۱۔

حیاتِ برزخی کا مطلب

یہاں حیات کے مفہوم و مطلب کی وضاحت ضروری ہے کہ اس حیات سے مراد حیاتِ برزخی ہے۔ جو ہماری اس حیات کی طرح نہیں بلکہ وفات یافتہ لوگوں کے حسب حال اور عالم برزخ کے مطابق ایک خصوصی حیات ہے۔

عالم برزخ کی یہ خصوصی حیات ہماری حیات کی طرح نہیں۔ کیوں کہ ہماری حیات قلیل بھی ہے اور حقیر بھی۔ تنگ بھی ہے اور ضعیف بھی۔ اس میں انسان اپنے رب اپنے نفس اور اپنے اہل وعیال سے متعلق فرائض و واجبات اور عبادت وعادت وطاعت ومعصیت کی مختلف کیفیتوں اور حالتوں میں رہتا ہے۔ اور کبھی طاہر رہتا ہے تو کبھی نجس۔ کبھی مسجد میں رہتا ہے تو کبھی حمام میں ہوتا ہے۔ وہ خود نہیں جانتا کہ اس کا خاتمہ کب اور کیسے ہوگا۔

کبھی یہ انسان اپنی اس زندگی میں جنت سے بالکل قریب ہوتا ہے اور کبھی وہی انسان جہنم سے قریب ہو جاتا ہے۔ اور کبھی جہنم سے قریب رہ کر جنت کے قریب ہو جاتا ہے۔

لیکن عالم برزخ میں ایسا نہیں ہوگا۔ صاحب ایمان ہے تو امتحان کا وہ پل پار کر کے آگے نکل چکا ہے جس پر اہل سعادت ہی ثابت قدم رہ پاتے ہیں۔ اب وہ کسی چیز کا مکلف نہیں رہ گیا۔ روشن و تابندہ اور طیب و طاہر روح بن کر ملکوت الٰہی میں جہاں چاہے آئے جائے۔ اسے نہ کسی چیز کا غم ہے نہ حزن و ملال۔ نہ کسی کا خوف نہ کسی طرح کا اضطراب و قلق۔ کیوں کہ یہاں دنیا اس کے ساتھ نہیں لگی ہے۔ نہ زمین جائداد اور سونے چاندی کا کوئی معاملہ ہے نہ کسی سے حسد اور بغض و کینہ اور نہ کسی سے بغاوت و سرکشی کا کوئی جذبہ اس کے اندر موجود ہے۔

اور خدا نخواستہ وہ شخص شقی و بدبخت ہے تو مبتلائے عذاب و نار و مستحق غضب جبار ہوگا مگر اس کی بھی یہ حیات دنیاوی حیات سے مختلف ہوگی۔

انبیاء کرام کی حیاتِ برزخی

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو عالم برزخ میں جو خصوصیات حاصل ہیں ان سے دوسرے انسان محروم ہیں۔ اور اگر کوئی غیر نبی کسی خصوصیت میں ان کا شریک ہے تو وہ ان سے نسبت وتعلق کی بنا پر ہے۔ یہ خصائصِ انبیاء باعتبار اصل بھی ہیں اور باعتبار کمال بھی ہیں۔

کمالِ حیاتِ انبیاء

گزشتہ سطور میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ حیات برزخی حیات حقیقی ہے۔ اور مر جانے والا شخص مومن ہو یا کافر سمع واحساس اور جاننے پہچاننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

نصوص ثابتہ کے مطابق حیات ورزق ودخول جنت شہداء کے ساتھ خاص نہیں۔ ائمہ وعلماء وجمہور اہل سنت کا یہی مسلک صحیح ہے۔

یہیں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حیات انبیاء جو ایک امر واقعہ اور اظہر من الشمس حقیقت ہے اس کا اثبات تحصیل حاصل ہے۔ ضروری چیز اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ حیات انبیاء کے کمال وعظمت کو ثابت کیا جائے اور اس کی کرامت وجلالت کو مدلل ومبرہن کیا جائے۔

روئے زمین پر بسنے والے انسانوں کی حیات کے درجات اور مراتب ومقامات الگ الگ ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً کچھ انسان زندہ ہوتے ہوئے بھی مردہ ہوا کرتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ. (الاعراف۔ ۱۷۹)

وہ دل رکھتے ہیں جن میں سمجھ نہیں۔ وہ آنکھیں رکھتے ہیں جن سے دیکھتے نہیں۔ وہ کان رکھتے ہیں جن سے سنتے نہیں۔ وہ چوپایوں کی طرح بلکہ ان سے گمراہ ہیں۔ وہی غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

اور کچھ انسانوں کے بارے میں یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ (یونس۔۶۲)

سن لو! بے شک اللہ کے ولیوں کو کسی طرح کا خوف اور غم نہیں ہے۔

اور کچھ کے بارے میں یہ ارشاد ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ...... اِلٰى ..... اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۔ (المومنون ۔ ۱۰)

بے شک اہل ایمان مراد کو پہنچے ...... اور یہی وارث ہیں۔

کچھ انسانوں کے بارے میں یہ ارشاد ہے۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۔ (ذاریات ۱۸۔۱۷)

بے شک وہ اس سے پہلے نیکو کار تھے۔ رات میں کم سوتے تھے اور پچھلی رات میں استغفار کیا کرتے تھے۔

عالم برزخ کی حیات میں بھی اسی طرح کے الگ درجات و مقامات ہیں۔

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۔ (الاسراء ۔ ۷۲)

جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں زیادہ اندھا اور گمراہ ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات برزخی غیر انبیاء کی حیات سے بدرجہا برتر ہے۔ انبیاء کی حیات و رزق، سمع و ادراک، شعور و معرفت دوسروں سے زیادہ کامل و عظیم ہے جس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے جو شہداء سے متعلق ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۔

(آل عمران ۔ ۱۶۹) اور جو اللہ کی راہ میں شہید کئے جائیں انہیں ہرگز مردہ مت سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق دئے جاتے ہیں۔

اگر حیات کا یہی معنی ہوتا کہ روح باقی ہے اسے فنا نہیں تو شہید کے لئے یہ کوئی قابل ذکر خوبی نہ ہوتی۔ کیوں کہ تمام اولاد آدم کی ارواح باقی رہیں گی انہیں فنا نہیں۔ علماء محققین کا روح کے بارے میں یہی مسلک ہے کہ وہ باقی رہیں گی۔ شیخ ابن قیم نے کتاب الروح میں یہی تحقیق پیش کی ہے۔

اس لئے کسی ایسی خوبی اور صفت کا ہونا ضروری ہے جس سے شہداء کی فضیلت دوسروں پر

ظاہر ہو۔ ورنہ ان کی حیات کا اس طرح ذکر بے سود ہوگا۔ بالخصوص ایسی شکل میں کہ اللہ تعالیٰ نے شہید کو مردہ کہنے سے منع فرمایا ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ (بقرہ۔ ۱۵۴)

اور جو اللہ کی راہ میں شہید کئے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ ہاں تمہیں شعور نہیں۔

شہداء کی حیات غیر شہداء کی حیات سے یقیناً زیادہ شرف و کمال کی حامل ہے۔ اس حقیقت کی تائید نصوص سے بھی ہوتی ہے کہ ان کی ارواح کو رزق دیا جاتا ہے۔ جنت کی نہروں سے وہ سیراب ہوتی ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ۔ (الآیۃ)

کھانے پینے اور نعمت سے محظوظ و لذت اندوز ہونے کا ان ارواح شہداء کو مکمل شعور و احساس بھی ہوگا۔

حدیث میں ہے کہ اچھا کھانا پینا اور آرام و راحت پاکر یہ روحیں کہیں گی۔

یالیت اخواننا یعلمون ما صنع اللہ بنا۔ (قال ابن کثیر رواہ احمد)

کاش! ہمارے بھائی جان پاتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کیا نعمتیں عطا کر رکھی ہیں۔

ارواح شہداء کو دوسروں سے زیادہ تصرف کا اختیار ہوگا۔ جنت میں جہاں چاہیں گی گھومیں گی پھریں گی۔ پھر قنادیل عرش کے پاس جمع ہو جایا کریں گی۔ (کذا فی الصحیح)

شہداء میں باتیں سننے اور سمجھنے کی صلاحیت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے ارشاد فرمائے گا۔ تمہاری کیا خواہش ہے؟ وہ عرض کریں گے۔ ہم فلاں فلاں چیزیں چاہتے ہیں۔ اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ وہ عرض کریں گے۔ خداوندا! ہم دنیا میں واپس جاکر جہاد کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ بھی عرض کریں گے کہ الٰہ العالمین! تو ہمارے دنیاوی بھائیوں کو ہماری اس زندگی کی نعمتوں اور آسائشوں سے باخبر کردے۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ میں تمہاری یہ خواہش پوری کردوں گا۔

شہداء کو یہ اعزاز حاصل ہے تو انبیاء کرام کو بدرجۂ اولیٰ حاصل ہے جس کی دو وجہیں ہیں۔

(۱) شہداء کو یہ مقام و مرتبہ ان کے اعزاز و اکرام میں میسر آیا ہے۔ اور انبیاء کرام کا مقام و

مرتبہ ان سے افضل و اعلیٰ ہے۔ اور ہر حال میں انبیاء کرام شہداء سے ارفع و اکمل ہیں۔ تو یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ شہداء کو جو فضل و کمال حاصل ہے وہ انبیاء کرام کو نہ ملے۔ بالخصوص ایسا فضل و کمال جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے قرب و نعمت اور انس و محبت کے اضافہ سے ہو۔ ایسی صورت میں جس صفت سے شہداء متصف ہیں ان سے انبیاء کرام بھی یقیناً متصف ہیں۔

(۲) جہاد و قربانی کے صلہ میں شہداء کو یہ مرتبہ ملا ہے اور اللہ کے اذن و توفیق سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد و قربانی کی طرف اہل ایمان کی رہنمائی فرمائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

جس نے کوئی اچھا طریقہ جاری کیا اس کے لئے قیامت تک اس طریقہ کے جاری کرنے کا اور اس طریقہ پر عمل کرنے والے دوسرے لوگوں کا ثواب اسے ملتا رہے گا۔

دوسری جگہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

جس شخص نے اچھے راستہ کی طرف دعوت دی اسے اس راستہ پر چلنے والے کی طرح ثواب ملے گا۔ کسی کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ اور جس نے کسی گمراہی کی دعوت دی اسے اس گمراہی پر چلنے والے جیسا گناہ ملے گا۔ ان کے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

اسی طرح کی دوسری احادیث بھی ہیں جن کی روشنی میں واضح ہوجاتا ہے کہ شہید کو جو اجر و ثواب ملے گا وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یقیناً ملے گا کیوں کہ آپ ہی نے شہید کو راہ جہاد و قربانی کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔ تو شہداء کی خصوصی حیات جو بطور اجر ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل ہے۔

انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی حقیقی حیات برزخی دوسروں سے فائق و ممتاز ہے۔ اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حیات تو اور زیادہ ارفع و اعلیٰ ہے۔ اور ان کا روحانی وجود ہر جگہ موجود ہے۔

انبیاء کرام بالخصوص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی حیات برزخی اس تصور سے بلند تر ہے جو کسی جاہل یا احمق کا ہوسکتا ہے کہ وہ ہماری طرح اکل و شرب و بول و براز کے محتاج ہوکر زندگی گزاریں۔ اور امت مسلمہ کی تقریبات مذہبی و اجتماعات فرحت و نشاط و رنج و غم و محافل تلاوت

قرآن و مجالس ذکر و تذکیر میں شرکت کے لئے قبر سے نکلنے اور پھر زیر زمین دنیاوی قبر کے اس دائر
تنگ میں جانے کی انہیں ضرورت پیش آئے جس کے اوپر مٹی ڈال دی گئی ہے۔

ایسا کوئی تصور ان نفوس قدسیہ کے شایان شان نہیں۔ نہ اس کے اندر کوئی شرف و بزرگی
فضیلت و منزلت ہے۔ بلکہ یہ تو منقصت و اہانت ہے جسے انسان اپنے کسی خادم و ملازم کے لئے
بھی مناسب نہیں سمجھتا تو پھر رب کائنات اپنے برگزیدہ رسول خیر الخلق افضل العباد سید الانبیاء
والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کیسے روا رکھے گا۔ حاشا وکلا و الف حاشا وکلا۔

حقیقی حیات برزخی تو شعور تام و ادراک کامل و عرفان صادق کا نام ہے۔ یہ طیب وطاہر
و صالح حیات دعاء و تسبیح و تہلیل و تحمید و تمجید و صلوٰۃ سے عبارت ہے۔

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

احادیث کثیرہ سے ثابت ہے کہ ہمارے نبی اکرم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برزخی حیات دوسروں سے افضل و اعلیٰ و اعظم و اکمل ہے۔ اور اپنی امت سے آپ کا رشتہ جڑا ہوا ہے۔ اس کے احوال سے آپ واقف اور اس کے اعمال سے باخبر رہتے ہیں۔ اس کی باتیں سنتے اور اس کے سلام کا جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔

چند احادیث مبارکہ درج ذیل ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ان للّٰہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام۔

اللہ کے کچھ فرشتے زمین میں گھومتے رہتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں۔

قال المنذری رواہ النسائی وابن حبان فی صحیحہ اھ من الترغیب والترھیب ج ۲ ص ۴۹۸۔

قلت و رواہ اسمٰعیل القاضی وغیرہ من طرق مختلفۃ باسناد صحیحۃ لاریب فیھا الی سفیان الثوری عن عبد اللہ بن السائب عن زاذان عن عبد اللہ بن مسعود۔ وصرح الثوری بالسماع فقال: حدثنی عبد اللہ بن السائب ھکذا فی کتاب القاضی اسمٰعیل وعبد اللہ بن السائب وزاذان روی لھما مسلم۔ و وثقھما ابن معین فالاسناد صحیح۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ہی سے ایک دوسری روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

حیاتی خیر لکم تحدثون ویحدث لکم۔ و وفاتی خیر لکم تعرض اعمالکم علی۔ فما رأیت من خیر حمدت اللہ وما رأیت من شر استغفرت اللہ لکم۔

میری یہ حیات تمہارے لئے بہتر ہے کہ تم باتیں کرتے ہو اور تم سے باتیں کی جاتی ہیں۔ اور میری وفات بھی تمہارے لئے بہتر ہے کہ تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کئے جائیں گے جن میں بھلائیاں دیکھ کر میں

حمدِ الٰہی بجالاؤں گا اور برائی دیکھ کر تمہارے لئے اللہ سے استغفار کروں گا۔

قال الحافظ العراقی فی کتاب الجنائز من طرح التثریب فی شرح التقریب اسناد جید۔

وقال الحافظ الهیثمی فی مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴ رواہ البزار و رجاله رجال الصحیح وصححه الحافظ السیوطی فی المعجزات والخصائص۔ وکذا القسطلانی شارح البخاری۔ ونص المناوی فی فیض القدیر ج ۳ ص ۴۰۱ بانه صحیح۔ وکذا الزرقانی فی شرح المواهب للقسطلانی۔ وکذا الشهاب الخفاجی فی شرح الشفا ج ۱ ص ۱۰۲۔ وکذا الملا علی قاری فی شرح الشفا ج ۱ ص ۱۰۲ وقال رواہ ایضا الحارث بن اسامة فی مسندہ بسند صحیح۔ وذکرہ ابن حجر فی المطالب العالیة ج ۴ ص ۲۲۔ وجاء هذا الحدیث من طریق آخر مرسلا عن بکر بن عبد اللہ المزنی۔ ورواہ الحافظ اسمٰعیل القاضی فی جزء الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیه وسلم۔ وصححه الحافظ ابن عبد الهادی مع تعنته وتشددہ فی کتابه الصارم المنکی ـــ فالحدیث صحیح لا مطعن فیه۔

واضح ہوگیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پیش شدہ اعمال سے بخوبی واقف ہیں۔ اور ہمارے اعمال کی شامت دیکھ کر آپ اللہ سے استغفار بھی کرتے ہیں۔ تو پھر بارگاہِ الٰہی میں آپ کو وسیلہ اور اپنا شفیع بنانا بھی جائز ہے۔ کیوں کہ آپ ہمارے لئے دعا و شفاعت فرماتے ہیں اور آپ ہی ایسے شفیع ہیں جن کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم وزادہ تشریفاً وتکریماً۔

قرآن حکیم کے ذریعہ اللہ نے ہمیں بتلادیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے گواہ ہیں۔ جس کا تقاضہ ہے کہ اعمال امت آپ کے سامنے پیش کئے جائیں تاکہ آپ علم و رویت کے ساتھ گواہی دیں۔

ابن مبارک کہتے ہیں۔ ہمیں ایک انصاری نے خبر دی جو منہال بن عمرو سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے سعید بن مسیب کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا۔

ایسا کوئی دن نہیں گزرتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صبح و شام اعمالِ امت نہ پیش ہوں۔ آپ اپنی امت کے اسماء و اعمال سے واقف ہیں۔ اسی لئے اس کی گواہی بھی دیں گے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا۔ (سورۂ نساء - ۴۱)

توکیسا ہے گا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور تمہیں ان سب پر گواہ بنائیں۔

حضرت عمار بن یاسر سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ان اللہ وکل بقبری ملکا اعطاہ اللہ اسماع الخلائق فلا یصلی علیّ احد الی یوم القیامۃ الاّ ابلغنی باسمہ واسم ابیہ ھذا فلان بن فلان قد صلی علیك۔

بے شک اللہ نے میری قبر پر ایک فرشتہ کو مامور فرمایا ہے جسے اس نے مخلوق کی باتیں سننے کی صلاحیت دے رکھی ہے۔ قیامت تک جتنے بھی مجھے درود بھیجنے والے لوگ ہوں گے ان کے نام وولدیت وہ مجھے بتائے گا کہ فلاں ابن فلاں نے آپ پر درود بھیجا ہے

رواہ البزار و ابوالشیخ ابن حبان ولفظہ۔

ان اللہ تبارك وتعالیٰ وکل ملکا اعطاہ اسماع الخلائق۔ فھو قائم علی قبری اذامت۔ فلیس احد یصلی علیّ صلوۃ الا قال: یا محمد! صلیٰ علیك فلان ابن فلان۔ فیصلی الرب تبارك وتعالیٰ علیٰ ذالك الرجل بکل واحدۃ عشرا۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر بنحوہ۔ من الترغیب ج ۲ ص ۵۰۰۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے جسے مخلوق کی باتیں سننے کی صلاحیت دے رکھی ہے۔ وہ میرے وصال کے بعد میری قبر پر رہے گا اور مجھ پر درود پیش کرنے والے ہر شخص کے بارے میں کہے گا۔ اے محمد! فلاں بن فلاں نے آپ پر درود بھیجا ہے — اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس شخص کے ہر درود کے بدلے میں دس نیکیاں عطا فرمائے گا۔

حضرت ابو درداء سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اکثروا الصلوۃ علیّ یوم الجمعۃ فانہ یوم مشھود تشھدہ الملائکۃ۔ وان احدا لن یصلی علیّ الا عرضت علیّ صلاتہ حتی یفرغ منھا۔ قال۔ قلت۔ وبعد الموت؟ قال وبعد الموت۔ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء، فنبی اللہ حی یرزق۔

رواہ ابن ماجہ فی السنن عن عمرو بن الحارث عن سعید بن ابی ہلال عن زید بن ایمن عن عبادۃ بن

نسی عن ابی الدرداء۔ وفی الزوائد هذا الحدیث صحیح الا انہ منقطع فی موضعین لان عبادۃ روایتہ عن ابی الدرداء مرسلۃ قالہ العلاء وزید بن ایمن عن عبادۃ مرسلۃ قالہ البخاری۔ انتھی من سنن ابن ماجہ ص ۱۲۴۔

جمعہ کے دن مجھ پر خوب درود بھیجو کیوں کہ وہ یوم شہود ہے۔ ملائکہ اس دن آتے ہیں۔ کوئی بھی شخص جب تک مجھ پر درود بھیجتا رہے اس کا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا رہے گا۔

راوی کہتے ہیں۔ میں نے پوچھا۔ کیا آپ کے وصال کے بعد بھی؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ ہاں، وصال کے بعد بھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین کے لئے اجسام انبیاء کا کھانا حرام قرار دیا ہے۔ اللہ کے نبی زندہ ہوتے ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مامن احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام۔

رواہ ابوداؤد۔ کذا فی الترغیب ج ۲ ص ۴۹۹۔

کوئی شخص بھی مجھ پر درود بھیجے تو اللہ تعالیٰ میری روح کی توجہ میری طرف مبذول فرما دیتا ہے تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔

شیخ ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث شرط مسلم کے مطابق ہے۔ اور لکھا کہ۔

مسند ابن ابی شیبہ میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من صلی علی سمعتہ۔ ومن صلی علی نائیا بلغتہ۔ رواہ الدارقطنی۔

مجھ پر جو شخص بھی درود بھیجے اسے میں سنتا ہوں۔ اور جو شخص دور سے درود بھیجے اس کا درود مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

اور حضرت ابوہریرہ ہی سے دوسری روایت ہے۔

ان اللہ وکل بقبری ملائکۃ یبلغونی عن امتی السلام۔ رواہ النسائی وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ میری قبر پر فرشتہ مقرر فرمائے گا جو میری امت کا درود مجھ تک پہنچائے گا۔

اس سلسلے میں اور بھی کئی ایک احادیث ہیں۔

اقتضاء الصراط المستقیم للشیخ ابن تیمیہ ص ۳۲۴۔

نبی کریم کی طرف سے جواب نداء

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہراس شخص کی پکار کا جواب دیتے ہیں جو آپ کو یا محمد کہہ کر پکارے۔
حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ولئن قام علیٰ قبری فقال یا محمد۔ لاجیبنہ۔

رواہ ابویعلیٰ فی ذکر عیسی۔ ذکرہ الحافظ ابن حجر فی المطالب العالیۃ ۴/ص ۲۳۔ بعنوان حیاۃ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ۔

اگر میری قبر کے پاس کھڑے ہو کر مجھے یا محمد کہہ کر پکاریں تو میں ضرور جواب دوں گا۔

قاصد کے ذریعہ دربار نبی کریم میں تحفۂ سلام

یزید المہدی بیان کرتے ہیں کہ جب میں حضرت عمر بن عبد العزیز کے پاس سے رخصت ہونے لگا تو انہوں نے مجھ سے کہا۔
مجھے آپ سے کچھ ضرورت ہے۔ میں نے کہا۔ امیر المؤمنین! مجھ سے آپ کی کیا ضرورت ہے؟
انہوں نے کہا۔
مدینہ منورہ پہونچ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضری دینا تو آپ کی خدمت میں میرا سلام پیش کرنا۔
اور حاتم بن وردان بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز شام سے مدینہ منورہ اپنا قاصد بھیجتے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر آپ کا سلام پیش کرے۔

ذکرہ القاضی عیاض فی الشفاء فی باب الزیارۃ ج ۲ ص ۸۳۔ وذکر الخفاجی والملا علی قاری فی شرح الشفاء انہ رواہ ابن ابی الدنیا والبیہقی فی الشعب۔

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی لکھتے ہیں۔
اسلاف کرام کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحفۂ سلام بھیجا کرتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر بھی ایسا کرتے تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور

ابو بکر صدیق و عمر فاروق کی خدمت میں ہمیشہ سلام بھیجتے تھے۔

دور و نزدیک کے ہر سلام بھیجنے والے کا سلام دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچتا ہے۔ لیکن آپ کی خدمت میں قریب سے حاضر ہو کر سلام بھیجنے اور بنفس نفیس آپ کی طرف سے اس کا جواب عطا ہونے میں زیادہ فضیلت ہے۔

نسیم الریاض للخفاجی ج ۳ ص ۵۱۶ ۔ و ذکرہ الامام مجد الدین الفیروز آبادی فی الصلات والبشر ص ۱۵۳۔

قبر نبوی سے سنی جانے والی ایمان افروز آواز

مروان بن محمد بیان کرتے ہیں کہ سعید بن عبد العزیز کہتے ہیں۔

ایام حرّہ میں تین روز تک مسجد نبوی میں اذان نہیں دی جاسکی۔ اور حضرت سعید بن مسیب مسجد نبوی ہی میں پڑے رہے وہاں سے ہٹے نہیں۔ نماز کے اوقات کا علم انہیں اس وقت صحیح طور پر ہوتا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے آواز سنائی دیتی۔ رواہ الامام ابو محمد عبد اللہ الدارمی فی کتابہ السنن الذی یعتبر من کتب الاصول الحدیثیۃ الستۃ۔ ج ۱ ص ۴۴۔

ونقل ھذہ الروایۃ الامام مجد الدین الفیروز آبادی صاحب القاموس فی الصلات والبشر ص ۱۵۴

امام مجد الدین صاحب القاموس یہ روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ابراہیم بن شیبان نے بیان کیا کہ میں نے فریضۂ حج ادا کیا پھر مدینہ منورہ حاضر ہوا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہونچ کر سلام عرض کیا تو قبر مبارک سے آواز آئی۔ وعلیک السلام۔

الصلات والبشر ص ۱۵۴۔

شیخ ابن تیمیہ کی تائید

اتخاذ القبر مسجدا او وثنا یعبد کے سلسلے میں کلام کرتے ہوئے شیخ ابن تیمیہ نے مذکورہ واقعات کا ذکر کیا ہے پھر لکھا ہے۔

ہماری اس بحث سے ان روایات کا تعلق نہیں جو بیان کی جاتی ہیں کہ بہت سے لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے یا دیگر صالحین کی قبروں سے جواب سلام خود سنا ہے۔ اور سعید بن مسیب حادثہ حرہ کی راتوں میں قبر نبوی سے اذان کی آواز سنا کرتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اقتضاء الصراط المستقیم ص ۳۸۳۔

پھر آگے چل کر شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔

اسی طرح قبور انبیاء و صالحین کے نزدیک پائی جانے والی کرامات و خوارق عادات بھی ہیں۔ مثلاً ان قبروں کے نزدیک انوار و ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔ شیاطین و بہائم ان سے بچتے ہیں۔ وہاں ارد گرد کی آگ بجھ جاتی ہے۔ بعض پڑوسی مرحومین کی وہ شفاعت کرتے ہیں۔ ان کے قریب دفن ہونا بہتر ہے۔ وہاں سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ ان کی شان میں گستاخی پر عذاب نازل ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

ایسی باتیں صحیح اور برحق ہیں۔ لیکن ان کا یہاں ہماری بحث سے تعلق نہیں۔

قبور انبیاء و صالحین میں اللہ تعالیٰ جو رحمت و برکت نازل فرماتا ہے اور اس کے نزدیک انہیں جو شرف و کرامت حاصل ہے وہ اکثر لوگوں کے وہم و گمان سے زیادہ ہے مگر یہاں ان کی تفصیل کا موقع نہیں۔ اقتضاء الصراط المستقیم للشیخ ابن تیمیہ ص ۳۸٤۔

حدیثِ لاتشدّ الرحال

رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لاتشدّ الرحال الاّ الیٰ ثلٰثۃ مساجد۔ المسجد الحرام، ومسجدی ھذا، والمسجد الاقصیٰ

ان تین مساجد کے سوا کسی اور مسجد کی طرف سفر نہ کیا جائے۔ مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔

بہت سے لوگ اس حدیث مبارک کا مطلب سمجھنے میں غلطی کرجاتے ہیں۔ اور اس سے استدلال کر ڈالتے ہیں کہ زیارت نبوی کے لئے سفر کرنا حرام اور سفر معصیت ہے۔

فہم باطل پر مبنی یہ استدلال نہایت مردود ونامقبول ہے۔ کیوں کہ حدیث کسی اور باب کی ہے اور استدلال کسی اور باب کا ہے۔

یہ حدیث لاتشدّ الرحال اہل لغت کے معروف اسلوب کے مطابق استثناء کے اسلوب میں ہے جس میں مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ دونوں پائے جاتے ہیں۔ مستثنیٰ اِلاّ کے بعد اور مستثنیٰ منہ اِلاّ سے پہلے ہوتا ہے۔ وجوداً یا تقدیراً دونوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ علم نحو کا یہ ضابطہ عام کتبِ نحو میں بھی تحریر ہے۔

اس حدیث میں مستثنیٰ (ثلاثۃ مساجد) تو موجود ہے جو اِلاّ کے بعد ہے۔ لیکن مستثنیٰ منہ مذکور نہیں ہے جو اِلاّ سے پہلے پایا جاتا ہے۔ اس لئے اسے مقدر ماننا جائے گا۔

اب اگر مستثنیٰ منہ قبر کو فرض کریں تو یہ حدیث اس طرح ہوگی۔ لاتشدّ الرحال الیٰ قبر الا الیٰ ثلاثۃ مساجد۔ جو نہ سیاق کلام کے مطابق ہے اور نہ ہی بلاغتِ نبوی کے لائق ہے۔ کیونکہ مستثنیٰ (ثلاثۃ مساجد) مستثنیٰ منہ (قبر) سے خارج ہے۔ حالاں کہ اصل یہ ہے کہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ دونوں جنس واحد سے ہوں۔

اس لئے کوئی بھی عالم دین جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خود ساختہ کلام کے انتساب سے

ڈرتا ہے وہ لفظ قبر کا انتساب آپ کی طرف نہیں کرسکتا۔ اور استثناء کے ضابطہ کے خلاف قبر کو مستثنیٰ منہ بنانا بھی درست نہیں۔ اس لئے بھی اسے آپ کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔

لفظ قبر کی بجائے اگر لفظ مکان کو مستثنیٰ منہ فرض کیا جائے تو یہ حدیث اس طرح ہوگی۔

لاتشد الرحال الی مکان الا الی ثلاثۃ مساجد۔

جس کا مطلب یہ ہوجائے گا کہ تعلیم و تجارت اور کسی کار خیر کے لئے بھی سفر کرنا ممنوع ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان امور کے لئے سفر کی ممانعت باطل اور غیر عاقلانہ بات ہوگی۔

آغاز گفتگو میں جو پوری حدیث نقل کی گئی ہے اس میں مستثنیٰ تو مذکور ہے مگر مستثنیٰ منہ مذکور نہیں ہے۔ اس لئے اہل لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ ایسی صورت میں مستثنیٰ منہ کو مقدر ماننا ضروری ہے اور یہاں مستثنیٰ منہ کے صرف تین وجوہ ہوسکتے ہیں۔ تینوں وجوہ درج ذیل ہیں۔

(۱) مستثنیٰ منہ لفظ قبر کو مقدر مانا جائے تو حدیث میں لفظ قبر اس طرح مقدر ہوگا۔ لاتشد الرحال الی قبر الا الی ثلاثۃ مساجد۔

سفر زیارت کی ممانعت کا اس حدیث سے استدلال کرنے والوں کے مسلک کے مطابق یہ تقدیر ہے۔ جو ایسی بے بنیاد تقدیر ہے کہ زبان عربی سے تھوڑی سی واقفیت رکھنے والا شخص بھی اسے قبول نہیں کرسکتا۔ تو پھر افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت کیسے کی جاسکتی ہے۔ اور ایسے ساقط الاعتبار اسلوب کو آپ کیسے گوارہ فرما سکتے ہیں۔ حاشا وکلا۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔

(۲) حدیث کے اندر مستثنیٰ منہ کی تقدیر کسی لفظ عام کو مانا جائے۔ اور لفظ مکان کو مقدر مان کر حدیث اس طرح پڑھی جائے۔ لاتشد الرحال الی مکان الا الی ثلاثۃ مساجد۔

اس تقدیر کا کوئی بھی قائل نہیں۔ کیوں کہ یہ بالبداھۃ باطل ہے۔

(۳) حدیث کے اندر مستثنیٰ منہ کی تقدیر لفظ مسجد کو مانا جائے تو یہ حدیث اس طرح ہوگی۔

لاتشد الرحال الی مسجد الا الی ثلاثۃ مساجد۔

اب اس کلام نبوی کا مطلب بالکل صحیح اور لغت کے اسلوب فصیح کے مطابق ہوگیا۔ مذکورہ دونوں صورتوں کی غلطی بھی واضح ہوگئی۔ اور اس کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام بلاغت نظام کی روح بھی جلوہ گر ہوگئی۔ ساتھ ہی ہر پاکیزہ قلب مسلمان کا دل بھی اس حقیقت پر مطمئن ہوگیا کہ

اسی تقدیر کے ساتھ یہ کلام رسول ہے۔

اور بحمدہ تعالیٰ حدیث رسول میں اس کی صراحت بھی ہے کہ مستثنیٰ منہ مسجد ہی ہے۔ اس لئے تقدیر مستثنیٰ منہ پر اس بحث کی بھی کیا ضرورت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ارشاد فرماتے ہیں۔

لاینبغی للمطی ان یشد رحالہ الیٰ مسجد تبتغی فیہ الصلوٰۃ غیر المسجد الحرام والمسجد الاقصیٰ ومسجدی۔

اخرجہ الامام احمد من طریق شھر بن حوشب قال سمعت اباسعید وذکرت عندہ الصلوٰۃ والسلام فی الطور فقال — وقال الحافظ ابن حجر۔ وشھرحسن الحدیث وان کان فیہ بعض ضعف۔ فتح الباری ج ۳ ص ۶۵۔

مسجد حرام و مسجد اقصیٰ اور میری مسجد کے سوا کسی مسجد میں نماز پڑھنے کی غرض سے سفر نہ کیا جائے۔

یہی حدیث ان الفاظ کے ساتھ بھی مروی ہے۔

لاینبغی للمطی ان تشد رحالہ الیٰ مسجد یبتغی فیہ الصلوٰۃ غیر المسجد الحرام والمسجد الاقصیٰ ومسجدی ھذا۔

قال الحافظ الھیثمی۔ وفیہ شھر فیہ کلام وحدیثہ حسن۔ مجمع الزوائد ج ٤ ص ۳۔

حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

انا خاتم الانبیاء ومسجدی خاتم مساجد الانبیاء احق ان یزار وتشد الیہ الرواحل۔ المسجد الحرام ومسجدی۔ صلوٰۃ فی مسجدی افضل من الف صلوٰۃ فیما سواہ من المساجد الا المسجد الحرام۔

رواہ البزار۔ مجمع الزوائد ج ٤ ص ۳۔

میں خاتم الانبیاء ہوں اور میری مسجد خاتم مساجد انبیاء ہے۔ سفر و زیارت کی زیادہ مستحق یہ مساجد ہیں مسجد حرام اور میری مسجد۔ میری مسجد کی ایک نماز مسجد حرام کے علاوہ دوسری مساجد کی ہزار نماز سے افضل ہے۔

کلام رسول صرف یہ بیان کرنے کے لئے ہے کہ مسجد حرام و مسجد اقصیٰ و مسجد نبوی کے سوا دوسری مساجد میں نماز پڑھنے کی فضیلت برابر ہے۔ اس لئے ان کے علاوہ دوسری مساجد میں نماز

پڑھنے کے لئے زحمت سفر برداشت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ بس انہیں تینوں مساجد میں نماز پڑھنے کی زیادہ فضیلت ہے۔

اس حدیث میں قبروں کا نہ ذکر ہے نہ کوئی اشارہ ہے نہ ان سے کسی طرح کا کوئی تعلق ہے۔ اس لئے اس حدیث میں قبروں کو بلاوجہ گھسیٹنا ایک طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کذب وافتراء ہے

زیارت تو مطلوب و محمود ہے اور بہت سے علماء اسلام نے کتب مناسک میں اسے مستحبات میں ذکر کیا ہے۔ جس کی احادیث کثیرہ سے تائید بھی ہوتی ہے۔ چند احادیث زیارت یہاں درج کی جارہی ہیں۔

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

من زار قبری وجبت له شفاعتی۔

رواه البزاز وفیه عبد اللہ بن ابراهیم الغماری وهو ضعیف۔

جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہے۔

شیخ ابن تیمیہ نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ (الفتاوی ج ۲۷ ص ۳۰) اور اسے حدیث ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن اس جگہ اس پر حکم وضع یا کذب نہیں لگایا ہے۔

کسی دوسری جگہ اگر اس کے برخلاف ہو تو اس کا مطلب ہے کہ اس پر حکم لگانے میں وہ متردد ہیں۔ یا یہ کہ اس سلسلے میں خود ان کی رائے میں اختلاف ہے۔ اور یہ نہیں معلوم کہ کون سی رائے پہلے ہے اور کون بعد کی ہے۔ اس لئے کسی کا بھی اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

من جاء نی زائرا لم یعلم له حاجة الا زیارتی کان حقا علی ان اکون له شفیعا یوم القیمة۔

رواه الطبرانی فی الاوسط والکبیر۔ وفیه مسلمة بن سالم وهو ضعیف۔ کذا فی المجمع ج ٤ ص ٢۔ وقال الحافظ العراقی صححه ابن السکن۔ المغنی ج ١ ص ٢٦٥۔

جو شخص صرف میری زیارت کی غرض سے حاضر ہو اس کا میرے اوپر یہ حق ہوگا کہ میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں۔

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

من حج فزار قبری فی مماتی کان کمن زارنی فی حیاتی۔

رواہ الطبرانی فی الکبیر و الاوسط ۔ وفیہ حفص بن داؤد القاری۔ وثقہ احمد وضعفہ جماعۃ من الائمۃ۔

جس نے حج کیا اور میرے وصال کے بعد میری زیارت کی وہ گویا میری اس حیات میں زیارت کرنے والے کی طرح ہے۔

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

من زار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی۔

قال الھیثمی رواہ الطبرانی فی الصغیر والاوسط وفیہ عائشۃ بنت یونس و لم اجد من ترجمھا۔ کذا فی مجمع الزوائد ج ٤ ص ٢۔

جس نے میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی وہ گویا میری اس حیات میں زیارت کرنے والے کی طرح ہے۔

احادیث زیارت طرق کثیرہ سے مروی ہیں جس سے ایک دوسرے کی تقویت ہوتی ہے۔ کما نقلہ المناوی عن الحافظ الذھبی فی فیض القدیر ج ٦ ص ١٤٠ خصوصا و ان بعض العلماء صححھا اونقل تصحیحھا کالسبکی وابن السکن و العراقی و القاضی عیاض فی الشفاء والملا علی قاری شارحہ والخفاجی کذالک فی نسیم الریاض ج ۳ ص ٥١١۔ وکلھم من حفاظ الحدیث و ائمتہ المعتمدین۔

ائمہ اربعہ و دیگر ائمہ دین و اکابر و اسلاف کرام جواز و استحباب زیارت نبوی کے قائل ہیں جیسا کہ ان کے اصحاب و تلامذہ نے اپنی معتمد کتب فقہ میں ان کے اقوال و آراء نقل کئے ہیں۔ یہ چیز خود ہی تصحیح و قبول احادیث زیارت کے لئے کافی ہے۔ کیوں کہ محدثین و ائمہ اصول کے ضابطہ کے مطابق حدیث ضعیف پر عمل و فتویٰ جاری و ساری ہو تو اس سے اس کو تائید و تقویت حاصل ہو جاتی ہے۔

زیارتِ قبرِ نبوی

مسجد نبوی کی بجائے صرف قبر نبوی کی زیارت کی نیت سے سفر کرنے کو شیخ ابن تیمیہ نے بدعت قرار دیا ہے۔ لیکن پھر مسئلہ زیارت پر بحث کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ۔

قبور انبیاء کے لئے سفر کرنے کو لوگوں نے ایک قسم کا امر خیر بنا دیا ہے اور علماء کے بیان کردہ استحباب زیارت قبر نبوی کو دیکھ کر یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ساری قبروں کے لئے سفر کیا جاسکتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ کئی طرح کی لغزشوں میں پڑ گئے ہیں۔ مثلاً۔

(۱) سفر مسجد نبوی جواز روئے نص و اجماع مستحب ہے اسے ہی سفر قبر نبوی کا درجہ دے دیا گیا۔

(۲) یہ سفر درحقیقت سفر مسجد نبوی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں یا وصال کے بعد ہو اور حجرۂ صدیقہ کے مسجد نبوی میں شامل کئے جانے سے پہلے ہو یا بعد میں ہو۔ یہ سفر، سفر مسجد ہی ہے۔ وہاں قبر ہو یا نہ رہی ہو۔ اس لئے اسے محض سفر قبر کی طرح قرار دینا جائز نہیں۔

آگے چل کر شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔

سفر مسجد نبوی جسے سفر زیارت قبر نبوی کہا جائے اس کے جواز و استحباب پر تو ہر دور کے مسلمانان عالم کا اجماع ہے۔

رہ گئی بات دیگر قبور کے جواز سفر کی تو کسی بھی صحابی و تابعی بلکہ تبع تابعین میں سے بھی کسی سے ایسا ثبوت نہیں ملتا۔

اور اس سے آگے لکھتے ہیں۔

مقصود کلام یہ ہے کہ مسلمان مسجد نبوی کے لئے تو برابر سفر کرتے رہے ہیں، لیکن قبور انبیاء کے لئے سفر نہیں کرتے۔ مثلاً حضرت موسیٰ و حضرت ابراہیم علیہما السلام کی قبروں کے لئے ان کا سفر ثابت نہیں۔

کسی بھی صحابی کے بارے میں ایسی روایت نہیں ملتی کہ اس نے حضرت ابراہیم کی قبر کی زیارت کے لئے سفر کیا ہو۔ حالاں کہ صحابہ کرام شام و بیت المقدس کا بکثرت سفر کیا کرتے تھے۔ ایسی صورت میں سفر مسجد نبوی جسے بعض لوگ زیارت قبر نبوی کہتے ہیں اسے سفر قبور انبیا، کی طرح کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔

شیخ ابن تیمیہ کی اس گفتگو سے یہ ایک اہم بات سمجھ میں آتی ہے کہ زیارت قبر نبوی کے ارادہ سے سفر کرنے والے کے بارے میں یہ نہیں سوچا جاسکتا کہ وہ صرف زیارت قبر نبوی پر اکتفا کرے گا اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے نہیں جائے گا۔ اس میں نماز پڑھنے کا جو زیادہ ثواب ملتا ہے۔ برکتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اور مسجد نبوی کے روضۃ الجنۃ کا جو فیض ہے ان سب سے غفلت برتے گا۔ اور مسجد میں نماز و حاضری کے فوائد و منافع حاصل کرنے سے گریز کرے گا۔ یہ بات ناقابل تصور ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی ناقابل فہم ہے کہ مسجد نبوی کے ارادہ سے سفر کرنے والے کا مقصد صرف مسجد نبوی میں نماز و عبادت ہو اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دونوں ساتھی رضی اللہ عنہما کی قبور مبارکہ کی زیارت نہ کرے۔

شیخ ابن تیمیہ نے اس کی طرف اپنی ان عبارات میں خود ہی اشارہ کر دیا ہے۔

.... فکیف یجعل السفر الی مسجد الرسول الذی یسمیہ بعض الناس زیارتہ۔

...... ان السفر الیہ انما ھو سفر الی مسجدہ۔

.... ان السفر الی مسجدہ الذی یسمی السفر لزیارۃ قبرہ ھو ما اجمع علیہ المسلمون۔

مسجد نبوی میں ادائے صلوٰۃ اور قبر نبوی پر حاضری کی مشترک نیت کے ساتھ سفر کرنے کو سفر مسجد کہا جائے یا سفر زیارت حقیقۃً دونوں ایک ہی سفر ہیں۔ اور یہ ایسی تعبیر ہے جس سے وہ بڑا مسئلہ حل ہوسکتا ہے جس نے مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا کر دی ہے۔ اور اس کی وجہ سے ایک دوسرے کی تکفیر اور دائرہ اسلام سے خارج کرنے کے واقعات پیش آتے۔

مدعیان اتباع سلف اگر شیخ ابن تیمیہ کا یہی مسلک اختیار کرلیں اور لوگوں کی نیتوں پر اعتبار اور ان کے ساتھ حسن ظن سے کام لیں تو ان کے فتوی سے محفوظ رہ کر بہت بڑا گروہ جہنم میں جانے سے بچ جائے اور مستحق جنت بن جائے۔

حق یہی ہے کہ ہم پوری سچائی کے ساتھ یہی نیت رکھتے ہیں کہ قبر نبوی پر حاضری دیں گے اور

مسجد نبوی میں نماز پڑھیں گے۔ اس کی صراحت کریں یا نہ کریں۔ نیت یہی ہوتی ہے۔
کوئی شخص اگر یہ کہے کہ میں زیارتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سفر کر رہا ہوں۔ یا زیارتِ قبر کے لئے سفر کر رہا ہوں۔ تو بالجملہ مسجد نبوی شریف بھی اس میں داخل ہے۔ اور اگر وہ یہ کہے کہ زیارت مسجد نبوی کے لئے سفر کر رہا ہوں تو بالجملہ قبر نبوی بھی اس میں داخل ہے۔
اب اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنی نیت و مقصود کی صراحت نہیں کی۔ اور یہ صراحت مسجد اور قبر کے ارتباط کی وجہ سے اس نے نہیں کی۔
اور قبر سے درحقیقت ذات سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مراد و مقصود ہیں۔ اس لئے کہ زیارت قبر کے لئے سفر کرنے والا شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خدمت میں حاضری کے ارادہ سے سفر کرتا ہے۔
صرف قبر کسی بھی مسافر کا مقصود نہیں اور ہم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ ہی کی طرف لو لگاتے ہیں اور آپ ہی کی زیارت کے لئے سفر کرتے ہیں۔ اور اس زیارت سے اللہ کا قرب چاہتے ہیں۔
مسلم زائرین کو چاہئے کہ لوگوں کے شبہات سے بچنے کے لئے یہ کہیں کہ ہم زیارتِ نبوی کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ یا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کے لئے سفر کر رہے ہیں۔
حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ زیارت قبر نبوی کہنا نامناسب و ناپسندیدہ ہے۔ ائمہ مالکیہ اس کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ اس تعبیر میں حد ادب ہے کہ میں زیارتِ رسول سے مشرف ہوا۔
اور زیارت قبر کے لئے سفر کرنے والے کا مقصد صرف زیارت ہوتا تو روضہ مبارکہ کے اردگرد اتنا ہجوم نہ ہوتا۔
اور مسجد نبوی کے دروازے جس وقت کھلتے ہیں اس وقت لوگ اس طرح بے تابانہ مسابقت نہ کرتے کہ ایک دوسرے سے پہلے داخل ہونے کے جذبہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باہم برسر پیکار ہو جائیں گے۔
یہ سبھی لوگ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے اور روضۂ رسول پر حاضری دینے کے شوق و لگن میں ایسا کرتے ہیں۔ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے ہیں اور اسی مقصد سے انہوں نے سفر کیا ہے۔

تحقیق مفید

شیخ محمد امین الشنقیطی کی مشہور تفسیر اضواء البیان کی تکمیل کرنے والے شیخ عطیہ محمد سالم قاضی مدینہ منورہ نے اس مسئلہ سے متعلق کلام شیخ ابن تیمیہ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

شیخ ابن تیمیہ کی بحث سے معلوم ہوا کہ قبر نبوی اور مسجد نبوی میں ادا ء صلوٰۃ دونوں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے معاملات ہیں۔ اور جو شخص عملاً ان دونوں کو الگ الگ سمجھے وہ خلاف واقعہ بات کہہ رہا ہے۔ اور جب دونوں کا ارتباط ثابت ہے تو اختلاف کا خاتمہ اور وجہ اختلاف کا ازالہ ہوگیا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

دوسری جگہ ص ۳۴۶ پر اس کی صراحت ہے کہ زیارت قبور صالحین کے سفر میں نماز قصر کرنے سے متعلق اصحاب امام احمد کے چار اقوال ہیں۔ جن میں تیسرا قول یہ ہے کہ قبر نبوی کے سفر میں نماز قصر کی جائے گی۔ اضواء البیان ج ۸ ص ۵۹۰۔

شیخ عطیہ نے اس کے بعد لکھا۔

شیخ ابن تیمیہ کی یہ بات نہایت واضح ہے کہ عامۂ علماء کے نزدیک زیارت وصلوٰۃ مسجد عملاً ایک دوسرے سے الگ نہیں۔

پھر ناواقف کے بارے میں لکھا۔

جو شخص یہ بات نہ سمجھ سکے تو بھی سفر قبر نبوی میں وہ مسجد نبوی میں نماز ضرور پڑھے گا اور اس کا ثواب اسے ملے گا۔ اپنی لاعلمی کی وجہ سے وہ ایک ممنوع نیت سفر کر رہا ہے۔ پھر بھی اس پر کوئی گناہ ومواخذہ نہیں بلکہ اسے اجر ملے گا۔ اضواء البیان ج ۸ ص ۵۹۰۔

اس تحریر سے ظاہر ہے کہ زیارت قبر نبوی کے ارادہ سے سفر کرنے والا محروم اجر وثواب نہیں۔ تو پھر اسے مبتدع یا ضال یا مشرک کیسے کہا جا سکتا ہے؟ سبحٰنک ھذا بہتان عظیم۔

امام مالک اور زیارتِ رسول

ہمارے نبی اکرم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ سے امام مالک کی محبت و تعظیم اہل اسلام کے لئے باعثِ رشک ہے۔ آپ بارگاہ نبوی کے بے حد ادب شناس تھے۔ اور جس خاک مدینہ پر قدم ناز رسول پڑ گئے اس کی تعظیم و تکریم اور احترام کا یہ عالم تھا کہ کبھی اس پر آپ نے رفع حاجت کیا نہ سواری سے نہ ہی جوتے پہن کر اس پر آپ نے چلنا گوارہ کیا۔

خاکِ طیبہ از دو عالم خوشتر ست
اے خنک شہرے کہ آں جا دلبر ست

خلیفہ مہدی جب حاضر مدینہ منورہ ہوا تو اسے ہدایت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔
اب تم مدینہ منورہ میں داخل ہو رہے ہو۔ یہاں دائیں بائیں ہر طرف فرزندان انصار و مہاجرین آباد ہیں۔ انہیں تم سلام کرو کیوں کہ روئے زمین پر مدینہ اور اہل مدینہ سے بہتر شہر اور لوگ نہیں پائے جاتے۔

خلیفہ مہدی نے پوچھا۔ اے ابو عبداللہ (امام مالک) آپ نے کس بنیاد پر یہ بات کہی ہے؟
آپ نے ارشاد فرمایا۔ آج روئے زمین پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی نبی کی قبر ایسی معروف و متبرک نہیں۔ اور جن خوش نصیبوں کے شہر میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر ہو ان کی فضیلت معلوم و واضح ہے۔

امام مالک کے غلبۂ محبت و تعظیم مدینہ کا یہ عالم تھا کہ وہ کسی کا یہ کہنا بھی مکروہ سمجھتے تھے کہ۔ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کہنے والے کی اصلاح چاہتے تھے کہ وہ مذکورہ جملہ نہ استعمال کرے بلکہ لفظ قبر کو اپنی زبان سے ادا کئے بغیر براہ راست یہ کہے کہ۔ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ کیوں کہ قبر متروک و ویران

بھی ہوتی ہے جس کی دلیل یہ حدیث مبارک ہے۔

صلوا فی بیوتکم ولا تجعلوھا قبورا ۔ اپنے گھروں میں بھی نمازیں پڑھاکر وانہیں ویران نہ بناڈالو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں۔

امام مالک نے لفظ قبر کے استعمال کو ادباً مکروہ فرمایاہے اصل زیارت کو نہیں۔ اس لئے کہ یہ زیارت تو بارگاہ الٰہی میں افضل اعمال و اعظم قربات ہے۔ اور اس کے جواز و استحباب پر علماء اسلام کا اجماع ہے۔

فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۳ ص ۶۶۔

حافظ ابن عبدالبر کہتے ہیں۔

امام مالک کے نزدیک یہ کہنا مکروہ ہے کہ۔ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ آپس میں عموماً اس طرح کی باتیں کرتے رہتے ہیں کہ ہم نے فلاں کی قبر کی زیارت کی۔ تو امام مالک نے اس عموم کی وجہ سے دوسروں کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مساوات لفظی کو بھی مکروہ سمجھا۔ اور انہوں نے چاہا کہ اس موقعہ کی تعبیر میں بھی آپ کا امتیاز واختصاص باقی رہے۔ اور اس کے لئے یہ اسلوب بیان اختیار کیا جائے ــ کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کیا۔

اور ایک دوسری بات یہ بھی کہ دوسروں کی زیارت کا حکم تو جواز و اباحت کا ہے۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کے لئے سفر کرنا واجب ہے۔ یہاں واجب ہونے سے مراد وجوب ندب و ترغیب و تاکید ہے وجوب فرض نہیں۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ امام مالک کے نزدیک یہ کہنا ممنوع و مکروہ ہے کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو مکروہ نہیں۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

اللھم لاتجعل قبری وثنا یعبد ۔ اشتد غضب اللہ علی قوم اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد۔

امام مالک نے زیارت کی اضافت قبر کی طرف کرنے اور مغضوبین کے فعل کی مشابہت سے بچنے کے لئے یہ ارشاد فرمایا ہے تاکہ ایسا کوئی ذریعہ اور راہ ہی نہ نکلنے پائے اور سد باب

ہو جائے۔

اور میں کہتا ہوں کہ امام مالک کا مقصد اگر بیان کراہت زیارت ہوتا تو وہ فرماتے کہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کرنا مکروہ ہے۔ مگر وہ تو فرمارہے ہیں کہ۔ یہ کہنا مکروہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اس تعبیر لفظی کو مکروہ قرار دے رہے ہیں۔ (اور اصلاح فرمارہے ہیں کہ زیارت قبر نبوی نہ کہا جائے بلکہ زیارتِ نبوی کہا جائے۔ اور اس سے بہتر یہ ہے کہ بارگاہ نبوی میں سلام پیش کرنے کی بات کہی جائے)

حنبلیوں کے نزدیک استحباب زیارت رسول

زیارتِ نبوی جائز و مستحب ہے۔ جسے کثیر علماء امت وائمۂ سلف نے بیان کیا ہے۔

حنبلیوں کا ذکر خصوصیت سے کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کے اس اتہام کا ازالہ کردیا جائے کہ حنابلہ اس کے قائل نہیں ہیں۔

مسالک اربعہ کی سبھی فقہی کتابوں میں تحریر ہے کہ زیارت نبوی مندوب و مستحب ہے۔ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی جس مسلک کی کتب فقہ کا مطالعہ کریں سب میں اس کی صراحت و وضاحت موجود ہے۔

ائمۂ فقہ نے باب مناسک کے بعد باقاعدہ باب زیارت لکھ کر اس مسئلہ کو واضح و مبرہن کردیا ہے۔

علماء وائمہ کے نزدیک زیارت وسفر کا جواز و استحباب

(۱) قاضی عیاض مالکی،

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔

ان الاسلام بدأ غريبا وسيعود غريبا كما بدأ وهو يأزر بين المسجدين كما تأزر الحية الى حجرها۔ رواه مسلم۔

اس حدیث کی شرح میں اسلاف کے نزدیک زیارتِ نبوی کی مشروعیت پر گفتگو کرتے ہوئے قاضی عیاض مالکی لکھتے ہیں۔

حدیث نبوی وهو يأزر الى المدينة کا مطلب یہ ہے کہ

ایمان اولاً و آخراً اسی صفت کے ساتھ رہے گا۔ کیوں کہ آغازِ اسلام میں ہر مخلص مومن اور صحیح الاعتقاد مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے مدینہ طیبہ حاضر ہوتا۔ اس کا یہ سفر اقامتِ مدینہ کے لئے یا شوقِ زیارت میں ہوتا۔ جس میں وہ اسلامی آداب و تعلیمات سیکھتا اور آپ کے قرب سے بھی مشرف ہوتا۔

خلفاء راشدین کے عہد میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ لوگ آپ حضرات کی سیرت عدل کو اپناتے اور جمہور صحابہ مدینہ منورہ کے نقش قدم پر چلنے کے لئے وہاں کا سفر کرتے رہے۔

اس کے بعد کے ادوار میں علماء کرام جو اپنے وقت کے روشن چراغ اور ائمۂ ہدایت تھے۔ ان سے وہاں کی ہر طرف بکھری ہوئی سنن و ہدایات حاصل کرتے آتے رہے۔

ایمان کو کھلے دل سے قبول کرنے والا اور اس پر ثابت قدم رہنے والا ہر شخص یہاں کی طرف رختِ سفر باندھتا رہا۔

ہمارے اس زمانہ تک ہمیشہ اہل ایمان واسلام کا یہی معمول رہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور آپ کے تبرکات ومشاہد مقدسہ اور آثار صحابہ کرام کی زیارت کے لئے سفر کرتا رہا۔ اور سفر مدینہ منورہ صرف اہل ایمان ہی کرتے رہے۔

ھذا کلام القاضی عیاض۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اھ شرح صحیح مسلم للنووی ص ۱۷۷۔

(۲) امام شرف الدین نووی:

امام حافظ شرف الدین نووی صاحب شرح صحیح مسلم اپنی مشہور کتاب الایضاح کی فصل زیارت نبوی میں لکھتے ہیں۔

حج وعمرہ کرنے والے مکہ مکرمہ سے مدینۃ الرسول کا رخ کریں تاکہ وہاں حاضر ہو کر قبر مبارک کی زیارت کریں جو کامیاب مساعی اور اہم قربات میں سے ہے۔

وانظر کلامہ ایضا فی شرح صحیح مسلم عند الکلام علی حدیث لاتشد الرحال ج ۹ ص ۱۰۶۔

(۳) امام ابن حجر ہیثمی:

الایضاح للنووی میں ہے ـــــ عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من زار قبری وجبت لہ شفاعتی — رواہ البزار والدارقطنی باسنادھما عن ابن عمر۔

اس پر امام ابن حجر ہیثمی (فی حاشیتہ علی الایضاح للنووی) کی تعلیق ہے۔

رواہ ایضًا ابن خزیمۃ فی صحیحہ وجماعۃ کعبد الحق والتقی السبکی۔ ولاینافی ذلک قول الذہبی طرقہ کلھا لینۃ یقوی بعضھا بعضا۔

ورواہ الدارقطنی ایضًا والطبرانی وابن السبکی وصححہ بلفظ۔

من جاء فی زائرا لاتحملہ حاجۃ الا زیارتی کان حقا علیّ ان اکون لہ شفیعا یوم القیامۃ

وفی روایۃ ... کان لہ حقا علی اللہ عز وجل ان اکون لہ شفیعا یوم القیامۃ۔

لاتحملہ حاجۃ الا زیارتی سے مراد یہ ہے کہ زیارت سے غیر متعلق چیز سے احتراز واجتناب ہو۔ اور جو چیزیں زیارت ہی کے ضمن میں ہیں۔ مثلاً مسجد نبوی میں اعتکاف کا ارادہ، مسجد نبوی میں کثرت عبادت۔ زیارت صحابہ کرام ودیگر مستحبات زیارت۔ ان چیزوں کی نیت حصول شفاعت

کے لئے مضر نہیں۔

ہمارے اصحاب و دیگر حضرات کہتے ہیں ___ تقرب زیارت کی نیت کے ساتھ مسجد نبوی کے سفر اور اس میں عبادت کی نیت کو شامل کر لینا مسنون ہے۔ جیسا کہ مصنف نے ذکر کیا ہے۔

آپ کی حیات مقدسہ ہو یا وصال مبارک، قریب سے ہو یا دور سے آکر، مرد ہو یا عورت یہ حدیث زیارت ہر ایک کو شامل ہے۔ اس لئے اس سے یہ استدلال کرنا صحیح ہے کہ زیارت رسول کے لئے شدِ رحال (سفر) کرنا باعثِ فضیلت ہے اور سفر زیارت مستحب ہے۔ اس لئے کہ مقاصد کا جو حکم ہوتا ہے وہی وسائل کا بھی ہوتا ہے۔

حدیث رسول ہے۔

مامن احد سلّم علیّ الّا ردّ الله علیّ روحی حتی اردّ علیه السلام۔ اخرجہ ابوداؤد بسند صحیح۔

یہ کتنی بڑی فضیلت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سلام کرنے والے کا جواب عطا فرمائیں۔ کیوں کہ آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ اور دوسرے انبیاء بھی زندہ ہیں جیسا کہ حدیث مرفوع ہے

الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون۔

ردّ الله علیّ روحی کا مطلب یہ ہے کہ سلام کا جواب دینے کے لئے اللہ عز وجل قوتِ نطق واپس فرما دیتا ہے۔ الایضاح ص ۴۸۸

(۴) امام ابن حجر عسقلانی:

حدیث مبارک لاتشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

اس حدیث میں الا الی ثلاثة مساجد سے پہلے مستثنیٰ منہ محذوف ہے۔ اور اس کی تقدیر اگر عام ہو تو یہ حدیث اس طرح ہوگی۔ لاتشد الرحال الی مکان فی امرکان الا الی ثلاثة مساجد ۔ یا اس کی تقدیر خاص ہو۔ پہلی تقدیر باطل ہے کیوں کہ تجارت، صلہ رحمی، طلب علم وغیرہ کے سفر کی راہ بھی مسدود ہو جاتے گی۔ اس لئے تقدیر خاص متعین ہے جو مستثنیٰ سے مطابقت رکھنے والی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ لاتشد الرحال الی مسجد للصلوٰة فیه الا الی ثلاثة مساجد۔

اس سے قبر شریف و قبور صالحین کی زیارت کا سفر ممنوع قرار دینے والوں کا مسلک باطل ہو جاتا

ہے۔ واللہ اعلم۔

امام سبکی کہتے ہیں۔

بعض لوگ اس حدیث کو نہ سمجھ سکے اور یہ گمان کر بیٹھے کہ ان تینوں مساجد کے علاوہ سفر زیارت ممنوع ہے۔ حالاں کہ یہ ان کی غلطی ہے۔ کیوں کہ مستثنیٰ کا جنس مستثنیٰ منہ سے ہونا ضروری ہے۔ الخ

فتح الباری۔ ج ۳۔ ص ٦٦۔

(۵) شیخ کرمانی :

اپنی شرح بخاری میں شیخ کرمانی لکھتے ہیں۔

لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد میں استثناء مفرغ ہے۔

اگر کوئی کہے کہ اس کے اندر تقدیر اس طرح ہے۔ لا تشد الرحال الی موضع او مکان الا الی ثلاثة مساجد۔ تو یہ لازم آئے گا کہ مستثنیٰ کے علاوہ کہیں کا سفر جائز نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ سفر زیارت ابراہیم خلیل اللہ وغیرہ بھی ناجائز ہوگا۔ کیوں کہ استثناء مفرغ میں مستثنیٰ منہ کی تقدیر اعم عام ہوتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اعم عام سے مراد یہ ہے کہ وہ مستثنیٰ سے نوعاً و وصفاً مناسبت کی حامل ہو۔ جیسے ما رأیت الا زیدا کی تقدیر یہ ہوگی کہ ما رأیت رجلا واحدا الا زیدا۔ یہ نہیں ہوگی کہ ما رأیت شیئا او حیوانا الا زیدا۔

اسی لئے مذکورہ حدیث کے اندر اس طرح تقدیر ہوگی۔ لا تشد الرحال الی مسجد الا الی ثلاثة مساجد۔ الخ۔ شرح الکرمانی ج ۷ ص ۱۲۔

(٦) امام بدر الدین عینی :

شیخ بدر الدین عینی اپنی شرح بخاری میں لکھتے ہیں۔

رافعی نے قاضی ابن کج (قاضی یوسف بن احمد کج) سے نقل کیا۔ انہوں نے کہا کہ۔

کوئی شخص اگر زیارت قبر نبوی کی نذر مانے تو میرے نزدیک اسے پوری کرنا لازم ہے۔ اور اگر کسی دوسرے کی قبر کے لئے زیارت کی نذر مانے تو اس میں میرے نزدیک دو رُخ ہو سکتے ہیں۔

ابو محمد جوینی شافعی کہتے ہیں کہ مساجد ثلاثہ کے علاوہ سفر کرنا حرام ہے کیوں کہ حدیث کا مقتضائے نہی یہی ہے۔

امام نووی کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے۔ ہمارے اصحاب وعلماء محققین وامام الحرمین کا مسلک مختار یہ ہے کہ غیر مساجد ثلاثہ کا سفر نہ حرام ہے نہ مکروہ ہے۔

امام خطابی کہتے ہیں کہ حدیث لاتشد الرحال الخ لفظاً خبر اور معنیً ایجاب ہے کہ مسلمان مقامات متبرکہ میں نماز کی نذر مانے تو ان مساجد ثلاثہ کے علاوہ سفر کر کے اسے پوری کرنا اس پر لازم نہیں۔

اور دوسرے مقامات میں ادا رصلوٰۃ کی نذر ماننے پر یہ اختیار ہے کہ وہاں کا سفر کر کے نماز پڑھے یا اپنی جگہ رہ کر بغیر سفر کئے ہوئے نماز پڑھے۔

شیخ زین الدین اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس سے صرف حکم مساجد مراد ہے کہ ان مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی دوسری مسجد کے لئے سفر نہ کیا جائے۔

اور غیر مساجد کی نیت سے سفر کرنا۔ مثلاً تحصیل علم، تجارت، تفریح، زیارتِ صالحین ومشاہد مقدسہ، اعزاء واحباب سے ملاقات وغیرہ کا سفر اس حکم نہی میں شامل نہیں۔ جس کی صراحت خود حدیث نبوی میں موجود ہے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لا ینبغی للمصلی ان یشد رحاله الی مسجد یبتغی فیه الصلوٰة غیر المسجد الحرام و المسجد الاقصیٰ ومسجدی هذا۔

فی مسند احمد حدثنا هاشم حدثنا عبد الحمید حدثنی شهر سمعت اباسعید الخدری - وذکر عنده صلوٰة فی الطور واسناده حسن وشهر بن حوشب وثقه جماعة من الائمة اهـ ۔ عمدة القاری ج ۷ ص ۲۵٤ ۔

(۷) شیخ محمد بن قدامه حنبلی:

شیخ ابو محمد موفق الدین عبداللہ بن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت مستحب ہے۔ لما رواہ الدار قطنی باسنادہ عن ابن عمر۔

من حج فزار قبری بعد وفاتی فکانما زارنی فی حیاتی ـــــ وفی روایة ـــــ من زار قبری وجبت له شفاعتی۔

رواه باللفظ الاول سعید حدثنا حفص بن سلیمان عن لیث عن مجاهد عن ابن عمر ۔

وقال احمد فی روایة عبدالله عن یزید بن قسیط عن ابی هریرة ان النبی صلی الله علیه وسلم قال.

مامن احد یسلم علیّ عند قبری الا ردّ الله علیّ روحی حتیٰ ارد علیه السلام۔

اور امام عتبی بیان کرتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور عرض گزار ہوا۔

السلام علیك یارسول الله ؛ میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوْا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوْا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا۔

میں آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ اپنے رب کی بارگاہ میں آپ کے توسّل سے شفاعت کی درخواست کروں اور اپنے گناہوں کی مغفرت چاہوں۔

پھر وہ اعرابی یہ اشعار پڑھنے لگا۔

یاخیر من دفنت بالقاع اعظمه　　فطاب من طیبهن القاع و الاکم

نفسی الفداء بقبر انت ساکنه　　فیه العفاف وفیه الجود والکرم

اے وہ ذات گرامی! جو زیر زمین مدفون اجسام میں سب سے بہتر ہے۔ جس کی خوشبو سے زمین اور ٹیلے مہک اٹھے۔

اس قبر مبارک پر میری جان قربان ہے جس میں آپ تشریف فرما ہیں۔ اسی کے اندر عفت و طہارت اور جود و کرم ہے۔

وہ اعرابی یہ اشعار پڑھ کر چلا گیا اور مجھے نیند آگئی۔ پھر میں خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اور آپ کا یہ ارشاد میں نے سنا۔

یاعتبی الحق الاعرابی فبشره ان الله قد غفرله۔

اے عتبی! اعرابی سے مل کر اسے بشارت دے دو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرمادی۔

المغنی لابن قدامه ج ۳ ص ۵۵۶۔

(۸) شیخ ابوالفرج شمس الدین عبدالرحمٰن بن قدامہ حنبلی:

شیخ ابوالفرج بن قدامہ حنبلی اپنی کتاب الشرح الکبیر میں لکھتے ہیں۔

مسئلہ: تکمیل فریضۂ حج کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر فاروق کی قبروں کی زیارت مستحب ہے۔

پھر شیخ ابن قدامہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کرنے کے آداب وکلمات ذکر کرکے یہ فرمایا ہے کہ بارگاہِ نبوی میں اس حاضری کے وقت زائر کو یہ دعا کرنی چاہیے۔

اللهم انك قلت وقولك الحق۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا۔

وقد اتيتك مستغفرا من ذنوبي مستشفعا بك الى ربي فاسألك يارب أن توجب لي المغفرة كما اوجبتها لمن اتاه في حياته۔

اللهم اجعله اول الشافعين وانجح السائلين واكرم الاولين والآخرين برحمتك يا ارحم الراحمين۔

اس کے بعد شیخ ابن قدامہ نے لکھا۔ قبر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دیوار کو ہاتھ سے چھونا اور بوسہ دینا مستحب نہیں ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ نے فرمایا۔ یہ معمول اور بہتر نہیں۔

شیخ اثرم نے کہا۔ میں نے علماء مدینہ منورہ کو دیکھا کہ وہ قبر نبوی کو ہاتھ سے نہیں چھوتے بلکہ ایک طرف کھڑے ہو کر سلام پیش کرتے ہیں۔

ابو عبداللہ نے کہا۔ عبداللہ بن عمر ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ اور منبر نبوی کے بارے میں ابراہیم بن عبداللہ بن عبدالقاری سے روایت ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن عمر کو دیکھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست گاہ منبر پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنے چہرے پر مل لیا کرتے تھے۔ اھ

الشرح الكبير ج ۳ ص ۴۹۵۔

(۹) شیخ منصور بن یونس البہوتی الحنبلی:

شیخ منصور بن یونس البہوتی الحنبلی اپنی کتاب کشاف القناع عن متن الاقناع میں لکھتے ہیں۔

فصل: جب حج سے فارغ ہو جائے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق کی قبروں کی زیارت مستحب ہے۔ لحدیث الدارقطنی عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ من حج فزار قبری بعد وفاتی فکأنما زارنی فی حیاتی —— وفی روایۃ — من زار قبری وجبت لہ شفاعتی —— رواہ باللفظ الاول سعید۔

تنبیہ: ابن نصر اللہ کہتے ہیں۔

استحباب زیارت قبر نبوی سے استحباب سفر زیارت لازم آتا ہے۔ کیوں کہ حج کے بعد حاجی سفر زیارت کر کے ہی زیارت قبر نبوی سے مشرف ہوگا۔ یہ حدیث گویا استحباب سفر زیارت نبوی کے لئے نص صریح ہے۔ اھ کشاف القناع ج ۲ ص ۵۹۸۔

(۱۰) شیخ محمد تقی الدین الفتوحی الحنبلی:

شیخ فتوحی حنبلی کہتے ہیں:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق کی قبروں کی زیارت مسنون ہے۔ پہلے ان کی طرف رخ کر کے سلام عرض کرے پھر قبلہ کی طرف متوجہ ہو اور اس طرح دعا کرے کہ حجرہ مبارکہ اس کے دائیں ہو۔ البتہ اس کا طواف کرنا حرام اور اسے ہاتھ سے چھونا اور وہاں آواز بلند کرنا مکروہ ہے۔

(۱۱) شیخ مرعی بن یوسف الحنبلی:

شیخ مرعی بن یوسف حنبلی اپنی کتاب دلیل الطالب میں لکھتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق کی قبروں کی زیارت مستحب ہے۔ مسجد نبوی میں نماز ادا کرنا مستحب ہے جس کا ثواب ایک ہزار نماز کے برابر ہے مسجد حرام میں ایک لاکھ نماز کے برابر ہے اور مسجد اقصیٰ میں پانچ سو نماز کے برابر ہے۔ اھ دلیل الطالب ص ۸۸۔

(۱۲) شیخ مجد الدین محمد بن یعقوب الفیروز آبادی

شیخ مجد الدین فیروز آبادی صاحب القاموس اپنی کتاب الصلات والبشر میں لکھتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضری دے کر درود و سلام پیش کرنے کی بڑی تاکید ہے۔ اس لئے اس شرف عظیم کے حصول کی راہ میں سفر کرنا مستحب ہے۔

زیارت قبر نبوی کو مستحب و سنت سمجھنے والے اور اس کی صراحت کرنے والے چند اسماء گرامی یہ بھی ہیں۔

الرافعی فی اواخر باب اعمال الحج ـــ الغزالی فی الاحیاء ـــ البغوی فی التهذیب ـــ الشیخ عزالدین بن عبد السلام فی مناسکه ـــ و ابوبکر بن الصلاح ـــ و ابو زکریا النووی۔

ومن الحنابلة: الشیخ موفق الدین ـــ و الامام ابوالفرج البغدادی وغیرهما۔

ومن الحنفیة: صاحب الاختیار فی شرح المختار۔

اور قاضی عیاض مالکی زیارت قبر نبوی کے جواز و استحباب پر مالکی علماء کے اجماع کے قائل ہیں۔

عبد الحق الصقلی اپنی کتاب تهذیب المطالب میں شیخ ابی عمران مالکی سے نقل کرتے ہیں کہ زیارت قبر نبوی واجب ہے اور کہتے ہیں کہ اس سے مراد سنت واجبہ ہے۔

العبدی المالکی شرح الرسالة میں لکھتے ہیں کہ زیارت قبر رسول کے لئے مدینہ منورہ کا سفر کرنا سفر زیارت کعبہ و بیت المقدس سے افضل ہے۔

اصحاب مذاہب فقہاء کی اکثر عبارتوں کا مقتضیٰ یہی ہے کہ سفر زیارت جائز ہے کیوں کہ وہ حاجی کے لئے تکمیل حج کے بعد زیارت نبوی کو مستحب سمجھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ زیارت کے لئے سفر کرنا پڑے گا۔

نفس زیارت کے لئے تو بہت سارے دلائل ہیں جن میں سے ایک اہم دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآؤُكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ الآية۔

بلاشبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔ اور اعمال امت آپ کے سامنے پیش

کئے جاتے ہیں۔ الصلات والبشر للصلوٰۃ علی خیر البشر لمجد الدین محمد بن یعقوب الفیروز آبادی ص ۱۴۷۔

(۱۳) شیخ محمد بن علان الصدیقی الشافعی:

امام نووی کے قول فان زیارتہ افضل القربات وانجح المساعی کی تعلیق میں شیخ محمد بن علان صدیقی شافعی لکھتے ہیں۔

زیارت افضل قربات کیوں نہ ہو۔ زائر کو وجوب شفاعت نبوی کا وعدہ ہے اور یہ شفاعت اہل ایمان ہی کے لئے ہے۔ اور اس میں ایمان پر خاتمہ کی بشارت ہے۔ ساتھ ہی یہ حقیقت بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام زائر کو بلا واسطہ سماعت فرماتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث نبوی ہے۔

من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلّی علیّ بعیدا اعلمتہ ۔ اخرجہ ابو الشیخ۔ قال الحافظ وبنظر فی سندہ۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

مامن احد یسلّم علیّ الّا ردّ اللّٰہُ علیّ روحی حتیٰ اردّ علیہ السلام۔ اخرجہ ابوداؤد وغیرہ۔ قال الحافظ حدیث حسن اخرجہ احمد والبیہقی وغیرھما۔

شیخ تقی الدین سبکی شفاء السقام میں لکھتے ہیں۔

ائمہ کرام کی بڑی جماعت نے اس حدیث پر اعتماد کرتے ہوئے کہا ہے کہ زیارت قبر نبوی مستحب ہے۔ ان کا یہ اعتماد صحیح ہے کیونکہ زائر جب سلام کرتا ہے تو قریب سے وہ جواب سلام سے سرفراز ہوتا ہے جو فضیلت مطلوب و مستحسن ہے۔

بنفس نفیس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب حاصل ہونا ہی ایک ایسی نعمت ہے کہ کوئی دوسرا فائدہ نہ ہو جب بھی یہی کافی ہے کہ اس کے اندر شفاعت عظمیٰ بھی ہے۔

شفاء السقام میں شیخ تقی سبکی نے اس مسئلہ زیارت پر کئی ایک حدیثیں نقل کی ہیں۔ اسی طرح ابن حجر ہیثمی نے الدر المنظم میں اور ان کے تلمیذ الفاکہی نے حسن الاستشارۃ فی آداب الزیارۃ میں چند احادیث نقل کی ہیں۔

الفتوحات الربانیۃ علی الاذکار النوویۃ ج ۵ ص ۳۱۔

صحیح آداب زیارت رسول

زیارت کا مقصود یہ ہے کہ شرعی حدود میں رہ کر زیارت کی جائے۔ خود سنت نبوی نے آدابِ زیارت واضح کر دیے ہیں اور زائر کا کیا معمول ہونا چاہیے، اس کی بھی صراحت کردی ہے۔

زیارت اور شیخ ابن تیمیہ

زیارت اہل توحید اور زیارت اہل شرک کے درمیان فرق بتلاتے ہوئے شیخ ابن تیمیہ نے لکھا ہے۔

اہل توحید کی زیارت قبور مسلمین ان معمولات پر مشتمل ہوتی ہے۔

مرحومین کو سلام کرنا اور ان کے لئے دعا کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے ان کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔

اہل شرک کی زیارت ان امور پر مشتمل ہوتی ہے۔

مخلوق کو خالق جیسا بنا دیتے ہیں۔ ان کے لئے نذر، وسجدہ، پکار و فریاد اور ان سے ویسی ہی محبت رکھتے ہیں جیسے خالق سے ہوتی ہے۔ انہیں وہ اللہ کا مقابل ٹھہراتے ہیں اور رب العالمین کے برابر سمجھتے ہیں۔

جب کہ اللہ تبارک نے انبیاء، وملائکہ وغیرہم کو شریک ٹھہرانے سے منع فرمایا ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۔ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ۔ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۔ (آل عمران - ۷۹-۸۰)

کسی آدمی کا یہ حق نہیں کہ اللہ اسے کتاب اور حکم و پیغمبری دے پھر وہ لوگوں کو حکم دے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ۔ ہاں یہ کہے گا کہ تم اللہ والے ہو جاؤ۔ اس سبب سے کہ تم کتاب کی تعلیم اور

درس دیتے ہو۔ اور نہ تمہیں یہ حکم دے گا کہ پیغمبروں اور فرشتوں کو اپنا الٰہ ٹھہرالو۔ کیا تمہیں کفر کرنے کا حکم دے گا اس کے بعد کہ تم مسلمان ہو چکے ہو۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ۔ (الاسراء۔ ۵۶-۵۷)

تم فرماؤ۔ تو پکارو انہیں جنہیں تم اللہ کے سوا گمان کرتے ہو۔ جو تکلیف دور کرتے اور اسے پھیرنے کا کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ وہ بندے جنہیں یہ کافر پوجتے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈھتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے۔ اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بیشک عذاب الٰہی ڈرنے کی چیز ہے۔

ایک گروہ سلف کا کہنا ہے ۔

کچھ لوگ انبیاء کرام مثلاً حضرت عیسیٰ مسیح اور حضرت عزیر کو پکارتے تھے۔ اور فرشتوں کو بھی پکارتے تھے۔ اللہ نے انہیں خبردار کیا کہ یہ تو اللہ کے بندے ہیں۔ اس کی رحمت کے طلب گار اس کے عذاب سے خائف اور اعمال صالحہ کے ذریعہ اس کا تقرب چاہنے والے ہیں۔ اھ۔

(الجواب الباھر فی زوار المقابر للشیخ ابن تیمیہ ص ۲۱)

میں کہتا ہوں کہ ہماری زیارتِ نبوی کیا شرعی منہج اور صراطِ مستقیم سے الگ ہٹ کر ہوتی ہے؟ اللہ رب العزت، اس کے ملائکہ و حاملین عرش اور اہل زمین و آسمان اس بات کے گواہ ہیں کہ ہم جب سیدنا و مولانا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتے ہیں تو ہمارا یہی اعتقاد ہوتا ہے کہ آپ ایسے بشر ہیں جن پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی۔ اللہ کے سب سے منتخب و محبوب بندے ہیں۔ اور سارے انسانوں میں سب سے زیادہ اپنے رب کی رحمت کے خواستگار، اس کے عذاب سے خائف، اور اعمال حسنہ سے اس کے قرب کے طلب گار ہیں۔ اس سے سب سے زیادہ ڈرنے والے اور اس کا سب سے زیادہ علم و معرفت رکھنے والے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نہ تو خالق کے مشابہ سمجھتے ہیں۔ نہ ان کے لئے نذر نہ سجدہ نہ اللہ کے بالمقابل ان سے فریاد نہ ہی رب العالمین سے مساوات کے قائل ہیں۔

ہاں بحکم شرع کے مطابق ہم انہیں جان و مال و اولاد سے زیادہ عزیز و محبوب رکھتے ہیں۔

زیارت اور شیخ ابن قیم

شیخ ابن قیم کے مشہور قصیدہ نونیہ کے چند اشعار یہ ہیں۔

فاذا اتینا المسجد النبوی صلینا بالتحیة اولاً ثنتان
بتمام ارکان لها وخشوعها وحضور قلب فعل ذی الاحسان
ثم انثینا للزیارة نقصد الـقبر الشریف ولو علی الاجفان
فنقوم دون القبر وقفة خاضع متذلل فی السر والاعلان
فکأنه فی القبر حی ناطق فالواقفون نواکس الاذقان
ملکتهم تلك المهابة فاعترت تلك القوائم کثرة الرجفان
وتفجرت تلك العیون بمائها ولطالما غاضت علی الازمان
واتی المسلم بالسلام بهیبة ووقار ذی علم و ذی ایمان
لم یرفع الاصوات حول ضریحه کلا ولم یسجد علی الاذقان
کلا ولم یرطائفا بالقبر اسبوعا کأن القبر بیت ثان
ثم انثنی بدعائه متوجها لله نحو البیت ذی الارکان
هذی زیارة من غدا متماسکا بشریعة الاسلام والایمان
من افضل الاعمال هاتیك الزیارة وهی یوم الحشر فی المیزان

(القصیدة النونیة لابن القیم)

اس قصیدہ نونیہ میں شیخ ابن قیم نے بتلایا ہے کہ زیارتِ نبوی کس طرح ہونی چاہئے اس کے آداب کیا ہیں۔ مواجھہ شریفہ کے سامنے جب زائر کھڑا ہو تو اس کے احساسات ادب و تعظیم کیسے ہوں، اور آخر میں اس زیارت نبوی کو انہوں نے افضل الاعمال قرار دیا ہے۔

شیخ ابن قیم نے کہا ہے۔ من افضل الاعمال هاتیك الزیارة۔ لیکن بعض حضرات کی بینائی چشم و قلب اللہ تبارک و تعالیٰ نے سلب کرلی ہے کہ وہ اسے پڑھ کر بھی کچھ نہیں پاتے اور اس زیارت کو ناپسند کرتے ہیں۔

قبر نبوی شریف

بعض لوگ ـــــ اللہ ان کی اصلاح فرمائے اور انہیں صراط مستقیم کی ہدایت دے ـــــ قبر نبوی شریف کو محض ایک گوشۂ قبر سمجھتے ہیں۔ اس لیے ان کے ذہن میں جو فاسد تصورات ہوتے ہیں۔ ان کے دل میں مسلمانوں سے جو بدگمانیاں ہوتی ہیں۔ زائرین ومہمانان رسول اور آپ کی قبر اطہر کے قریب آکر دعا مانگنے والوں کے ساتھ انہیں جو سوءظن ہوتا ہے وہ کوئی تعجب خیز بات نہیں۔

یہی لوگ کہتے ہیں کہ زیارت قبر نبوی کے لئے سفر نہ کیا جائے۔ اور آپ کی قبر کے نزدیک دعا جائز نہیں۔ بلکہ وہ اس شدت وقساوت پر بھی اتر آئے ہیں کہ آپ کی قبر کے نزدیک دعا کرنا شرک یا کفر ہے۔ استقبالِ قبر بدعت یا گمراہی ہے۔ اور قبر کے سامنے بہت زیادہ کھڑا ہونا اور زیادہ آمدورفت رکھنا شرک یا بدعت ہے۔ یا جس نے یہ کہا کہ قبر مبارک افضل البقاع (بشمول کعبہ) ہے اس نے شرک یا گمراہی اختیار کی۔

عقل وبصیرت سے بے نیاز ہو کر اس طرح کی بے بنیاد تکفیر وتضلیلِ مسلمین اسلاف کرام کی راہ حق کے خلاف ہے۔

جب بھی ہم قبر یا زیارتِ قبر یا تفضیل قبر، یا سفر قبر، یا قبر کے پاس اللہ تعالیٰ سے دعا وسوال کی بات کرتے ہیں تو بلاشبہ وبلا اختلاف کسے ہمارے مقصود صاحب قبر وساکن قبر ہی ہوا کرتے ہیں۔

اور وہ ہیں سیدالاولین والآخرین، افضل مخلوقات اجمعین، اکرم الانبیاء والمرسلین، نبی اکرم رسول اعظم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ورنہ آپ کے بغیر قبر، بلکہ مسجد، بلکہ مدینہ منورہ، بلکہ سارے مسلمانوں کی قیمت ہی کیا ہے؟

اگر آپ کا وجود مبارک نہ ہوتا، آپ کی رسالت نہ ہوتی، آپ پر ایمان اور آپ کی محبت نہ ہوتی اور شہادت کا اقرار نہ ہوتا، تو پھر مسلمانوں کا وجود وقیام، فلاح ونجات اور کامیابی وکامرانی ہی کہاں ہوتی؟

اسی لئے تو تفضیل حجرۂ مبارکہ و کعبہ معظمہ سے متعلق ایک سوال کے جواب میں شیخ ابن عقیل حنبلی فرماتے ہیں اگر محض حجرہ مراد ہے جب تو کعبہ افضل ہے۔ اور اگر اس کے اندر تشریف فرما حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے تو نہیں۔

واللہ! نہ عرش افضل ہے نہ حاملین عرش، نہ جنت نہ آسمان، کیوں کہ حجرہ کے اندر وہ جسد اطہر ہے جسے وزن کیا جائے تو کونین پر بھاری پڑ جائے۔ کذا فی بدائع الفوائد لابن القیم۔

قبر و تفضیل و زیارت و سفر قبر کا بس یہی مقصود ہے۔ اسی لئے تو علمار کرام فرماتے ہیں کہ زیارتِ قبر نہیں کہنا چاہئے، بلکہ زیارتِ نبوی کہنا چاہئے۔ (شفا قاضی عیاض مالکی)

امام مالک فرماتے ہیں۔ یہ کہنا مکروہ ہے کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی ——— اس کا مطلب علمار کرام یہ بتاتے ہیں کہ ادب و احترام نبوی کا تقاضہ یہ ہے کہ زیارتِ نبوی کہا جائے۔ کیوں کہ وہ اس ذاتِ گرامی کی زیارت کر رہا ہے جو اسے دیکھ سن رہے ہیں۔ احساس و شعور اور اس کے بارے میں علم رکھتے ہیں۔ اسے خوب جانتے پہچانتے اور اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

لہٰذا مسئلہ صرف قبر کا نہیں کہ اسے گوشۂ قبر سمجھنے پر اکتفا کر لیا جائے۔ بلکہ اس سے آگے کی اور اس سے بڑی بات ہے۔

اور صاحب قبر کی بجائے صرف قبر کو دیکھا جائے جب بھی اس کے ارد گرد ہر چہار جانب ارواحِ طیبہ کا جھرمٹ ہے۔ ملاءِ اعلیٰ سے لے کر قبر نبوی تک قطار اندر قطار فرشتے ہی فرشتے ہیں۔ اور اتنے ہیں کہ ان کا شمار وحساب اللہ رب العزت ہی جانے۔

حضرت کعب ایک بار حضرت عائشہ صدیقہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک شروع ہو گیا۔ حضرت کعب نے کہا۔

ہر روز ستر ہزار ملائکہ نازل ہو کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو جھرمٹ میں لے لیتے ہیں۔ اپنے پر پھڑپھڑاتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ اور جب شام ہوتی ہے تو واپس چلے جاتے ہیں۔ پھر ویسے ہی دوسرے فرشتے نازل ہو کر وہی عمل کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب آپ قبر مبارک سے نکلیں گے تو ستر ہزار فرشتے بازو پھیلائے ہوئے آپ کے ساتھ

ہوں گے۔ اھ۔ ص ٤٤ ج ا مسند الدارمی — روی الدارمی فی مسنده حدثنا عبداللہ بن صالح حدثنی اللیث خالد ھوابن یزید عن سعید ھوابن ابی ھلال عن بنیه بن رھب۔

قبر نبوی کے قریب جنت کا جو ٹکڑا ہے۔ اور منبر جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف عظیم حاصل ہے اور قیامت کے دن آپ کے حوض پر ہوگا۔ اسی طرح وہ ستون جو آپ کے فراق میں رونے لگا تھا اور قیامت کے دن جو جنت کے درختوں کے بیچ ہوگا۔ اور ایک روایت کے مطابق مسجد نبوی میں اپنی اصل جگہ پر مدفون ہے۔ ان سب کو دیکھ کر کون صاحب عقل طالب خیر ہے جو ان مقامات پر دعا کرنے سے اپنے آپ کو روک سکے گا؟

قبر نبوی اور دعاء

علماء اسلام فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے والے کے لئے مستحب یہ ہے کہ آپ کی خدمت میں حاضری کے وقت دعاء کرے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے جس فضل وکرم وخیر وبرکت کا طالب ہو اس کا سوال اس کی بارگاہ میں کرے۔ اور اس دعاء کے وقت زائر کا قبلہ رو ہونا ضروری نہیں۔ نہ ہی آپ کے سامنے ہو کر دعا کرنے والا یہ زائر مبتدع یا ضال یا مشرک ہوگا۔ اس سلسلے میں علماء کے واضح اقوال وارشادات موجود ہیں۔ اور بعض علماء اس وقت کی دعاء کو مستحب بھی کہتے ہیں۔

امام مالک بن انس کا جب ابو جعفر منصور عباسی کے ساتھ مسجد نبوی میں مباحثہ ہوا تو امام مالک نے فرمایا۔

امیر المومنین! اس مسجد نبوی میں بلند آواز سے بات نہ کریں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے لوگوں کو ادب واحترام نبوی کا یہ حکم دیا ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔ (حجرات۔ ۲)

اے ایمان والو! اپنی آواز نبی کی آواز سے اونچی نہ کرو۔ اور نہ ان کے حضور اس طرح چلا کر باتیں کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

کچھ حضرات کی مدح و ستائش میں اس نے فرمایا ہے ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُوْلٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۔ (حجرات - ۳)

بے شک جو لوگ رسول اللہ کے پاس اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں ۔ انہیں کے دلوں کو اللہ نے پرہیزگاری کے لئے چن لیا ہے ۔ اور ان کے لئے مغفرت و اجر عظیم ہے ۔

اور کچھ لوگوں کی مذمت میں اس نے فرمایا ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۔ (حجرات - ٤)

بے شک جو لوگ حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت و تکریم تو بعد وصال بھی اس دنیاوی زندگی کی طرح ہے ۔

امام مالک کی یہ تنبیہ و ہدایت سن کر ابو جعفر منصور عباسی نے فروتنی اختیار کی ۔ اور پھر آپ سے اس نے یہ سوال کیا ۔

قبلہ رو ہو کر دعا کروں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رُخ کر کے دعا کروں ؟

آپ نے فرمایا ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنا چہرہ کیوں پھیرو گے ؟ وہی تو بروز قیامت بارگاہ الٰہی میں تمہارے اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کے وسیلہ ہیں ۔

اپنا چہرہ رسول ہی کی طرف رکھ کر دعا کرو ۔ اور شفاعت کی درخواست پیش کرو ۔ کیوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کی شفاعت قبول فرمائے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ۔ (نساء - ٦٤)

اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں پھر تمہارے حضور حاضر ہوں اور اللہ سے مغفرت چاہیں اور رسول ان کی شفاعت کرے تو ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں ۔

قاضی عیاض مالکی نے مندرجہ بالا واقعہ سند کے ساتھ الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ کے باب زیارت میں درج کیا ہے ۔ اور بہت سے علماء نے اس کی صراحت کی ہے کہ خدمت اقدس میں حاضری کے وقت آپ کی طرف رُخ کر کے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کرنا بہتر اور افضل ہے ۔

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔

ابن وہب نے کہا کہ امام مالک سے روایت ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کر کے آپ کی قبر مبارک کی طرف چہرہ کیا جائے قبلہ کی طرف نہیں۔ قریب ہو کر سلام پیش کیا جائے اور دعا کی جائے۔ قبر کو ہاتھ سے نہ چھوا جائے۔

اھ۔ اقتضاء الصراط المستقیم ص ۳۹۶۔ للشیخ ابن تیمیہ۔

امام نووی نے الاذکار کے باب الزیارۃ میں اس کی صراحت کی ہے۔ اسی طرح الایضاح باب الزیارۃ میں اس کی صراحت ہے۔ اور ایسا ہی المجموع میں ہے۔ ص ۲۸۲ ج ۸۔

علامہ شہاب الدین خفاجی شارح شفا شریف کہتے ہیں۔

شیخ تقی الدین سبکی نے کہا۔ ہمارے اصحاب نے اس کی تصریح کر دی ہے کہ زائر قبر نبوی پر حاضر ہو تو اس کی طرف رُخ اور قبلہ کی طرف پشت کرے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کرے۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق و حضرت عمر فاروق کو سلام عرض کرے۔ اور پھر اپنی پہلی جگہ پر کھڑا ہو اور دعا کرے۔ اھ۔ شرح الشفاء للخفاجی ج ۳ ص ۳۹۸۔

شیخ ابن تیمیہ کی رائے

اس موضوع پر علماء کے اقوال نقل کرنے کے بعد شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔

فاتفقوا فی استقبال القبلۃ وتنازعوا فی تولیۃ القبر ظهره وقت الدعاء۔

دعاء کے وقت قبلہ کی طرف رُخ کرنے پر علماء کا اتفاق ہے اور قبر نبوی کی طرف پشت کرنے میں ان کے درمیان اختلاف رائے ہے۔

یہ ابن تیمیہ کی رائے کا خلاصہ ہے جس سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ قبر نبوی کے سامنے کھڑے ہو کر جائز طریقہ پر اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرنا اور اس کے فضل وکرم کا سوال کرنے کی صحیح اور مضبوط بنیاد ہے۔ جسے ائمہ سلف رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مستند اقوال کی تائید حاصل ہے۔

شیخ ابن تیمیہ کے اس قول پر اگر انصاف پسند صاحب عقل غور کرے۔ وتنازعوا فی تولیۃ القبر ظهره وقت الدعاء۔ تو اسے سمجھ میں آ جائے گا اور اس کا دل مطمئن ہو جائے گا۔ آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ اور یہ بشارت بھی مل جائے گی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام

پیش کرکے آپ کی قبر مبارک کے سامنے کھڑے ہوکر دعا کرنے والے حضرات اہل توحید واہل ایمان ہی ہیں۔

اگر اس مسئلہ پر اسلاف کے درمیان کچھ اختلاف اور اس کے مستحب ہونے کے سلسلے میں الگ الگ رائیں ہیں تب بھی کیا اسے شرک یا گمراہی کہا جا سکتا ہے؟ سبحٰنک ھذا بہتان عظیم۔

تحلیل وتجزیہ

اس سلسلے میں شیخ ابن تیمیہ کی بحث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حقیقۃً ممنوع شکل یہ ہے کہ قبروں کے نزدیک دعا کرنا بہتر سمجھا جائے یا دعا کرتے کے ارادہ سے قبروں کے پاس جایا جائے یا وہاں دعا کی قبولیت کی امید رکھی جائے یا یہ سمجھا جائے کہ دوسری جگہوں کے مقابلہ میں قبروں کے پاس دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے۔

اور اگر راستہ چلتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جا رہی ہو کہ اسی درمیان کسی قبر سے گزر ہو اور وہاں دعا کرلی جائے یا کسی قبر کی زیارت کرنے کوئی شخص گیا اور صاحب قبر کو سلام کرکے وہاں دعا کرنے لگے تو اس کے لئے ضروری نہیں کہ قبلہ کی طرف رُخ کرے۔ اور اسے نہ مبتدع کہا جا سکتا ہے نہ مشرک کہا جا سکتا ہے۔

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔

قبر کے پاس جاکر دعا کرنے میں دو باتیں مدنظر رکھی جاتی ہیں۔ صاحب قبر کے لئے دعا کی جاتی ہے یا وہاں دعا کی مقبولیت کا تصور ہوتا ہے۔ قبور و دیگر مقامات کے پاس دعا کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) ایسی جگہ اتفاقاً دعا کی جائے اور وہ جگہ مقصود نہ ہو۔ مثلاً کوئی شخص اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرتا ہوا قبر کے پاس سے گزرے۔ یا زائر قبر صاحب قبر کو سلام کرنے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنے لئے دعائے خیر وعافیت اور صاحب قبر کے لئے دعائے نجات کرے۔ اور یہ دعا سنت نبوی کے مطابق ہو تو یہ اور اس جیسا کوئی کام کرنے میں کسی طرح کا حرج نہیں۔

(۲) قبر کے پاس دعا کو بہتر سمجھے کہ دوسری جگہ کے مقابلہ میں یہاں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ یہ طریقہ ممنوع ہے۔ تحریمی ہو یا تنزیہی۔ بلکہ حرمت سے زیادہ قریب ہے۔ اور ان دونوں قسموں

کے درمیان جو فرق ہے وہ بالکل واضح اور ظاہر ہے۔

کسی صنم یا صلیب یا کلیسا کے پاس دعاء کو اگر کوئی شخص افضل سمجھے کہ اس جگہ دعاء کرنے میں قبولیت کی امید ہے تو یہ گناہ کبیرہ ہے۔ بلکہ اگر کسی گھر یا کسی دوکان یا کسی ستون کے ساتھ بھی یہی تصور اور عمل ہو تو یہ حرام ہے کیوں کہ وہاں دعاء کرنے میں کوئی فضیلت نہیں۔

قبروں کے پاس دعاء کے لئے جانا اسی قبیل سے ہے۔ بلکہ بعض صورتوں میں اس سے سخت ہے۔ کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو مسجد یا موضع عید اور ان کے پاس نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ بخلاف کثیر من ھذہ المواضع۔

ص ۳۲۶- اقتضاء الصراط المستقیم للشیخ ابن تیمیۃ۔

آگے چل کر شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔

دعاء کے لئے قبر کے پاس جانا اور یہ امید کرنا کہ وہاں کی دعاء دوسری جگہوں سے زیادہ باعثِ قبول ہے۔ اس کا اللہ و رسول نے حکم نہیں دیا ہے۔ نہ صحابہ و تابعین وائمہ مسلمین نے ایسا کیا ہے۔ اور نہ ہی پہلے کے علماء صالحین نے اسے بیان کیا ہے۔ ص ۳۳۸- اقتضاء الصراط المستقیم للشیخ ابن تیمیۃ۔

اس کے بعد لکھتے ہیں۔

کتب آثار میں غور و فکر اور احوالِ سلف سے واقفیت رکھنے والے خوب اچھی طرح جانتے اور اس پر یقین رکھتے ہیں کہ اسلاف کرام نہ قبروں کے پاس استغاثہ کیا کرتے تھے نہ وہاں دعاء میں کوئی فضیلت سمجھتے تھے۔ بلکہ ایسا کرنے والے جاہلوں کو وہ منع کیا کرتے تھے جس کا ہم ذکر بھی کر چکے ہیں۔

ص ۳۳۹- اقتضاء الصراط المستقیم للشیخ ابن تیمیۃ۔

قبر نبوی کے نزدیک دعاء اور شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی

شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی سے پوچھا گیا کہ استسقاء کے سلسلے میں جو یہ کہا گیا ہے کہ لا بأس بالتوسل بالصالحین۔ اور قول امام محمد۔ یتوسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم خاصۃ کا کیا مطلب ہے۔ جب کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ۔ انہ لا یستغاث بمخلوق۔

انہوں نے جواب دیا ــــ فرق بہت واضح ہے جس کا ہماری بحث سے تعلق نہیں۔

کچھ علماء کے نزدیک توسل بالصالحین کی اجازت ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنایا جاسکتا ہے۔ اور اکثر علماء اس سے منع کرتے ہیں اور اسے مکروہ سمجھتے ہیں۔

ہم توسل کرنے والے کا رد وانکار نہیں کرتے اور نہ ہی اجتہادی مسائل میں رد وانکار کرنا چاہیے البتہ ہم اسے برا سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص اللہ تبارک وتعالیٰ سے زیادہ کسی مخلوق کو پکارے اور قبر کے لئے سفر کرے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی وغیرہ کے مزار کے پاس گڑگڑائے اور وہاں پر مشکل کشائی وفریادرسی وحاجت روائی کی درخواست کرے۔

اس کا تعلق اس شخص کے عمل سے کیا ہے جو سچے دین کے ساتھ اللہ سے دعا کرے اور اس کے ساتھ کسی کو نہ پکارے۔ اپنی دعا میں یہ کہے کہ اے اللہ! میں تیرے انبیاء یا مرسلین یا نیک وصالح بندوں کے توسل سے تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ یا اس شخص کے عمل سے اس کا کیا تعلق ہے جو کسی معروف بزرگ کی قبر یا کسی دوسری جگہ جاکر وہاں پر سچے دین کے ساتھ صرف اللہ سے دعا کرے۔ یہاں ہماری اس بحث سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں۔ انتهى من فتاوى الشيخ محمد بن عبد الوهاب فى مجموعة المؤلفات القسم الثالث ص ٦٨ - التى نشرتها جامعة الامام محمد بن سعود الاسلامية فى اسبوع الشيخ محمد بن عبد الوهاب.

قبر کا بوسہ لینے اور اسے ہاتھ سے چھونے کی ممانعت

زائر کو قبر مبارک کا بوسہ لینا چاہئے نہ اسے ہاتھ سے چھونا چاہئے نہ ہی اس کی دیوار یا جالی یا کپڑے کا پردہ اپنے شکم یا پشت سے ملنا چاہئے۔ کیوں کہ ایسا کوئی عمل آداب بارگاہ نبوی کے خلاف ہے۔

برکت حاصل کرنے کی نیت سے ایسا کیا جاتا ہے مگر اس نیت سے اس عمل کی کراہت ختم نہیں ہوجاتی۔ یہ تقاضائے ادب سے محض ناواقفیت ہے اور عوام کے عمل سے لوگ دھوکہ کھاجاتے ہیں۔ درست اور بہتر طریقہ ادب و حصول برکت وہی ہے جس کی علماء کرام ہدایت دے چکے ہیں۔ اور اس کے خلاف عمل کرنے کو منع کرچکے ہیں۔ چنانچہ امام نووی لکھتے ہیں۔

وافال ابن حجر فی المنح والجوهر فی ترجیحه قال فی الاحیاء، مس المشاهد وتقبیلها عادة الیهود والنصاریٰ ــ اھ۔ الایضاح للنووی۔

فضیل بن عیاض کہتے ہیں۔

ہدایت کے طریقے اپناؤ اور ان طریقوں پر چلنے والوں کی قلتِ تعداد پر نہ جاؤ نہ اس قلت تعداد سے تمہارا کوئی نقصان ہے۔ ضلالت کے راستوں سے بچو اور ہلاک ہونے والوں کی کثرت سے دھوکہ نہ کھاؤ کہ ان کی کثرت دیکھ کر ان کے پیچھے چل پڑو۔

جس شخص کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ قبر کو ہاتھ لگانے یا اس طرح کے دوسرے کاموں سے زیادہ برکت حاصل ہوتی ہے۔ اس کا یہ خیال محض جہالت و غفلت ہے۔ کیوں کہ برکت اسی کام میں ہوتی ہے جو مطابق شریعت ہو۔ درست اور بہتر راہ سے گریز کرنے میں، کیسے کوئی فضیلت

حاصل ہوسکتی ہے۔ اھ۔ المجموع ج ۸ ص ۲۷۵۔

امام احمد بن حنبل کی رائے

اس موضوع پر امام احمد بن حنبل سے کئی طرح کی روایات منقول ہیں۔ جن سے جواز یا اس سلسلے میں کوئی حکم لگانے سے توقف کا پہلو نکلتا ہے۔ یا منبر نبوی و قبر نبوی کے بارے میں الگ الگ احکام ظاہر ہوتے ہیں کہ منبر کے لئے جواز اور قبر کے لئے توقف یا اباحت ہے۔

بہر حال! جیسا بھی اختلاف ہو۔ لیکن کسی بھی شکل میں ایسا کرنے والے پر کفر یا گمراہی یا خروج عن الملتہ یا بدعت فی الدین کا کوئی حکم نہیں لگایا گیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نے ایک ایسا کام کیا جس کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ یا اسے مکروہ کہا گیا ہے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ اسے بطور عادت نہ کرے کہ عوام کو دھوکہ ہو کر وہ اسے زیارت کے آداب و لوازم سمجھ بیٹھیں۔

امام احمد بن حنبل کی اس سلسلے میں یہ رائے ہے۔

خلاصۃ الوفا میں ہے۔ کتاب العلل والسؤالات میں عبداللہ بن احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔

میں نے اپنے والد سے یہ مسئلہ پوچھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ سے اجر و ثواب حاصل کرنے کی نیت کر کے قبر نبوی کو ہاتھ سے چھونا بوسہ دینا اور منبر نبوی کے ساتھ بھی ایسا ہی کرنے کا کیا حکم ہے؟

آپ نے ارشاد فرمایا۔ لاباس بہ۔ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

ابوبکر بن اثرم کہتے ہیں۔

میں نے ابو عبداللہ ـــــ یعنی امام احمد بن حنبل سے پوچھا کہ قبر نبوی کو ہاتھ سے چھو کر اسے جسم پر مُلا جاسکتا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ میں اسے اچھا نہیں سمجھتا۔ میں نے پھر منبر کے بارے میں پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ ہاں! اسے چھو کر جسم پر مَل لینا صحیح ہے۔ کیوں کہ اس سلسلے میں ابن فدیک سے روایت ہے جو ابو ذئب سے روایت کرتے ہیں۔ اور وہ عبداللہ بن عمر کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے منبر کو ہاتھ لگا کر اسے اپنے چہرے پر مَل لیا۔ اور سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ انہوں نے منبر کے دستہ کے ساتھ ایسا ہی کیا۔

میں نے عرض کیا۔ یحییٰ بن سعید سے روایت ہے۔ جب انہوں نے عراق جانے کا ارادہ کیا تو منبر رسول کو ہاتھ لگایا اور پھر دعا کی۔ میں نے اس منظر کو دیکھا اور اسے مستحسن سمجھا۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔ شاید انہوں نے ضرورۃً ایسا کیا۔

ابو عبداللہ سے یہ بھی کہا گیا تھا کہ لوگ دیوار قبر نبوی سے اپنا شکم ملتے ہیں۔ میں نے آپ سے عرض کیا۔ علماء مدینہ کو میں نے دیکھا ہے کہ وہ اسے ہاتھ نہیں لگاتے ایک کنارے کھڑے ہو جاتے اور پھر سلام پیش کرتے ہیں۔

ابو عبداللہ (امام احمد بن حنبل) نے ارشاد فرمایا۔

ہاں! عبداللہ بن عمر ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

پھر ابو عبداللہ نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے باپ اور ماں قربان ہوں۔

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔

احمد بن حنبل وغیرہ نے منبر اور اس کا دستہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست گاہ اور آپ کے دست مبارک رکھنے کی جگہ تھی انہیں ہاتھ لگانے کی اجازت دی مگر قبر نبوی کے لئے اجازت نہیں دی ہے۔

ہمارے بعض اصحاب قبر نبوی کو ہاتھ لگانے کی بھی ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ احمد بن حنبل کسی جنازہ کے ساتھ چلے تو قبر پر اپنا ہاتھ لگایا اور اس کے لئے دعا کی۔

اور دونوں جگہوں کے درمیان جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔ اھ۔ اقتضاء الصراط المستقیم ص ۳۶۷ للشیخ ابن تیمیۃ۔

شرک و بُت پرستی سے قبر نبوی کے تحفّظ کی ضمانت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حبیب اعظم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کا تحفظ اپنے ذمۂ کرم پر لے لیا ہے۔ وہاں نہ کوئی شرک ہو سکتا ہے نہ کسی طرح کی عبادت جو صرف معبود برحق کے لئے جائز ہے۔ کوئی مسلمان یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ یہاں کسی قبلۂ عبادت یا صنم معبود کا وجود ہے۔

یہ سب کچھ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کی برکت ہے جنہیں اللہ نے قبول

فرمایا ہے۔

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

اللهم لاتجعل قبری وثنا یعبد۔ اشتد غضب الله علیٰ قوم اتخذوا قبور انبیاءهم مساجد۔ مؤطا امام مالک۔

الحمدللہ! آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور کسی نے بھی آپ کی قبر کو صنم معبود نہیں بنایا۔ جیسا کہ دوسری قبروں کے ساتھ ہوا۔

بلکہ تعمیر حجرۂ مبارکہ کے بعد کوئی شخص حجرہ میں داخل بھی نہ ہوسکا۔ اور تعمیر سے پہلے وہاں نماز و دعا، وغیرہ کے لئے کسی کو جانے بھی نہیں دیا جاتا تھا جیسا کہ دوسروں کی قبروں کے نزدیک کچھ لوگ ایسا کرتے ہیں۔

بعض بے علم و ناواقف اشخاص آپ کے حجرہ کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھتے ہیں۔ یا آواز اونچی کرتے ہیں۔ یا ممنوع باتیں کرتے ہیں۔ حجرہ کے باہر ہی یہ سب ہوتا ہے قبر کے نزدیک ایسا نہیں ہوتا۔

الحمدللہ! آپ کی دعا، اللہ نے قبول فرمالی ہے۔ اور کوئی بھی آپ کی قبر کے پاس اندرونی حصہ میں نہیں داخل ہوسکتا کہ وہاں نماز پڑھے یا دعا کرے یا کسی طرح کا شرک کرے جیسے دوسروں کی قبروں کو کچھ لوگوں نے صنم معبود بنالیا ہے۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حیات میں کوئی شخص صرف ان سے ملنے کے لئے حجرہ میں جاتا تھا۔ اور وہ کسی کو قبر نبوی کے ساتھ کوئی امر ممنوع نہیں کرنے دیتی تھیں۔ اور جب آپ کا بھی انتقال ہوگیا تو اس حجرہ کو بند کردیا گیا۔ پھر اسے مسجد نبوی میں شامل کرکے اس کا دروازہ بند کردیا گیا اور ایک دوسری دیوار اس پر تعمیر کردی گئی۔

یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ آپ کے گھر کو کوئی شخص بھی مقام عید اور آپ کی قبر کو صنم معبود نہ بنا سکے۔ ورنہ سبھی کو معلوم ہے کہ سارے اہل مدینہ مسلمان ہیں۔ اور قبر نبوی کے پاس مسلمان ہی آتے بھی ہیں۔ سب کے سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ افراد امت کی قبریں بھی معظم و محترم سمجھی جاتی ہیں۔ اس لئے قبر نبوی کی اہانت کی نیت سے اسے اس طرح

محصور و مسدود نہیں کیا گیا بلکہ انہوں نے صرف اس لئے کیا کہ کچھ لوگ آپ کے گھر کو مقام عید اور آپ کی قبر کو صنم معبود نہ بنالیں۔ اور ایسی حرکتیں وہاں نہ کرنے لگیں جیسی کہ اہل کتاب اپنے انبیاء کی قبروں کے ساتھ کرتے ہیں۔

حجرہ کے اندر قبر نبوی ریت کی بنائی گئی ہے جس پر پتھر یا لکڑی نہیں اور نہ ہی اسے مٹی کا لیپ دیا گیا ہے جیسے کہ دوسروں کی قبروں کا معاملہ ہے۔

خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ کا سدباب کرنے کے لئے اس سے منع فرمایا ہے۔ بالکل ویسے ہی جیسے آفتاب کے طلوع و غروب کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ تاکہ شرک کا کوئی راستہ ہی نہ نکل سکے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ سے آپ نے دعا فرمائی کہ وہ آپ کی قبر کو صنم معبود نہ بنائے۔ آپ کی یہ دعا اللہ نے قبول فرمالی۔ اور آپ ان کی طرح نہیں ہوئے جن کی قبروں کو لوگوں نے سجدہ گاہ بنالیا۔ آپ کی قبر کے پاس تو کوئی جا بھی نہیں سکتا ہے۔

انبیاء سابقین کی امتیں جب دین میں کوئی نئی بات پیدا کرتی تھیں تو اللہ تبارک و تعالیٰ کسی نبی کو مبعوث فرماتا جو انہیں اس بددینی سے روکتا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اس لئے آپ کی امت کو اللہ نے کسی گمراہی پر جمع ہونے اور آپ کی قبر مبارک کو صنم بنانے سے محفوظ فرمادیا ہے۔ اور معاذاللہ اگر ایسا کیا جاتا تو آپ کے بعد کوئی نبی ہی نہیں جو اس سے روک سکے۔

امم سابقہ میں سے جن لوگوں نے ایسا کیا وہ مغلوب امت ہوئے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دے دی ہے کہ میری امت کا ایک گروہ برابر حق پر رہ کر غالب رہے گا۔ اس کے مخالفین اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے نہ اسے کبھی رسوا کر سکیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ مبتدعین کے پاس کوئی ایسی سبیل ہی نہیں کہ وہ آپ کی قبر مبارک کے ساتھ ویسا کوئی سلوک کر سکیں جو دوسروں کی قبروں کے ساتھ ان کے ماننے والے کرتے ہیں۔ اھ

الجواب الباهر في زوار المقابر ص ۱۳ للشيخ ابن تيمية۔

آثار و مشاہد مقدسہ کی زیارت اور ان سے حصول برکت

شیخ ابن تیمیہ نے اس موضوع پر اچھی بحث کی ہے۔ اس کا ایک حصہ یہاں نقل کیا جا رہا ہے جو اہم فوائد پر مشتمل ہے۔

مقامات انبیاء و صالحین جہاں انہوں نے عارضی یا مستقل طور پر قیام کیا یا اللہ سبحٰنہ و تعالیٰ کی عبادت کی لیکن انہیں مسجد نہیں بنایا۔ ان کے بارے میں مشہور علماء کے دو اقوال ہیں۔

(۱) ممنوع و مکروہ ہے۔ کسی بھی جگہ عبادت کی نیت سے جانا مستحب نہیں۔ ہاں! حکم شریعت کے تحت عبادت کی نیت سے جایا جاسکتا ہے۔ مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کے ارادہ سے وہاں تشریف لے گئے ہوں، جیسے مقام ابراہیم میں نماز کے لئے جانا۔ اسطوانہ کے پاس ادا ء صلوٰۃ کی فضیلت سمجھنا۔ نماز پڑھنے کے لئے مسجد جانا۔ پہلی صف میں نماز پڑھنا وغیرہ۔

(۲) عمل قلیل میں حرج نہیں۔ جیسے عبداللہ بن عمر سے منقول ہے کہ وہ ان مقامات پر جانا باعث فضیلت سمجھتے تھے جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے ہوں۔ اگرچہ قصداً نہیں بلکہ اتفاقاً آپ وہاں تشریف فرما ہوئے ہوں۔

سدی الخزاعی کہتے ہیں:

ابو عبداللہ سے ہم نے پوچھا کہ مشاہد مقدسہ کی حاضری کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا۔ ابن ام مکتوم کی روایت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے درخواست کی۔ آپ میرے گھر میں نماز ادا فرمائیں تاکہ ہم اسے اپنی نماز کی جگہ بنالیں۔

اور عبداللہ بن عمر کا معمول تھا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامات و آثار کی تلاش میں

رہا کرتے تھے۔

ان واقعات کی روشنی میں مشاہد مقدسہ کی حاضری میں کوئی حرج نہیں، لیکن اس سلسلے میں لوگ افراط اور بہت زیادتی کر چکے ہیں۔

اسی طرح احمد بن قاسم سے منقول ہے۔

ان سے پوچھا گیا کہ مدینہ طیبہ وغیرہ کے مشاہد مقدسہ کی حاضری کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔

انہوں نے کہا۔ ابن ام مکتوم کی حدیث ہے۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ ان کے گھر میں نماز ادا فرمائیں تاکہ آپ اس جگہ کو اپنے لیے مسجد نماز بنالیں۔

عبداللہ بن عمر کا معمول تھا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان جگہوں کی تلاش میں رہتے تھے جہاں آپ کبھی تشریف لے گئے ہوں۔ ایک بار انہیں دیکھا گیا کہ ایک جگہ پر پانی انڈیل رہے ہیں۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے کہا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں پانی نہایا کرتے تھے۔

اس طرح ان واقعات کے مطابق تو کوئی حرج نہیں بلکہ اس کی اجازت ہے، لیکن لوگوں نے افراط و زیادتی سے کام لینا شروع کر دیا ہے۔

پھر انہوں نے قبر حسین بن علی رضی اللہ عنہما اور وہاں کیے جانے والے کاموں کا ذکر کیا۔

رواها الخلال فی کتاب الادب۔

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔

ابو عبداللہ نے مشاہد کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ مشاہد سے مراد وہ جگہیں ہیں جہاں انبیاء و صالحین کے آثار ہوں مگر انہوں نے ان جگہوں کو مسجد نہ بنایا ہو۔ جیسے مدینہ کے بعض مقامات خواہ تھوڑے ہی ہوں جنہیں لوگ مقام عید نہیں بناتے یا زیادہ جنہیں مقام عید بناتے ہیں۔ کما تقدم۔ (اقتضاء الصراط المستقیم للشیخ ابن تیمیۃ ص ۳۸۵)

اس تفصیل میں آثار و اقوال صحابہ جمع کر دیے گئے ہیں۔ اور موسیٰ بن عقبہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔

میں نے سالم بن عبداللہ کو دیکھا کہ وہ راستہ میں مقامات مقدسہ تلاش کر کے وہاں

نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور اپنے والد کے بارے میں انہوں نے بتلایا کہ وہ ان جگہوں پر نماز پڑھا کرتے تھے کیونکہ ان مقامات پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ (صحیح بخاری)

موسیٰ بن عقبہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ان سے نافع نے بیان کیا کہ ابن عمران مقامات پر نماز پڑھا کرتے تھے۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے اسی کی اجازت دی ہے۔

اور جہاں تک کراہت کی بات ہے تو سعید بن منصور اپنی سنن میں روایت کرتے ہیں۔

ہم سے ابو معاویہ نے، ان سے اعمش نے، ان سے معرور بن سوید نے، ان سے عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی۔

ہم آپ کے ساتھ ایک دفعہ حج کرنے کے لئے نکلے تو آپ نے نماز فجر کی امامت کرتے ہوئے پہلی رکعت میں اَلَمْ تَرَكَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحَابِ الْفِيلِ اور دوسری رکعت میں لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ کی تلاوت کی۔ اور حج سے واپسی ہوئی تو دیکھا کہ لوگ مسجد میں تیزی سے جارہے ہیں۔ پوچھا کیا بات ہے؟ لوگوں نے بتلایا اس مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی ہے۔ آپ نے فرمایا۔

اسی طرح اہل کتاب تم سے پہلے ہلاک ہوتے۔ انہوں نے اپنے انبیاء کے آثار کو عبادت خانہ بنالیا۔ جس کی نماز کا وقت یہاں ہوجائے وہ تو نماز پڑھ لے اور جس کی نماز کا وقت نہ ہو وہ آگے بڑھ جائے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سجدہ گاہ کو مقام عید بنانے کو مکروہ جانا۔ اور وضاحت کردی کہ اہل کتاب اسی طرح ہلاک ہوتے۔

شیخ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ علماء کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان حاضری مشاہد کے سلسلے میں اختلاف ہے۔

چنانچہ محمد بن وضاح نے کہا۔ امام مالک وغیرہ علماء مدینہ قبا و احد کے علاوہ ان مساجد و آثار کی حاضری کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ سفیان ثوری بیت المقدس گئے وہاں انہوں نے نماز پڑھی

لیکن انہوں نے وہاں کے آثار کو نہیں تلاش کیا نہ ان میں نماز پڑھی۔

ان حضرات نے عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کی وجہ سے حاضری مشاہد کو مکروہ سمجھا اور اس میں صلوٰۃ عند المقابر سے مشابہت بھی ہے کہ یہ ان مقابر کو مقام عید بنا لینے اور تشبہ باہل کتاب کا ذریعہ ہے۔

ابن عمر نے جو کچھ کیا اس سے کسی صحابی نے اتفاق نہیں کیا۔ کیوں کہ خلفاء راشدین و دیگر مہاجرین و انصار میں سے کسی صحابی کے بارے میں یہ منقول نہیں کہ وہ ان مقامات کی تلاش کریں جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامت فرمائی ہو۔

پھر انہوں نے لکھا۔ دیگر علماء متاخرین اس حاضری کو مستحب جانتے ہیں۔ ہمارے اصحاب وغیرہ کی ایک جماعت نے اپنی تصنیفات کے باب مناسک میں استحباب زیارت مشاہد کا ذکر کیا ہے اور کچھ مشاہد کے مقامات و اسماء بھی تحریر کئے ہیں۔

امام احمد بن حنبل نے حاضری مشاہد کی اجازت دی ہے۔ کیوں کہ اس سلسلے میں اثر منقول ہے۔ لیکن جب مشاہد پر وقت متعین کے ساتھ اجتماع اور بار بار حاضری ہو تو اس کی اجازت نہیں۔ جیسے جماعت کے ساتھ مساجد میں عورتوں کی نماز کی اجازت ہے اگرچہ گھر میں پڑھنا ان کے لئے بہتر ہے مگر جب بے پردگی و نمائش ہونے لگے تو پھر اجازت ختم ہو جاتی ہے۔

اس سلسلے میں آثار کے درمیان آپ نے تطبیق دی ہے اور حدیث ابن ام مکتوم سے استدلال کیا ہے۔ ۵۱ اقتضاء الصراط المستقیم فی مخالفۃ اصحاب الجحیم ص ۳۸۷۔

امام احمد بن حنبل کی گفتگو کا ظاہری ماحصل یہ ہے کہ وہ انبیاء و صالحین سے نسبت رکھنے والے آثار و مشاہد و اماکن مقدسہ کی حاضری و زیارت کو جائز سمجھتے ہیں اور آپ کی رائے کے مطابق اس عمل کے اہتمام و تتبع کی اصل سنت نبوی سے ملتی ہے اور یہ بدعت ہے نہ ضلالت شرک یا کفر ہونا تو دور کی بات ہے۔ لیکن اس عمل حاضری و زیارت میں افراط اور غیر ضروری انہماک کی آپ تنقید بھی کرتے ہیں۔

یہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کی رائے کا خلاصہ ہے۔ لیکن شیخ ابن تیمیہ کلام امام احمد بن حنبل سے قلیل و کثیر کی تفصیل کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس سلسلہ میں عمل کثیر

امام احمد کے نزدیک مکروہ ہے۔

شیخ ابن تیمیہ نے واضح کیا ہے کہ قدر کثیر جس سے آثار نبوی کا تتبع اور بار بار کی حاضری مکروہ ہوجاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان آثار و اماکن کو مقام عید بنا لیا جائے۔ وہاں اوقات معینہ میں جشن و اجتماع کیا جائے۔

کلام شیخ ابن تیمیہ سے یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ جن آثار و اماکن کے بارے میں ثابت ہے کہ انبیاء کرام نے انہیں مسجد بنایا یا اس جگہ نماز پڑھی ہے وہ اس تفصیل سے خارج ہیں۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جن آثار و اماکن میں انبیاء کرام نے نماز پڑھی وہ دوسرے مقامات کے لحاظ سے امتیازی حیثیت کے حامل ہیں اور وہاں عبادت وصلوٰۃ کے لئے جانا صحیح ہے۔

آغاز بحث میں شیخ ابن تیمیہ نے لکنھم لم یتخذوھا مساجد لکھا ہے جس سے مذکورہ اخذ کردہ نتیجہ کی تائید ہوتی ہے۔ اور اس عبارت سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔

فقد فصل ابوعبداللہ فی المشاھد وھی الامکنۃ التی فیھا آثار الانبیاء و الصالحین من غیر ان تکون مساجد لھم کمواضع بالمدینۃ بین القلیل الذی لایتخذونہ عیدا والکثیر الذی یتخذونہ عیدا کما تقدم۔ اقتضاء الصراط المستقیم ص ۳۸۵۔

حدیث لاتتخذوا قبری عیداً کا مطلب

لاتتخذوا قبری عیداً (حدیث) کا مطلب بتلاتے ہوئے شیخ ابن تیمیہ نے لکھا ہے۔

ان قبروں کے نزدیک جو کیا جاتا ہے وہ بعینہٖ وہی ہے جس کی حدیث لاتتخذوا قبری عیداً کے اندر ممانعت آئی ہے اور یہ افعال عید ممنوع میں داخل ہیں۔

مخصوص مقام پر کسی متعین وقت میں بطور عادت سالانہ یا ماہانہ یا ہفتہ کے اندر حاضری دیتے رہنا ہی عید کا مطلب ہے۔ جس کے چھوٹے بڑے کام سے نہی وارد ہے۔ اور امام احمد بن حنبل سے ایسی ہی حاضری کے بارے میں رد و انکار منقول ہے کہ انہوں نے کہا اس سلسلے میں لوگوں نے کثرت و افراط سے کام لیا۔ اور پھر امام حسین کے مشہد کے پاس کئے جانے والے کاموں کا آپ نے ذکر کیا۔

اور دوسری جگہ شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔

قبور انبیاء کو مقام عید بنانے کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے۔ اور کسی متعین وقت میں ان قبروں کی حاضری کی عادت، کسی متعین وقت میں وہاں عام اجتماع۔ یہی چیزیں عید ہیں۔ کما تقدم۔

میں نہیں سمجھتا کہ کسی صاحب علم مسلمان کو اس سے اختلاف ہوگا۔ اور فاسد رسوم وعادات سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔ یہ عید تو ان یہود و نصاریٰ سے تشبہ ہے جن کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ اس امت میں بھی ایسے کام کئے جائیں گے۔ اھ

اقتضاء الصراط المستقیم ص ۲۷۷۔

مؤلف کا مسلک

بفضلہ تعالیٰ ہم اہل سنت وجماعت سلفاً و خلفاً جس مسلک کی ہمیشہ اور ہر موقعہ پر دعوت و تبلیغ کرتے چلے آرہے ہیں وہ حدیث نبوی لا تتخذوا قبری عیداً کی روشنی میں یہی ہے کہ قبر نبوی یا آثار ومشاہد مقدسہ کو مقام عید بنانے سے مسلمانوں کو روکتے ہیں۔ اسی طرح کسی ایسی چیز کی تخصیص وارتکاب سے انہیں دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں جو اقسام عبادت میں شامل ہو۔ کیوں کہ عبادت صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے جائز ہے۔ علاوہ ازیں انہیں ان مشاہد کے لئے کسی ایسے دن کی تخصیص والتزام سے بھی منع کیا جاتا ہے جس میں اجتماع وجشن منایا جائے۔

ان اقوال اور دقیق علمی تجزیوں پر ژرف نگاہی سے غور کر کے ان سے سبق حاصل کیا جائے اور آثار نبوی کی تلاش وتتبع اور انبیاء وصالحین سے نسبت رکھنے والے مشاہد ومقامات مقدسہ کے ساتھ توجہ واہتمام کرنے پر مسلمانوں کی تکفیر یا ان پر حکم بدعت وضلالت عائد کرنے میں کسی قسم کی جلدی نہ کی جائے۔ حسن ظن سے کام لیتے ہوئے یہ سمجھا جائے کہ مسلمانوں کا مقصود اصلی صرف اللہ سبحٰنہ وتعالیٰ ہے۔ اور یہ سب امور تو اسباب و وسائل ہیں جو دلوں کے اندر ایمان ویقین میں اضافہ کرتے ہیں۔ باعث عبرت ونصیحت ہیں۔ اصحاب آثار ومشاہد اور ان کی تاریخ کی

یادگار ہیں۔

اور یہی اصحاب اماکن متبرکہ انسانوں کے لئے بہترین نمونۂ عمل ہیں۔ اور یہ مقدس یادگاریں مراکز ہدایت و مقامات خیر و برکت ہیں جہاں نزولِ حسنات و نفحات ہوتا ہے۔ کیوں کہ یہ جگہیں اصحاب صلاح و تقویٰ سے آباد رہی ہیں اور رحمت و رضائے ربانی اور انوار و تجلیاتِ الٰہی سے معمور ہیں۔

اس کے برعکس جو جگہیں اہل شر و فساد کی آماجگاہ ہوتی ہیں وہ محل قہر و غضب ہوا کرتی ہیں۔ اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم صادر فرمایا کہ وہ دیارِ ثمود سے روتے ہوئے آگے گزر جائیں اور وہاں کا پانی نہ پئیں۔ بلکہ یہ بھی حکم دیا کہ جمع کردہ پانی بہادیں۔ اور اس جگہ کے پانی سے پکا ہوا کھانا نہ کھائیں۔ اسی طرح یہ بھی حکم ہے کہ وادیٔ محسر جو وادیٔ نار سے معروف ہے وہاں سے تیزی سے آگے بڑھ جائیں۔

التبرک بالآثار النبویۃ کے عنوان سے ایک بحث میں اس موضوع کی تفصیلات ہم درج کر چکے ہیں۔

آثار و مشاہد کے تحفظ کی ضرورت

آثار نبوی کا تحفظ ایک عظیم و جلیل اصل، مفتخر و محترم وراثت، اور روشن و تابناک تاریخ ہے۔ امت مسلمہ کی ایک ایسی باوقار تاریخ جس سے اس کے مجد و شرف اور ان شخصیات و ائمہ دین کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ جنہوں نے اس امت کی عزت و افتخار کا محل تعمیر کیا اور اسے زندگی کے ہر میدان میں قیادت و سیادت کا اعزاز بخشا۔

اسی لئے ان آثار و مشاہد سے بے اعتنائی اور ان کی پامالی اسلامی تہذیب و تمدن کے شواہد کا خون، اسلامی وراثت کا مسخ، اصول فطرت کا قتل اور امتِ مسلمہ کے اس شعبہ کی بیش بہا متاع کے ساتھ ظلم عظیم ہے۔ پیشانی کا بدنما داغ اور بدترین کورچشمی ہے جس میں لوگوں کو مبتلا کر دیا گیا ہے۔ اور ان معائب نے کم نگاہی پیدا کر کے حقیقی تصویر کو مسخ کر دیا ہے اور ہم خیر عظیم سے محروم ہو رہے ہیں جس کی تلافی ممکن نہیں۔ کیوں کہ نقوش و نشانات متغیر و معدوم ہوتے

ہیں پھر ایک وقت ایسا آسکتا ہے کہ اس میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہ جائے گا۔ تو پھر انہیں جاننے پہچاننے والے بھی نہیں رہ جائیں گے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کچھ لوگ ان آثار و مشاہد کو مقام عید بنا لیتے ہیں۔ وہاں مشرکانہ حرکتیں کرتے ہیں یا ان جگہوں کا طواف کرتے ہیں، دھاگے باندھتے ہیں، عرضی لکھ کر ڈالتے ہیں یا ان کے نام سے ذبیحہ کرتے ہیں۔

تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہم ایسے افعال و امور سے قطعاً اتفاق کرتے ہیں نہ ان کی تائید کرتے ہیں نہ انہیں پسند کرتے ہیں۔ بلکہ ان سے روکتے ہیں اور لوگوں کو دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ سب جاہلانہ باتیں ہیں جن کے ازالہ کی مناسب تدابیر اختیار کرنا ضروری ہے۔

جہالت و لاعلمی کی وجہ سے بعض خرافات و منکرات کا ارتکاب کرنے والے چوں کہ مسلمان ہی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اقرار توحید کرتے ہیں۔ اور اس کی شہادت دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر بھی ان جگہوں پر کچھ غلط کام کر جاتے ہیں اور راہِ صواب سے ہٹ جاتے ہیں۔ صحیح فیصلہ نہیں کر پاتے۔ تو ہمارا فریضہ ہے کہ ان کی ہدایت و رہنمائی کریں۔ انہیں صحیح باتیں بتائیں اور غلط کاموں سے انہیں باز رکھنے کی سعی کریں۔ لیکن عوامی غلطیوں کا یہ مطلب تو نہیں کہ ان آثار و مشاہد کو ویران یا انہیں مسمار و نیست و نابود کر دیں۔

تخریبی کارروائیوں کے جواز کے لئے بے جان دلائل، دور از کار تاویلات اور خواہ مخواہ کے حیلے بہانے اہل علم و عقل کے نزدیک قطعاً قابل قبول نہیں۔ کیوں کہ اگر مقامات مقدسہ کے آس پاس کچھ لوگ خرافات و منکرات کا ارتکاب کرتے ہیں تو انہیں ایسے افعال سے روکنا ممکن ہے۔

ایک طرف سخت نگہداشت، منع و تخویف، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، حکمت و موعظت کے ساتھ دعوت الی اللہ، اور حسن اخلاق سے زائرین کو غیر شرعی امور سے باز رکھنا ضروری ہے۔ تو دوسری طرف آثار و مشاہد کی حفاظت اور ان کی مناسب دیکھ بھال بھی ہمارا فریضہ ہے۔ تاکہ امتِ مسلمہ کی اصل یادگاریں محفوظ رکھی جاسکیں۔ تاریخ اسلام و تاریخ انسانیت کے ساتھ انصاف و وفاداری کی جاسکے اور اپنے کاندھوں پر جس امانت کا بوجھ ہے اسے دیانت کے ساتھ

آنے والی نسل تک منتقل کیا جا سکے کیوں کہ یہی امانت تو ہمارے رسول مکرم و نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی روشن و پاکیزہ تاریخ کا جزء اصیل ہے۔

دَورِ حاضر کا مزاج تو یہ ہے کہ مفکرین و مورخین گزشتہ اقوام و ملل جن پر عذاب نازل ہوا تھا اور لعنت برسی تھی مثلاً قوم ثمود و عاد ان کی یادگاریں اور نشانیاں بھی محفوظ رکھ رہے ہیں۔

تو یہ بات کیسے درست ہو سکتی ہے کہ ان یادگاروں اور نشانیوں کی حفاظت کا تو ہر ممکن تدبیر کے ساتھ اہتمام کیا جائے، انہیں باقی رکھنے کی کوشش کی جائے۔ اور باعث شرف وبلاد، وجہ وجود عالم و آدم، سبب عزت و عظمتِ امتِ اسلام، خاتم پیغمبراں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار مبارکہ کو اسی طرح ضائع ہونے دیا جائے ؟؟؟

اس امت کو یہ منصبِ رفیع اور مقامِ عظیم جسے کوئی دوسری امت نہیں حاصل کر سکی۔ صرف محمد عربی نبی ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت میسّر آیا اور جسے بھی جو عظمت ملی وہ آپ کی ہی نسبت سے ملی۔ پھر یہ کیسے روا رکھا جا سکتا ہے کہ آپ کی طرف منسوب اشیاء و اماکن کے ساتھ بے اعتنائی برتی جائے یا انہیں کسی طرح کا نقصان پہنچنے دیا جائے ؟؟؟

قرآن حکیم اور آثار انبیاء

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر بادشاہ طالوت کے قیام حکومت کی علامت تابوتِ سکینہ کو بنایا تھا جس کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۔ (سورۂ بقرہ - ۲۴۸)

اور ان سے ان کے نبی نے کہا کہ اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس تابوت آئے جس میں تمہارے دلوں کا چین ہے تمہارے رب کی جانب سے۔ اور معزز موسیٰ و معزز ہارون کے ترکہ کی بچی ہوئی چیزیں ہیں جنہیں فرشتے اٹھائے ہوئے لائیں گے۔ بیشک اس میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

اس تابوت بنی اسرائیل کو رفعتِ مقام اور عظمت شان حاصل تھی۔ اے بنی اسرائیل اپنی جنگوں میں آگے رکھا کرتے تھے۔ اس تابوت اور اس کے اندر جو کچھ محفوظ تھا ان سب کو بنی اسرائیل بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنا کر فتح و نصرت حاصل کیا کرتے تھے۔ اپنے جس دشمن سے بھی وہ جنگ کرتے یہ تابوت اپنے ساتھ ضرور رکھتے۔

اس تابوت میں اللہ کی جانب سے جو سامان سکون قلب اور آثار انبیاء تھے ان کا ذکر خود آیت کریمہ میں موجود ہے۔

وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۔ (بقرہ - ۲۴۸)

اور معزز موسیٰ و معزز ہارون کے ترکہ کی بچی ہوئی چیزیں ہیں جنہیں فرشتے اٹھائے ہوئے لائیں گے۔

تابوت سکینہ کے اندر یہ چیزیں تھیں۔ عصائے موسیٰ۔ عصائے ہارون۔ ان کے کپڑے۔

نعلین۔ اور توریت کی دو لوحیں۔ تفسیر ابن کثیر ج اول ص ۳۱۳۔

اور سونے کا ایک طشت بھی تھا جس میں انبیاء کرام کے سینے دھوئے جاتے تھے۔

البدایة والنهایة ج ۲ ص ۸۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے منتخب ومقبول بندوں سے نسبت رکھنے والے ان عظیم آثار کی وجہ سے ہی اس نے اس تابوت کو یہ رفعت وعظمت بخشی۔ اور اسے اپنی حفاظت میں رکھا۔

جب بنی اسرائیل اپنے عصیان وطغیان کی وجہ سے اس متبرک تابوت کے اہل نہیں رہ گئے تو اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر ان سے اس تابوت کو چھین لیا۔ اسے اپنی حفاظت میں رکھا۔ اور ایک مدت کے بعد اسے بنی اسرائیل کو لوٹا دیا تاکہ ان پر طالوت کی بادشاہی کی صحت کے لئے یہ تابوت علامت بن جائے۔

تابوت کی واپسی کتنے اعزاز واکرام کے ساتھ ہوئی کہ فرشتے اسے بنی اسرائیل کے پاس لائے۔

آثار مبارکہ کے ساتھ خصوصی توجہ وعنایت اور ان کی حفاظت کا اس سے بہتر اور باوقار نمونہ اور کیا پیش کیا جا سکتا ہے؟ ان کی دینی، تہذیبی، تاریخی عظمت واہمیت بتانے کی اس سے عمدہ تدبیر کیا ہو سکتی ہے؟ اور قلوب واذہان کو مائل ومتاثر کرنے اور انہیں تنبیہ وہدایت کرنے کا اس سے مؤثر ذریعہ اور کیا ہو سکتا ہے؟

خلفاء راشدین اور مہر نبوت

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں چاندی کی ایک انگوٹھی تھی۔ پھر وہ انگوٹھی عہد بہ عہد ابوبکر صدیق وعمر فاروق وعثمان غنی کے ہاتھ میں رہی۔ یہاں تک کہ بئر اریس میں گر گئی۔ اس پر محمد رسول اللہ نقش تھا۔ رواہ البخاری فی کتاب اللباس باب خاتم الفضة۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔ روایت نسائی میں ہے۔ عثمان غنی نے اسے بہت ڈھونڈھا مگر نہیں ملی۔ اور روایت ابن سعد میں ہے۔ عثمان غنی کے ہاتھ یہ انگوٹھی چھ سال تک رہی۔

۱ھ۔ فتح الباری ج ۱۰ ص ۲۱۳۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں۔ بئر اریس، مسجد قبا کے نزدیک ایک باغ کا نام ہے۔ ۱ھ

عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۳۱۔

بئر اریس کا موجودہ نام بئر خاتم ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگوٹھی کی نسبت سے اسی نام سے معروف ہے۔ کیوں کہ عہد خلافت عثمانی میں وہ انگوٹھی یہیں گری تھی۔ اور حضرت عثمان نے اسے تلاش کرنے کی تین دن تک ہر ممکن کوشش کی مگر اس میں کامیاب نہ ہو سکے اور انگوٹھی نہیں مل پائی۔ المغانم المطابۃ فی معالم طابۃ للفیروز آبادی ص ۲۶۔

نیزہ کا تحفظ

زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔

غزوہ بدر میں ابو ذات الکرش عبیدہ بن سعید بن عاص سے میرا مقابلہ ہوا۔ وہ اتنا ہتھیار بند تھا کہ صرف اس کی آنکھیں نظر آرہی تھیں۔ اس نے کہا کہ میں ابو ذات الکرش ہوں۔ میں نے حملہ کر کے اس کی آنکھ میں نیزہ مارا جس کی تاب نہ لا کر اس نے دم توڑ دیا۔

ہشام نے کہا۔ مجھے بتلایا گیا کہ زبیر نے کہا۔ میں اس کے اوپر پاؤں رکھ کر چڑھ گیا اور پوری طاقت لگا کر اس نیزہ کو کھینچ لیا، لیکن اس کے دونوں کنارے مڑ گئے۔

عروہ نے کہا۔ اس نیزہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر سے مانگ لیا پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو زبیر نے واپس لے لیا۔ پھر ابوبکر صدیق نے مانگا تو زبیر نے انہیں دے دیا۔ اور ابوبکر صدیق کی وفات کے بعد عمر فاروق نے زبیر سے وہ نیزہ مانگا۔ زبیر نے انہیں بھی دے دیا۔ جب عمر فاروق کی بھی وفات ہوگئی تو زبیر نے وہ نیزہ اپنے پاس رکھ لیا۔ پھر ان سے عثمان غنی نے وہ نیزہ مانگا تو زبیر نے انہیں بھی دے دیا۔ پھر جب عثمان غنی کی شہادت ہوئی تو وہ نیزہ آل علی مرتضیٰ کے پاس چلا گیا۔ جن سے عبداللہ بن زبیر نے لے لیا۔ اور ان کی شہادت تک وہ نیزہ انہیں کے پاس رہا۔ رواہ البخاری فی کتاب المغازی باب شہود الملائکۃ بدراً۔

حدیث میں العنزہ کا لفظ آیا ہے جو نیزہ جیسا ہوتا ہے اور بعض اسے آنکس کے مشابہ

کہتے ہیں۔ (العنزہ ۔ لاٹھی جس میں پھل لگا ہوا ہو)

خلاصہ واقعہ یہ ہے کہ زبیر بن عوام نے بدر کے دن عبیدہ بن سعید بن عاص پر حملہ کر کے اس کی آنکھ میں نیزہ مارا جس سے وہ مرگیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بطور عاریت وہ نیزہ مانگا اور انہوں نے آپ کو دے دیا۔ آپ کے وصال کے بعد زبیر نے وہ نیزہ لے لیا۔ ابو بکر نے بطور عاریت ان سے وہ نیزہ مانگا تو انہوں نے دیا۔ اور ان کی وفات تک وہ نیزہ انہیں کے پاس رہا۔ پھر وہ نیزہ زبیر کے پاس آگیا اور ان سے عمر نے وہ نیزہ مانگا تو انہیں بھی زبیر نے دیدیا۔ وہ زندگی بھر انہیں کے پاس رہا۔ ان کی وفات کے بعد پھر وہ زبیر کے پاس آگیا۔ اور عثمان نے بھی ان سے وہ نیزہ مانگا تو انہیں بھی زبیر نے دے دیا۔ اور شہادتِ عثمان کے بعد علی کے پاس وہ نیزہ آگیا۔ ان سے زبیر نے واپس لے لیا اور ان کی شہادت تک وہ نیزہ انہیں کے پاس رہا۔

فتح الباری ج ۷ ص ۳۱۴ ۔ عمدۃ القاری ج ۷ ص ۱۰۷ ۔

میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ بے شمار نیزوں کی موجودگی میں اسی نیزہ کی اتنی شدید خواہش اور اسی کے ساتھ اتنا اہتمام کیوں تھا؟ اس سے اچھے اور خوبصورت دوسرے نیزے بھی رہے ہوں گے۔ پھر کس ذات گرامی سے نسبت رکھنے کی وجہ سے اس نیزہ کے لئے اتنی خواہش و رغبت تھی؟ اور یہ خواہش ماوشما کی نہیں بلکہ ان چاروں خلفاء راشدین کی تھی جو ارکان توحید وائمۂ دین تھے۔ اور دین اسلام کے محافظ و امین تھے۔

عمر فاروق اور میزاب عبّاس

عبداللہ بن عباس سے روایت ہے۔

عمر فاروق کے راستے میں عباس کا ایک پرنالہ تھا۔ جمعہ کے دن عمر فاروق نے لباس پہنا۔ عباس کے دو چوزے اسی روز ذبح کئے گئے تھے۔ جب عمر فاروق پرنالہ کے پاس پہنچے تو اوپر سے چوزوں کا خون آپ کے اوپر آگیا جس کی وجہ سے آپ نے حکم صادر کر دیا کہ اس پرنالہ کو اکھاڑ دیا جائے۔ پھر گھر لوٹ کر عمر نے کپڑے تبدیل کئے اور آکر امامت فرمائی۔

عباس نے جا کر عمر فاروق سے کہا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دستِ

مبارک سے اس کی جگہ رکھا تھا۔

یہ سن کر عمر فاروق نے عباس سے کہا۔ آپ میری پشت پر سوار ہو کر اسے اسی جگہ پر رکھیں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا۔ تو عباس نے ایسا ہی کیا۔ کذا فی الکنز ج ۷ ص ۶۶۔

امام ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ اپنی کتاب المغنی میں لکھتے ہیں۔

فصل: راستے کی طرف پانی نکالنا۔ اسی طرح کھڑکی کی طرف نالی نکالنا صاحبِ خانہ کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔

امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی فرماتے ہیں۔

راستے کی طرف نالی (پرنالہ) نکالنا جائز ہے کیونکہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عباس کے گھر سے گزرے جہاں راستے کی طرف پرنالہ تھا تو اسے آپ نے اکھڑوا دیا۔ عباس نے کہا۔ اس پرنالہ کو آپ اکھاڑ رہے ہیں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے لگایا تھا؟ عمر نے کہا۔ واللہ! آپ میری پشت پر سوار ہو کر ہی یہ پرنالہ اس کی جگہ دوبارہ لگائیں گے۔ یہ کہہ کر عمر جھک گئے اور عباس نے عمر کی پشت پر سوار ہو کر اس پرنالہ کو اپنی پرانی ہی جگہ پر نصب کیا۔ اھ۔ المغنی لابن قدامہ ۴/ ۵۵۴۔

آثار و مشاہد کی جستجو

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ آثار و مشاہد کی تلاش و تتبع اور ان کے اہتمام و تحفظ کے بڑے شائق تھے اور اس سلسلے میں آپ کی شہرت بھی ہے۔

شیخ ابن تیمیہ کہتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا کہ مشاہد پر حاضری دینے والے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ نے جواب دیا۔ عبداللہ بن عمر کا حال یہ تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نشاناتِ قدم ڈھونڈھا کرتے تھے۔ یہاں تک دیکھا گیا کہ وہ ایک جگہ پانی گرا رہے تھے۔ لوگوں نے پوچھا آپ یہاں کیوں پانی گرا رہے ہیں تو انہوں نے جواب دیا۔ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں پانی گراتے ہوئے دیکھا ہے۔

اور صحیح بخاری میں موسیٰ بن عقبہ سے روایت ہے۔ انہوں نے بیان کیا۔
میں نے سالم بن عبداللہ بن عمر کو دیکھا کہ وہ راستے کے کچھ مقامات تلاش کر کے وہاں نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور بیان کر رہے ہیں کہ ان کے والد نے بھی وہاں نمازیں پڑھی ہیں کیوں کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مقامات پر نماز پڑھتے دیکھا تھا۔
موسیٰ بن عقبہ نے کہا۔ مجھ سے نافع نے بیان کیا۔
عبداللہ بن عمر ان مقامات پر نمازیں پڑھا کرتے تھے۔[1] اقتضاء الصراط المستقیم۔ ص ۳۸۵۔
اکیلے عبداللہ بن عمر ہی کا یہ طرز عمل نہیں تھا بلکہ بہت سے صحابہ کرام آثار مقدسہ کی تلاش وتتبع اور اہتمام وتحفظ میں اسی طرح دلچسپی لیا کرتے تھے۔
اس سے پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں کہ چاروں خلفاء راشدین کا اس سلسلے میں کیا عمل تھا۔ اور یہ ائمۂ رشد وہدایت ایسے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی سنت کو قابل اتباع سنت قرار دیا ہے کیوں کہ ان کی سنت بھی آپ ہی کی سنت وہدایت سے ماخوذ ومستفیض ہے۔
سنت خلفاء راشدین اختیار کرنے اور ان کا دامن تھامے رکھنے کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحۃً تاکید فرمائی ہے۔ اور یہ واضح ہے کہ سنت خلفاء راشدین سنتِ نبوی کی طرح ہے۔ اور جب ان کی سنت صحت وثبوت کے ساتھ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے تو پھر سنتِ رسول کے بعد کسی کلام، بحث ونظر اور اجتہاد کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہ جاتی۔
آثار سے حصول برکت کی بحث میں ہم ایسے حوالہ جات درج کر چکے ہیں جن کا اس بحث سے گہرا تعلق ہے۔ ان حوالوں سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرام آثار مبارکہ سے کس طرح حصول برکت کیا کرتے تھے جن میں عبداللہ بن عمر وغیرہ شامل ہیں۔
حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں بحثیں ایک ہی اصل سے وابستہ اور ایک ہی اساس پر قائم ہیں۔ کیوں کہ آثار سے حصول برکت کا عمل آثار کے تحفظ واہتمام کی فرع ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ تحفظ آثار کا تعلق تاریخ وتمدن اجتماعی سے ہے اور حصول برکت کا رشتہ ایمان ومحبت وتعلق خاطر سے وابستہ ہے۔

ابن عباس اور آثار قدیمہ

عبداللہ بن زبیر نے جب خانہ کعبہ کی شہادت اور اس کی تعمیرِ جدید کا ارادہ کیا تو صحابۂ کرام کو اکٹھا کر کے ان سے اس سلسلے میں مشورہ کیا۔

عبداللہ بن عباس نے تجویز پیش کی کہ خانہ کعبہ کو مکمل نہ شہید کیا جائے بلکہ صرف اتنا حصہ شہید کیا جائے جتنے کی مرمت و اصلاح کی ضرورت ہے۔ اس طرح صالح حصہ اپنی اصلی حالت میں باقی رہے گا۔ اور اس کا قدیم پتھر عہد اول، عہد اسلام، عہد بعثت، عہد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح برقرار رہ جائے گا۔

عطاء سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔

دورِ یزید بن معاویہ میں جب اہل شام نے جنگ کی تو ناگفتہ بہ حالات پیش آئے اور خانہ کعبہ بھی جل گیا۔ تو عبداللہ بن زبیر نے خانہ کعبہ کو اسی جلی ہوئی حالت میں باقی رکھا تاکہ اہل شام کے خلاف لوگوں کے جذبات بھڑکیں۔ جب موسمِ حج آگیا تو لوگوں سے عبداللہ بن زبیر نے کہا۔

اے لوگو! مجھے مشورہ دو کہ میں خانہ کعبہ شہید کر کے نئی تعمیر کروں یا اس کے مرمت طلب حصے کی مرمت کر کے چھوڑ دوں۔

عبداللہ بن عباس نے کہا۔

اس سلسلے میں میری یہ رائے ہے کہ مرمت طلب حصہ کی مرمت کر کے باقی کو پہلے ہی کی طرح رہنے دیں۔ بالکل اسی حال میں جس حال میں کہ لوگ ایمان لائے اور لوگوں کے ایمان لاتے وقت جس حالت میں یہ پتھر تھے سب کچھ اپنی اصل حالت میں باقی رہے جیسے کہ عہد بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا۔ صحیح مسلم کتاب الحج باب نقض الکعبۃ وبناءھا۔ شرح النووی ص ۹۲/۹۷ ج ۹۔

آثارِ نبوی کے ساتھ عمر فاروق کا قلبی تعلق

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو آثارِ نبوی سے بے پناہ لگاؤ اور تعلق خاطر تھا۔ اس سلسلے میں وہ بہت حساس و غیور تھے۔

آپ کی حمیت و غیرت کا ایک نمونہ اس واقعہ میں بھی ملتا ہے کہ آپ کے دورِ خلافت میں

مزعومہ شجرۂ بیعت رضوان کے گرد جمگھٹ لگنے لگا تھا۔

یہ بیعت رضوان وہی ہے جس کا ذکر قرآن حکیم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔ (سورۂ فتح ۱۸)

بیشک اللہ راضی ہوا اہل ایمان سے جب وہ تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔

عمر فاروق خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ جس درخت کے گرد لوگ جمع ہونے لگے ہیں وہ بیعت رضوان والا درخت نہیں ہے۔ اس متعین شجرۂ بیعت رضوان کو جاننا دور کی بات ہے اس کی اصل جگہ سے بھی لوگ واقف نہیں۔ خود جو صحابۂ کرام صلح حدیبیہ کے وقت وہاں حاضر تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر جن لوگوں نے بیعت کی تھی وہ بھی صحیح طور پر نہیں جانتے تھے کہ وہ درخت اب کہاں ہے تو دوسرے لوگ کیا جانیں گے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

بیعت رضوان کا دوسرا سال آیا۔ ہم نے شجرۂ بیعت کو بہت تلاش کیا، لیکن دو آدمی بھی ایک رائے ہو کر یہ نشاندہی نہیں کر سکے کہ یہی شجرۂ بیعت رضوان ہے۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم۔

سعید کے والد مسیب کہتے ہیں ـــــ میں نے شجرۂ بیعت کو دیکھا تھا لیکن بھول گیا اور پھر اسے پہچان نہیں سکا۔

طارق بن عبدالرحمن کہتے ہیں۔

میں حج کرنے نکلا۔ راستے میں کچھ لوگوں کو میں نے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ ان سے میں نے پوچھا کیا یہ مسجد ہے؟ انہوں نے جواب دیا یہی وہ شجرۂ بیعت رضوان ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان لے تھی۔

میں نے سعید بن مسیب سے اس بات کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا۔

مجھ سے میرے والد مسیب نے ذکر کیا کہ درخت کے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے والوں میں میں بھی شامل تھا لیکن دوسرے سال اس جگہ آئے تو بھول گئے کہ شجرۂ بیعت رضوان کون ہے۔ اور تم لوگ جان گئے کہ شجرۂ بیعت فلاں ہے تو پھر تم لوگ ہی جانو۔

اور ایک روایت میں ہے۔ مسیب نے کہا۔

شجرۂ بیعت رضوان ہیں نظر ہی نہ آسکا۔ صحیح البخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الحدیبیۃ ۔ صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب استحباب متابعۃ الامام ۔

یعنی کسی ایک درخت کے بارے میں دو آدمی بھی متفق نہیں ہو سکے کہ یہی شجرۂ بیعت رضوان ہے۔ یہ حال ایک عہد کے ایک ہی سال میں ہوگیا۔ جب کہ وہ صحابہ کرام ابھی کثیر تعداد میں موجود تھے جو اس کے پاس حاضر اور وہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کر چکے تھے۔ تو پھر سالوں بعد عہد عمر میں ظاہر ہونے والے مزعومہ شجرۂ بیعت رضوان کو آپ کیا کہیں گے ؟

زمانہ بدل گیا بیشتر کار بیعت رضوان میں سے اکثر حضرات انتقال کر گئے۔ اس شجرۂ مبارکہ کی تعیین میں لوگوں کا اختلاف ہوگیا جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کا صحابہ نے شرف حاصل کیا تھا اور اسلام کے لئے عظیم ایثار و قربانی و جہاد کا عہد و پیمان کیا تھا جس میں ملائکہ نے شرکت کی۔ جسے قرآن حکیم نے اپنی آیات کے ذریعہ حیثیتِ دوام بخش دیا۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَ أَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا۔ (فتح ۱۸)

بیشک اللہ سے راضی ہوا جو اہل ایمان ہیں جب کہ وہ تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو اس نے ان کے دلوں کے راز کو جانا اور ان پر اطمینان اتارا اور جلد آنے والی فتح کا انہیں انعام دیا۔

اور نبی اعظم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عظیم خصوصیت کا اسی شجرۂ بیعت رضوان کے نزدیک اعلان ہوا۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۔ (فتح ۱۰)

بیشک جو تم سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مزعومہ شجرۂ بیعت کو اس لئے نہیں کٹوایا تھا کہ وہ لوگوں کو برکاتِ آثار سے روکنا چاہتے تھے۔ اور ایسا بھی نہیں کہ وہ آثار سے حصول برکت کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے دل میں ہرگز ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ تبرک و طلب تبرک بالآثار وغیرہ کے واقعات عمر فاروق کے بارے میں ثابت ہیں۔ مثلاً ابوبکر صدیق سے انہوں نے وہ نیزہ حاصل کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگوٹھی

آپ کے پاس محفوظ رہی۔ وغیرہ وغیرہ۔ وہ نیزہ زبیر بن عوام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیا تھا۔ صحیح البخاری باب شہود الملائکۃ بدراً۔ ۵۱۔ من المغازی۔ وفی نسخۃ القسطلانی ج ۶ ص ۲٦٤۔

نعلین مبارک

علماء اسلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک کے ذکر و بیان کی طرف خصوصی توجہ دی ہے۔ بلکہ ان سے متعلق دقیق علمی بحث و تحقیق کی ہے کہ ان کا رنگ، نقشہ اور ان کی دیگر کیفیات کیا تھیں۔ مستقل رسائل بھی اس موضوع پر لکھے گئے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ سب توجہ و اہتمام صاحب نعلین مبارک یعنی حضور اکرم رسول محترم نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی وجہ سے ہے۔

جب ہم تاریخ کی بڑی شخصیات کے آثار و باقیات، ان کے ملبوسات، متاع و اسباب کے جمع و اہتمام میں بڑی بڑی رقمیں خرچ کر ڈالتے ہیں۔ ان کے لئے میوزیم بناتے ہیں۔ خصوصی ماہرین کا انتظام کرتے ہیں۔ تو محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو سب سے زیادہ خصوصی توجہ اور اہتمام ہونا چاہئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو قیمتی وعزیز ترین مال اور جسم و جان کی قربانی بھی کچھ نہیں ہے ؎

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

شاہ خالد و شاہ فہد اور آثار و مشاہد قدیمہ

حکومت سعودی عرب نے اسلامی آثار و مشاہد اور تاریخی مقامات کے تحفظ کے لئے ادارۃ الآثار کے نام سے ایک خصوصی محکمہ قائم کیا ہے اور فرمان شاہی نمبر م/۲۶ و تاریخ ۲۲/۱۳۹۶ھ کی بنیاد پر اس کا ایک خصوصی نظام بنایا ہے۔

اس موضوع سے متعلق المجلس الاعلیٰ للآثار کے نام سے ایک بورڈ بھی بنایا ہے مجلس وزارت کی قرارداد نمبر ۲۳۵ ۔تاریخ ۲۱/۲/۱۳۹۸ھ کے مطابق وزیر تعلیم اس کے صدر اور مندوبین وزارت داخلہ و خزانہ و حج و اوقاف و اطلاعات و نشریات اس کے ممبران ہیں۔

نظام ادارۃ الآثار کی دفعہ چھ کے مطابق آثار و تاریخی مقامات کا تحفظ اور ان کی دیکھ بھال ہے۔

دفعہ سات میں آثار غیر منقولہ مثلاً تاریخی عمارتیں، چٹانیں، غار وغیرہ اور آثار منقولہ مثلاً سکے، مخطوطات، ملبوسات وغیرہ کی تفصیلات ہیں۔

دفعہ گیارہ میں آثار منقولہ و غیر منقولہ کو کسی قسم کا ضرر یا ان میں تبدیلی وغیرہ کی ممانعت ہے۔

دفعہ بارہ میں کسی تعمیر یا توسیع کے لئے ادارۃ الآثار سے اجازت لازمی قرار دی گئی ہے۔

سب کو معلوم ہے کہ نظام مذکور کی صراحت کے مطابق مساجد اور آثار نبوی و آثار صحابہ کرام کی طرف بدرجۂ اولیٰ توجہ و اہتمام کی ضرورت ہے۔

بلکہ یہی آثار مبارکہ سب سے زیادہ لائق ترجیح اور قابل احترام ہیں۔ اہل ایمان انہیں پر فخر کرتے ہیں۔ اور خلف کو سلف کی یاد دلانے میں انہیں کا سب سے اہم کردار ہے۔

شاہ خالد بن عبدالعزیز کے دربار کے بعض حاضر باش حضرات بتاتے ہیں کہ جب ایک

فتنہ پرداز نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مقدسہ کو مسجد نبوی سے الگ کرنے کی تجویز پیش کی تھی اور یہ تجویز شاہ خالد بن عبدالعزیز نے سُنی تو اس ناپاک تجویز کو مسترد کرتے ہوئے صاحبِ تجویز پر اپنی شدید ناراضگی کا اظہار کیا تھا۔

اور شاہ فہد بن عبدالعزیز کو جب معلوم ہوا کہ مسجد قبا کی توسیع کا جو نیا نقشہ بنایا گیا ہے اس سے موجودہ مسجد قباء کے قدیم آثار و نشانات مٹ جائیں گے۔ تو فوراً شاہ فہد نے حکم دیا کہ اس نقشہ کو کالعدم قرار دیا جائے اور ایسا نیا توسیعی نقشہ تیار کیا جائے جس سے قدیم آثار اور محراب و منبر محفوظ رہیں۔ مسجد کے دونوں اطراف اور پیچھے کی طرف توسیع کی جائے جس سے مسلمان نسلاً بعد نسلٍ آثار نبوی اور قدیم نشانات سے واقف ہوتے رہیں گے۔

شاہ فہد نے اس موقعہ پر یہ جملہ کہا تھا۔ من الخیران نزید فی مساجد اللہ ولا ننزل۔
سعودی اخبارات مثلاً المدینۃ اور الندوۃ وغیرہ نے اپنی اشاعت بروز شنبہ بتاریخ ۱۷ صفر ۱۴۰۵ھ شاہ فہد بن عبدالعزیز کا یہ انٹرویو تفصیل سے شائع کیا تھا۔

حجرۂ نبوی و گنبدِ خضراء

اور

محمد بن عبد الوہاب نجدی

شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کے بارے میں ان کے کچھ معاصرین کا خیال تھا کہ شیخ ابن عبد الوہاب مسجد نبوی سے حجرۂ نبوی کو الگ کرنے کی بات کرتے ہیں۔

اس خیال سے شیخ نے بالکل اتفاق نہیں کیا اور اظہار برارت کیا۔ اپنے بارے میں ایسا خیال رکھنے والوں سے ناراضگی کا اظہار بھی کیا۔ اہل مجمعۃ کے نام شیخ کا جو مکتوب ہے اس میں وہ خود لکھتے ہیں۔

جب یہ امر واضح ہوگیا تو جن مسائل کے پیش نظر میری تنقید و مذمت ہو رہی ہے۔ ان میں سے کچھ تو کھلے ہوئے بہتان ہیں۔ مثلاً یہ کہ میں:

(۱) کتب مذاہب (فقہیہ) کو باطل قرار دیتا ہوں۔
(۲) چھ سو سال سے لوگ مسلمان ہی نہیں ہیں۔
(۳) اجتہاد کا دعویٰ کرتا ہوں۔
(۴) تقلید سے اپنے آپ کو خارج سمجھتا ہوں۔
(۵) اختلاف علماء کو محض انتقامی چیز سمجھتا ہوں۔
(۶) صالحین سے توسل کرنے والوں کی تکفیر کرتا ہوں۔
(۷) بوصیری کی تکفیر کرتا ہوں۔ لقوله یا اکرم الخلق۔
(۸) طاقت حاصل ہونے پر حجرۂ نبوی کو منہدم کر دینے کی بات کرتا ہوں۔

(۹) طاقت حاصل ہونے پر خانۂ کعبہ کے موجودہ میزاب کے بدلہ لکڑی کا میزاب بنانے کی بات کرتا ہوں۔

(۱۰) زیارت قبر نبوی کا انکار کرتا ہوں۔

(۱۱) والدین وغیرہما کی زیارت قبر کا انکار کرتا ہوں۔

(۱۲) غیراللہ کی قسم کھانے والوں کی تکفیر کرتا ہوں۔

یہ کُل بارہ الزامات مجھ پر عائد کئے جاتے ہیں جن کے جواب[۱] اور صفائی میں میں صرف یہی کہوں گا کہ — سبحٰنک ھٰذا بھتان عظیم۔ (الرسالۃ الشخصیۃ۔ القسم الخامس ص ۶۳۔ والدرر السنیۃ ج ۱ ص ۵۲)

شیخ کے بارے میں کہا گیا کہ وہ گنبد خضراء کو منہدم اور اسے مسمار کرنے کی بات کرتے ہیں لیکن شیخ نے پوری قوت کے ساتھ اس کی نفی کی۔ اظہار برارت کیا اور اپنے بارے میں ایسا کہنے والوں پر ناراضگی ظاہر کی۔ اپنے رسائل میں کئی جگہ اپنی صفائی دی ہے۔ چنانچہ اہل قصیم کے نام اپنے خط میں لکھتے ہیں:

میں نے اپنی الجھنوں کے باوجود یہ مختصر عقیدہ اس امید پر تحریر کردیا ہے کہ آپ لوگ میرے صحیح عقائد سے مطلع ہو جائیں۔ واللہ علی ما نقول وکیل۔

واضح رہے کہ شیخ سلیمان بن سحیم کا خط مجھے ملا ہے جو آپ تک بھی پہونچ چکا ہے۔ اسے آپ کے کچھ مدعیان علم نے قبول کیا ہے اور اس کی تصدیق بھی ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ اس شخص نے میرے اوپر ایسی باتوں کا الزام لگایا ہے جنہیں میں نے کہا ہی نہیں ہے اور ان میں سے اکثر چیزوں کا میرے دل میں خیال بھی نہیں آیا ہے۔

مجھ پر یہ افتراء کیا جاتا ہے کہ میں:

(۱) کتب مذاہب اربعہ کو باطل قرار دیتا ہوں۔

(۲) چھ سو سال سے لوگ مسلمان ہی نہیں۔

(۳) اجتہاد کا دعویٰ کرتا ہوں۔

(۴) تقلید سے اپنے آپ کو خارج سمجھتا ہوں۔

(۵) اختلافِ علماء کو محض انتقامی چیز سمجھتا ہوں۔

(۶) صالحین سے توسل کرنے والوں کی تکفیر کرتا ہوں۔

---

[۱] ان ھذا الشیئ عجاب۔ ایسا لگتا ہے کہ ع جناب شیخ کا نقش قدم یوں بھی ہے اور یوں بھی۔ اختر مصباحی

(۷) یا اکرم الخلق کہنے کی وجہ سے بوصیری کی تکفیر کرتا ہوں۔

(۸) طاقت حاصل ہونے پر قبۂ رسول منہدم کرنے کی بات کرتا ہوں۔

(۹) طاقت حاصل ہونے پر موجودہ میزابِ کعبہ کی جگہ لکڑی کا میزاب بنانے کی بات کرتا ہوں۔

(۱۰) زیارت قبر نبوی کو حرام سمجھتا ہوں۔

(۱۱) والدین وغیرہما کی زیارت قبر کا انکار کرتا ہوں۔

(۱۲) غیر اللہ کی قسم کھانے والوں کی تکفیر کرتا ہوں۔

(۱۳) ابن الفارض اور ابن عربی کی تکفیر کرتا ہوں۔

(۱۴) دلائل الخیرات اور روض الریاحین کو جلا دیتا ہوں اور روض الریاحین کو روض الشیاطین کہتا ہوں۔

ان سب کا جواب میرے پاس صرف یہ ہے کہ۔ سبحنك هذا بهتان عظيم.

(مجموعة مؤلفات الشيخ محمد بن عبد الوهاب - القسم الخامس - الرسالة الاولى من الرسائل الشخصية ص ۱۲ - فی الدرر السنية الجزء الاول ص ۲۸)

شیخ سویدی عراقی نے ایک خط لکھ کر شیخ محمد بن عبد الوہاب سے معلوم کرنا چاہا کہ آپ کے بارے میں طرح طرح کی باتیں سننے میں آرہی ہیں۔ حقیقتِ حال سے آگاہ کیجئے۔ ان کے خط کے جواب میں اپنے اوپر عائد ہونے والے الزامات کی تردید کرتے ہوئے شیخ نے لکھا۔

اشاعتِ بہتان ایسی چیز ہے کہ اس کی نقل سے مرد عاقل کو شرم آنی چاہئے۔ نہ یہ کہ افترا کیا جائے۔ آپ کے ذکر کردہ الزامات میں سے یہ الزام بھی ہے کہ میں اپنے متبعین کے علاوہ سب کی تکفیر کرتا ہوں۔ اور یہ سمجھتا ہوں کہ ان کا نکاح صحیح نہیں ہے۔

یا للعجب! کسی صاحب عقل کے ذہن میں یہ بات کیسے آسکتی ہے۔ کیا یہ بات کوئی مسلمان یا کافر یا مرد عاقل یا مجنوں کہہ سکتا ہے؟

آپ کے ذکر کردہ الزامات میں سے میرے اوپر یہ بھی محض الزام ہے کہ میں طاقت حاصل ہونے پر قبۂ رسول کو منہدم کر دینے کی بات کرتا ہوں۔

دلائل الخیرات کو جلانے اور کسی بھی لفظ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے

کی ممانعت کا میری طرف انتساب صرف بہتان ہے۔

اپنی پند و نصیحت قبول کرنے والے بھائیوں کو میں نے یہ مشورہ اور ہدایت ضرور دی ہے کہ دلائل الخیرات کا احترام ان کے دل میں کتاب اللہ سے زیادہ نہ ہونے پائے اور یہ گمان کر بیٹھیں کہ دلائل الخیرات کتاب اللہ سے زیادہ قابل تعظیم و احترام ہے۔

(مجموعة مؤلفات الشيخ محمد بن عبد الوهاب - القسم الخامس- في الرسائل الشخصية ص ٣٧- الرسالة الخامسة في الدرر السنية الجزء الاول ص ٥٤)

شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کا مندرجہ بالا موقف مبنی بر حکمت و صواب ہے۔ اپنے اوپر عائد شدہ الزامات کا شیخ نے متانت و سنجیدگی سے جواب دے کر اپنا دفاع کیا ہے۔ امر و نہی و دعوت و ارشاد کے فریضہ سے منسلک موجودہ علماء و مبلغین کے لئے یہ طرز عمل قابل توجہ ہے۔

مسئلہ گنبد خضراء پر میں نے کچھ تحقیق کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کی تکمیل اور طباعت و اشاعت کا کام آسان فرمائے۔ آمین۔

فوائد اجتماعات

مسلمانوں کا روایتی طریقہ ہے کہ وہ متعدد تاریخی تقریبات سال کے مختلف ایام میں کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم و معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم و شب چودھویں شعبان المعظم و ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و نزول قرآن کریم و غزوۂ بدر کے یادگاری اجتماعات منعقد کرتے ہیں۔

یہ یادگاری اجتماعات امور عادیہ میں داخل ہیں۔ دینی احکام سمجھ کر مشروع یا مسنون نہیں کہا جائے گا۔ نہ ہی دینی اصول وضوابط میں سے کسی اصل وضابطہ سے ان اجتماعات کا کوئی تعارض ہے۔ خطرہ کی بات اس وقت ہوگی جب کسی غیر مشروع چیز کو مشروع سمجھ لیا جائے اور یہاں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

میرے نزدیک اس طرح کے امور عادیہ عرفیہ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ شارع کو یہ امور پسند یا ناپسند ہیں۔ اس اصولی بات پر سب کا اتفاق ہے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں۔ ان تقریبات میں بطور یادگار لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے لیکن ان کے لئے لازمی تعیین و توقیت غلط ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ شب ۱۲ ربیع الاول میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور شب ۲۷ رجب میں معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد منانے کے لیے مسلمان عادۃً اجتماعات کیا کرتے ہیں۔ حالاں کہ ان دونوں واقعات کی لازمی ویقینی تعیینِ وقت میں علماء کا اختلاف ہے۔

میں کہتا ہوں کہ تعیینِ وقت کے سلسلے میں علماء کے عدم اتفاق سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ کسی وقت مخصوص میں اجتماع کو محدود ومقید کرنے کی مشروعیت کے ہم قائل نہیں۔ کسی اجتماع کے لئے کوئی وقت مقرر کرنا تو ایک امر عادی ہے جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔

انعقاد اجتماعات کا فائدہ اٹھانا اور خیر و سعادت کی طرف اجتماعات کا رُخ موڑنا یہ ہمارے لئے قابل توجہ پہلو ہے۔

اس سے قطع نظر کہ ان مبارک راتوں میں مسلمانوں نے وقت کی صحیح تعیین کی یا نہیں۔ ذکرِ الٰہی اور محبت نبوی میں مسلمانوں کا اجتماع ہی اس سعادت کا ضامن ہے کہ ان پر اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوگا۔

میرا مکمل یقین و اذعان ہے کہ مسلمانوں کے یہ اجتماعات اگر خالصۃً لوجہ اللہ ہیں تو تعیین وقت میں غلطی کے باوجود وہ اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہیں۔

اس بات کو ایک مثال سے سمجھیں۔ کسی شخص نے دعوتِ ولیمہ کا ایک دن متعین کیا۔ چند مدعو حضرات وقتِ دعوت سے کچھ پہلے ہی یہ سمجھ کر داعی کے گھر پہونچ گئے کہ یہی دعوت کا وقت ہے۔ اب آپ مجھے بتائیں کہ کیا صاحبِ خانہ ان کے ساتھ بے رُخی و بدتمیزی کر کے انہیں دھتکار دے گا اور یہ کہے گا کہ جاؤ بھاگ جاؤ یہاں سے۔ دعوتِ ولیمہ کے صحیح وقت پر تم لوگ نہیں آئے۔ یا وہ صاحبِ خانہ ان کے ساتھ خندہ پیشانی و حسنِ اخلاق سے پیش آتے ہوئے ان کی تشریف آوری کا شکر گزار ہوگا۔ اور اپنا دروازہ کھول کر انہیں خوش آمدید کہے گا۔ ان کے ساتھ عزت سے پیش آئے گا۔ اور پھر ان سے دوبارہ وقتِ متعین پر تشریف ارزانی کی درخواست کرے گا۔

میں سمجھتا ہوں کہ ہر کریم میزبان یہی دوسرا طریقہ اختیار کرے گا۔ تو پھر اللہ تبارک و تعالیٰ جو اپنے بندوں پر نہایت رحیم و مہربان ہے۔ اس کے فضل و عطاء اور کرم و احسان کی شان کیا ہوگی؟ اور اس کے بابِ رحمت سے کوئی سائل خالی ہاتھ کیسے واپس آسکتا ہے؟

ع کریم کا کرم بے حساب کیا کہنا

میلادِ نبوی یا معراجِ نبوی یا ایسی کسی یادگار کے لئے اجتماع کیا تو اصلی وقت کی تعیین زیادہ اہم بات نہیں۔ کیونکہ وہ وقت واقعۃً وہی ہے جس میں یہ اجتماع ہو رہا ہے تو سُبحان اللہ! اور اگر ایسا نہیں تو بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات سے یہی امید ہے کہ نہ اس کا بابِ رحمت بند ہوگا اور نہ ہی وہ اپنے جود و نوال و عنایتِ کریمانہ سے محروم رکھے گا۔

میرے نزدیک تو نفس یادگار کے فائدہ سے بھی بڑا فائدہ یہ ہے کہ ان اجتماعات سے فائدہ

اٹھاتے ہوئے ان کے درمیان ذکر و عبادتِ الٰہی کی جائے۔ توبہ و انابت اور دعاء کی جائے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے انوار و تجلیات و برکات وحسنات سے اپنے خالی دامن بھر لئے جائیں۔

ان اجتماعات میں شریک مسلمانوں کو ارشاد و ہدایت و پند ونصیحت و امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیناہی بہتر ہے۔ نہ یہ کہ انہیں خواہ مخواہ روکا جائے اور ایسے اجتماعات پر غیر مفید تنقید و مذمت کی جائے۔ کیوں کہ تجربہ و مشاہدہ یہ ہے کہ زیادہ تنقید و شدت پسندی سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ لوگ وہ کام اور زیادہ ہی کرنے لگتے ہیں اور ان کی دلچسپی میں اضافہ ہی ہوجاتا ہے۔ گویا ایسی تنقید و مذمت کرنے والا شخص اپنے طرز عمل سے ان کے لئے غیر شعوری طور پر خود ہی مددگار ثابت ہوتا ہے اور انہیں ان کے کام میں متحرک بنا دیتا ہے۔

آج کل اپنے خیالات پیش کر کے لوگوں کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے ذہین و دور اندیش اصحاب فکر و دعوت کی شدید خواہش و تمنا ہوتی ہے کہ وہ مجالس و محافل اور لوگوں کے اجتماعات میں شریک ہوں۔ اسی لئے وہ پارکوں، کلبوں اور عوامی جگہوں پر چکر لگاتے رہتے ہیں تاکہ لوگوں کے کثیر مجمع میں اپنا پیغام پیش کر سکیں۔

اور ہم جب یہ دیکھیں کہ شوق و دلچسپی و عزم و حوصلہ کے ساتھ متعدد تقریبات کے لئے خود اجتماعات منعقد کر رہے ہیں تو ان کے تعلق سے ہماری ذمہ داری اور ہمارا فرض کیا ہے؟

اجتماعات وغیرہ کے لئے تنقید و شدت پسندی اور سخت پالیسی اپنانا بے کار و بے سود بلکہ جہالت و حماقت ہے کیوں کہ یہ ایک عظیم خزانہ کا ضیاع اور ناقابل تلافی نقصان ہے اور ایسے قیمتی مواقع کا خود اپنے ہاتھ سے کھونا ہے جو دوبارہ واپس ملنے والے نہیں۔ اور اگر ملیں گے تو انہیں یادگاری تقریبات کے اجتماعات کے ذریعہ۔ اس لئے ہمیں ان اجتماعات سے بھرپور فائدہ حاصل کرتے ہوئے اپنی دینی ذمہ داریاں نبھانی چاہئیں۔

محافلِ میلادُالنبیؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم جس کی ہم دعوت و ترغیب دیتے ہیں اس کی حقیقت بہت سے لوگ نہیں سمجھ پاتے۔ اور اپنے ذہن میں طرح طرح کے فاسد تصورات قائم کرکے ان کی بنیاد پر طویل مباحث و مسائل کی عمارت تعمیر کر ڈالتے ہیں۔ اور اس بے بنیاد بحث میں اپنا اور دوسروں کا وقت ضائع کرتے رہتے ہیں۔

میلاد نبوی کے موضوع پر میں بہت لکھ چکا ہوں نشریات اور عام مجالس میں بھی گفتگو کر چکا ہوں جن سے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں میرے خیالات منظر عام پر آ چکے ہیں۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور اب بھی کہہ رہا ہوں کہ میلاد نبوی شریف کے لئے مجلس واجتماع منعقد کرنا ایک امر عادی ہے۔ اپنی حقیقت کے اعتبار سے عہد رسالت و دور صحابہ کی عبادت مشروعہ نہیں ہے۔ ہمارے خیال اور فکر کا بس یہ خلاصہ ہے۔ آگے جسے جو سمجھنا ہو وہ سمجھتا رہے۔ انسان صرف اپنا اور اپنی باتوں کا ذمہ دار ہے کسی دوسرے کا نہیں۔ میں ہر محفل و مجلس اور ہر تقریب میں کہتا رہتا ہوں کہ اس کیفیت کے ساتھ محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انعقاد امر عادی ہے۔ عبادت مشروعہ نہیں ہے۔ اب اس کے بعد کسی منکر و معترض کے لئے انکار و اعتراض کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟

مصیبت یہ ہے کہ لوگ اصل حقائق نہیں سمجھتے اور بے سروپا باتیں کرتے رہتے ہیں۔ اسی لئے امام شافعی فرماتے ہیں۔ جب بھی کسی عالم سے میرا مباحثہ ہوا میں اس پر غالب رہا لیکن جب کسی جاہل سے سابقہ پڑا تو وہی مجھ پر غالب آ گیا۔

ادنیٰ طالب علم بھی عادت و عبادت اور ان دونوں کے حقائق کا فرق جانتا ہے۔ جب کوئی شخص کہے کہ فلاں چیز اپنی اس کیفیت کے ساتھ عبادت مشروعہ ہے ___ تو اس سے دلیل طلب

کی جائے۔ اور جب وہ کہے یہ امر عادی ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ۔ تمہاری مرضی! کیوں کہ فساد و خطرہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کسی بدعت غیر مشروعہ کو عبادت مشروعہ قرار دیا جائے۔ اور ایسی جرأت و جسارت کو ہم اختلاف و ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اس کے ازالہ کی بھی کوشش کرتے ہیں۔

غرضیکہ مولد نبوی شریف کے لئے انعقاد محفل ایک امر عادی ہے۔ لیکن بزم میلاد النبی منعقد کرنے کی یہ عادت خیر و صلاح پر مبنی اور ایسے منافع و فوائد پر مشتمل ہے جس سے مسلمانوں کو برکت و سعادت حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کے اجزاء محمود اور شرعاً مطلوب ہیں۔

کچھ لوگوں کا یہ فاسد گمان ہے کہ سال کے دیگر ایام کی بجائے مسلمان ایک مخصوص شب ہی میں محفل میلاد منعقد کرتے ہیں۔

ان غافلوں کو یہ پتہ نہیں کہ مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ میں سال کے ہر دن ہر موسم اور ہر خوشی کے موقع پر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلیں منعقد کی جاتی ہیں۔ مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ میں کوئی دن یا کوئی رات ایسی نہیں گزرتی جس میں انعقاد محفل میلاد نہ ہو۔ اسے جاننے والے خوب جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے وہ نہیں جانتے۔

جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ ہم صرف ایک رات میں ذکر نبی کرتے ہیں، باقی راتوں میں نہیں۔ تین سو انسٹھ راتیں ہم غفلت میں گزار دیتے ہیں۔ ایسا شخص مفتری و کذاب ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل و کرم سے سال کی ہر رات میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلیں سجائی جاتی ہیں۔ کوئی دن یا کوئی رات ایسی نہیں گزرتی جس میں کہیں نہ کہیں کوئی محفل میلاد نہ ہو۔

ہم بڑی صراحت کے ساتھ صاف صاف کہتے ہیں کہ سال کے دیگر ایام کو چھوڑ کر صرف ایک شب میں محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص کر دینا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بہت بڑی جسارت اور جفا کاری ہے۔

بحمدہ تعالیٰ مسلمان اس حقیقت کو خوب اچھی طرح سمجھتے ہیں اس لئے بڑے شوق فراواں اور جذبۂ بیکراں کے ساتھ سال بھر بزم میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم آراستہ کرتے رہتے ہیں۔

اور جس شخص کا یہ گمان فاسد ہو کہ ہم محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ کے ساتھ تخصیص کرتے ہیں. وہ نہایت جاہل ہے یا تجاہل عارفانہ سے کام لے رہا ہے۔ ایسے شخص کے لئے دعا ہی کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت و نور بصیرت دے تا کہ اس کی جہالت کا حجاب اٹھ جائے۔ اور وہ یہ سمجھ سکے محفل میلاد النبی کا انعقاد مدینہ منورہ کے لئے مخصوص ہے نہ کسی ایک رات کے لئے نہ کسی ایک مہینہ کے لئے اسے خاص کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ یہ ہر زمان و مکان کے لئے عام ہے اور اس کے جواز و عموم کے لئے کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں۔ ع آفتاب آمد دلیل آفتاب۔

خلاصہ یہ کہ ہم صرف کسی ایک رات کے لئے انعقاد محفل میلاد کے جواز کی کبھی بات ہی نہیں کرتے۔ اور جو شخص صرف کسی ایک رات کے لئے جواز محفل میلاد کا قائل ہے وہ مبتدع فی الدین ہے۔ کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر و تعلق خاطر ہر وقت لازم ہے۔ اور ہر مسلمان کا دل ہر لمحہ جذبات محبت رسول سے لبریز ہونا ضروری ہے۔

ھاں ! ماہ ربیع الاول شریف میں محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منعقد کرنے کا جذبہ ابھر آتا ہے اور داعیہ کچھ زیادہ بیدار و قوی ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں کی دلچسپی بڑھ جاتی ہے اور ان کے جذبات ٹھاٹھیں مارنے لگتے ہیں۔ کیونکہ زمانہ کا زمانہ سے ربط و تعلق ہوتا ہی ہے۔ حال کے ذریعہ ماضی کی یاد آجاتی ہے اور حاضر کو دیکھ کر غائب کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہے۔

یہ محافل و اجتماعات دعوت الی اللہ کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ ایسے قیمتی اور زریں مواقع ضائع نہیں کئے جاتے۔ علماء و مبلغین کا فرض ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و آداب، سیرت و کردار اور عبادات و معاملات کو امت کے سامنے بیان کرتے رہیں۔ اسے دعوت صلاح و فلاح دیتے رہیں۔ وعظ و نصیحت سے نوازتے رہیں۔ ہدایت و رہنمائی فرماتے رہیں۔ اور خرافات و منکرات سے اسے محفوظ رکھ کر شرور و آفات سے بچاتے رہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر مجالس و اجتماعات خیر و برکت میں شرکت اور مسلمانوں کی ہدایت و ارشاد کا فریضہ انجام دیتا رہتا ہوں۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ ان محافل و اجتماعات کا مقصد صرف اجتماعات و مظاہر نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی حیثیت ایک مبارک مقصد کے لئے ایک مبارک ذریعہ کی ہے۔ اور وہ فلاں فلاں مقاصد

خبر ہیں۔ اور جو شخص کوئی دینی فائدہ نہ حاصل کر پائے وہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت و سعادت سے محروم ہے۔

اس موضوع پر جو دلائل ہیں انہیں لکھ کر میں یہ بحث طویل نہیں بنانا چاہتا۔ کیوں کہ "حول الاحتفال بالمولد النبوی الشریف"[۱] کے نام سے میں الگ سے ایک مستقل رسالہ لکھ چکا ہوں۔

البتہ ثویبہ کو آزاد کرنے کے واقعہ پر کچھ لوگ چہ می گوئی کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے اس واقعہ سے متعلق مختصر طور پر یہاں چند سطریں لکھی جا رہی ہیں۔

ثویبہ کو آزاد کرنے کا واقعہ

کتب حدیث و سیرت میں ابولہب کی لونڈی ثویبہ کو آزاد کرنے کا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جب ثویبہ نے پیغمبر اسلام محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشخبری ابولہب کو سنائی تو اس نے اسے آزاد کر دیا۔ اسی طرح عباس بن عبدالمطلب کے ایک خواب کا بھی واقعہ ہے کہ انہوں نے ابولہب کے مرنے کے بعد اسے خواب میں دیکھا اور اس کا حال پوچھا تو اس نے کہا۔ مرنے کے بعد میں نے اپنے لئے کوئی خیر نہیں پایا۔ سوائے اس کے کہ ثویبہ کو آزاد کرنے کے صلہ میں میری کچھ پیاس بجھ جاتی ہے اور ہر دوشنبہ کو میرے عذاب میں کمی کر دی جاتی ہے۔

متعدد ائمہ حدیث و سیرت نے اس کی روایت کی ہے۔ مثلاً امام عبدالرزاق صنعانی۔ امام بخاری۔ حافظ ابن حجر۔ حافظ ابن کثیر۔ حافظ بیہقی۔ ابن ہشام۔ سہیلی۔ حافظ بغوی - ابن دیبع - اشخر۔ عامری۔

---

[۱] حول الاحتفال بالمولد النبوی الشریف از فضیلۃ الشیخ سید محمد بن علوی مالکی مطبوعہ جدہ ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء کا اردو ترجمہ جنوری ۱۹۹۳ء میں ریاض سعودی عرب کے زمانہ قیام میں کر چکا ہوں جشن میلاد النبی کے نام سے یہ ترجمہ المجمع الاسلامی مبارک پور ضلع اعظم گڑھ۔ (انڈیا) سے کئی بار شائع ہو چکا ہے۔ یٰسٓ اختر مصباحی

امام عبدالرزاق صنعانی نے مصنف ج ۷ ص ۴۷۸ میں اس کی روایت کی ہے۔
امام بخاری نے صحیح بخاری کتاب النکاح باب و امھاتکم اللاتی ارضعنکم میں اس کی روایت کی ہے۔ واسنادہ الی عروۃ بن الزبیر مرسل۔
حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اسے ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ اسماعیلی نے بطریق ذھلی ابوالیمان سے اس کی روایت کی ہے۔ اور عبدالرزاق نے معمر سے روایت کی ہے۔
اور لکھا ہے کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کو آخرت میں عمل صالح سے فائدہ پہنچتا ہے۔ لیکن یہ بات ظاہر قرآن حکیم کے خلاف ہے۔ کیوں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔
وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا۔ (فرقان-۲۳)
اور ان کے اعمال کی طرف ہم نے قصد کیا تو انہیں باریک غبار کے بکھرے ذرے بنا دئے۔
اس کے دو جوابات ہیں۔
(۱) خبر مرسل ہے۔ عروہ بن زبیر نے یہ نہیں ذکر کیا کہ ان سے کس نے حدیث بیان کی۔ اگر اسے موصول مان لیا جائے تو خبر میں خواب کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور خواب حجت نہیں اور شاید خواب دیکھنے والے نے اس وقت تک اسلام نہیں قبول کیا تھا اس لئے اس کی بات سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔
(۲) خواب کا واقعہ مان لینے کی شکل میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خصوصی فضیلت ہے۔ جیسا کہ ابوطالب کا واقعہ ہے کہ ان کے عذاب میں تخفیف کر دی گئی۔ اور انہیں جہنم کے طبقۂ غمرات سے طبقۂ ضحضاح کی طرف منتقل کر دیا گیا۔
امام بیہقی لکھتے ہیں۔
کفار کو خیر نہ پہنچنے کے سلسلے میں جو وارد ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جہنم سے چھٹکارا نہیں پائیں گے اور جنت میں نہیں داخل ہوں گے۔ اور یہ ہو سکتا ہے کہ جتنے عذاب کے مستحق ہیں اس میں تخفیف ہو جائے۔ کفر کے علاوہ جن ذنوب و جرائم کے وہ مرتکب ہو چکے ہیں ان میں ان کے اعمال خیر کی وجہ سے تخفیف ہو سکتی ہے۔
قاضی عیاض لکھتے ہیں۔

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ کفار کے اعمال ان کے لیے نفع بخش نہیں ہوں گے۔ انہیں جنت میں نہیں داخل کیا جائے گا اور کسی عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی۔ اگر چہ کسی کا عذاب زیادہ ہوگا اور کسی کا کم ہوگا۔

میں کہتا ہوں کہ اس سے امام بیہقی کے ذکر کردہ احتمال اور گنجائش کی تردید نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ جو کچھ وارد ہے وہ کفر سے متعلق ہے۔ کفر کے علاوہ کوئی گناہ ہے تو اس کے عذاب میں تخفیف سے کیا چیز مانع ہے؟

امام قرطبی لکھتے ہیں۔

تخفیف عذاب صرف اس واقعہ اور جس کے لیے کوئی نص وارد ہے اس کے ساتھ مخصوص ہے۔

ابن منیر اپنے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ یہاں دو امور ہیں۔

(۱) کفر کے ساتھ کافر کی طاعت کا اعتبار محال ہے۔ اس لیے کہ طاعت کی شرط یہ ہے کہ وہ قصد صحیح کے ساتھ ہو جو کافر میں مفقود ہے۔

(۲) کافر کے بعض اعمال خیر کا ثواب اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے عطا فرمادے تو یہ ممکن ہے اس میں کوئی عقلی استحالہ نہیں۔

جب یہ دونوں امور سامنے آگئے تو یہ سمجھئے کہ ابولہب نے ثویبہ کو آزاد کیا تو نہ اس کی نیت طاعت وتقرب کی تھی نہ ہی اس کا کوئی اعتبار تھا۔

بس اللہ جس پر چاہے اپنا فضل فرمادے۔ جیسا کہ ابوطالب پر اس کا فضل ہوا۔ اور اصل یہ ہے کہ اس سلسلے میں نفی واثبات دونوں صورتوں میں اعتبار صرف توقیفی ہے۔

میں کہتا ہوں۔ اس کا تمتہ یہ ہے کہ جس کے لیے کافر سے نیکی وغیرہ صادر ہو اس کے اعزاز واکرام میں اللہ کا یہ فضل ہے۔ واللہ اعلم۔ اھ۔ فتح الباری ج ۹ ص ۱۴۵۔

حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں اس واقعہ کی روایت کرتے ہیں۔ اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ابولہب نے اپنے بھتیجہ محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشخبری ثویبہ کی زبان سے سن کر اسے فوراً آزاد کر دیا۔ اس لیے اسے یہ صلہ ملا۔ اھ۔ السیرۃ النبویۃ لابن کثیر ج ۱ ص ۲۲۴۔

حافظ عبدالرحمن بن دیبع شیبانی مؤلف جامع الفصول اپنی کتاب سیرت میں اس واقعہ کو نقل کرکے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

ابولہب کے عذاب میں تخفیف محض اعزاز واکرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہوئی ۔ جیسے کہ ابو طالب کے عذاب میں تخفیف ہوئی ۔ ثویبہ کو آزاد کرنا باعث تخفیف عذاب نہیں بلکہ یہ محض تعظیم و احترام رسول ہے ۔ ورنہ اعمال کفار کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔

وَحَبِطَ مَاصَنَعُوْا فِيْهَا وَ بَاطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (ھود - ۱۶)

اوران کا کیا ہوا ضائع ہوا اوران کے اعمال بیکار ہوئے ۔

حدائق الانوار فی السیرۃ ج ۱ ص ۱۲۴ ۔

حافظ بغوی نے ثویبہ کو آزاد کرنے کا واقعہ شرح السنۃ ج ۹ ص ۷۶ میں تحریر کیا ہے ۔

امام عامری نے بہجۃ المحافل میں اسے نقل کیا ہے اوراس کے شارح اشخر نے اپنی شرح میں لکھا ہے ۔

کہا گیا کہ ابولہب کے لئے یہ تخفیف عذاب خاص ہے جو محض اعزاز واکرام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے ۔ جیسے آپ کی وجہ سے ابوطالب کے عذاب میں تخفیف ہے ۔

اور کہا گیا کہ جو کافر عمل خیر کرے اس کے عذاب میں تخفیف ممکن ہے ۔ اھ

من شرح البہجۃ ج ۱ ص ۴۱ ۔

سہیلی نے الروض الانف شرح السیرۃ النبویۃ لابن ہشام میں اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے ۔

جہنم میں رہتے ہوئے ابولہب کو یہ فائدہ حاصل ہے جیسے اس کے بھائی ابوطالب کو فائدہ پہنچا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تحفظ ودفاع کرنے کی وجہ سے اہل جہنم میں سے سب سے کم عذاب دیا جاتا ہے ۔

ابوطالب کے سلسلے میں گزر چکا ہے کہ اس نفع وفائدہ کا مطلب یہ ہے کہ ان کے عذاب میں تخفیف ہے ۔ ورنہ بلا اختلاف یہ امر متحقق ہے کہ کافر کے سارے اعمال ضائع ہوجاتے ہیں ۔ یعنی یہ اعمال اس کے میزان میں وزن ہوں گے نہ اسے اس کی وجہ سے جنت میں داخل کیا جائے گا ۔

اھ۔ الروض الانف ج ۵ ص ۱۹۲۔

حاصل بحث

حاصل بحث یہ ہے کہ یہ واقعہ کتب احادیث و سیر میں مشہور ہے۔ اسے مستند و معتبر حفاظ حدیث نے نقل کیا ہے۔ امام بخاری جن کی عظمت و جلالت شان پر سب کا اتفاق ہے انہوں نے بھی صحیح بخاری میں اسے نقل کیا ہے۔ ان کی اسناد بھی صحیح ہیں جن میں کوئی کلام نہیں۔

معلقات، مرسلات سب کی روایتیں مقبول ہوا کرتی ہیں ان سب کو رد نہیں کیا جاتا۔ احادیث و اصطلاحات اور ماہرین مطالب و مفاہیم معلقات و مرسلات اس اصول سے اچھی طرح واقف ہیں کہ جب صحاح میں معلقات و مرسلات منقول ہوں تو ان کی حیثیت اور ان کا حکم کیا ہے۔

کتب اصطلاحات مثلاً الفیہ سیوطی و عراقی اور ان کی شرحیں اور تدریب الراوی کا مطالعہ کریں آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ کیوں کہ ان حضرات نے اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے اور بتلایا ہے کہ صحیح میں منقول ہونے والی حدیث معلق و مرسل کی حیثیت کیا ہے اور یہ بھی بتلایا ہے کہ محققین کے نزدیک یہ مقبول ہیں۔

پھر یہ بھی ایک قابل لحاظ پہلو ہے کہ یہ مسئلہ فضائل و مناقب سے متعلق ہے۔ کتب خصائص و سیر میں علماء فضائل و مناقب کا ذکر کرتے ہوئے کچھ تساہل بھی کر جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ صحیح بالمعنی الاصطلاحی کی شرط اس سلسلے میں نہیں لگاتے۔ اور اگر ذکر خصائص و سیر اس شرط شاذ کے ساتھ مشروط کر دیا جائے تو قبل بعثت و بعد بعثت کی سیرت بیان کرنا ہی ہمارے لئے مشکل ہو جائے۔ حالاں کہ وہ حفاظ و ائمۂ حدیث و اساطین علم و فضل جن کی خدمات ہمارا سرمایۂ افتخار ہیں۔ جن کے ذریعہ ہمیں حدیث ضعیف کے مواقع ذکر و عدم ذکر کا علم ہوا ان کی کتابوں کا مطالعہ کرتے وقت ہم دیکھتے ہیں کہ خصائص رسول صلی اللہ علیہ وسلم تحریر کرنے میں انہوں نے مقطوعات و مرسلات اور کاہن وغیرہ کے بیانات جگہ جگہ شامل کئے ہیں۔ کیوں کہ باب فضائل و مناقب میں ان کا ذکر جائز ہے۔

معترضین کا یہ اعتراض کہ ثویبہ کے آزاد کرنے پر تخفیف عذاب سے متعلق حدیث ارشاد باری تعالیٰ ۔ وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ھباء منثورا۔ کے معارض ہے۔

یہ اعتراض نا قابل قبول ہے۔ جیسا کہ اس سلسلے میں اقوال وارشادات علماء نقل کئے جا چکے ہیں۔

مفسرین کرام آیت مذکورہ کا یہ مطلب بتلاتے ہیں کہ اعمال کفار کی طرف اللہ کی نظر رحمت نہیں ہوگی۔ اس میں یہ نہیں فرمایا گیا ہے کہ سارے کفار عذاب میں برابر ہوں گے۔ نہ ہی یہ فرمایا گیا ہے کہ کسی کافر کے عذاب میں کوئی تخفیف نہیں ہوگی۔

قاضی عیاض کا نقل کردہ اجماع بھی عموم کفار کے سلسلے میں ہے۔ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کافر کے عمل کی وجہ سے اس کے عذاب میں کوئی تخفیف نہیں کرے گا۔ جہنم کے تو اللہ تعالیٰ نے اسی لئے مختلف طبقات بنائے ہیں کہ اپنے عمل کے حساب سے وہ الگ الگ طبقات میں ہوں گے اور منافق سب سے نچلے طبقہ میں رہیں گے۔

پھر یہ کہ ایسا اجماع تو نص صریح کے معارض ہوگا۔ اور اہل علم جانتے ہیں کہ نص صریح کے معارض کوئی اجماع صحیح نہیں ہو سکتا ہے۔

حدیث صحیح میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ابو طالب جو ہر وقت آپ کا ساتھ دیتے تھے اور آپ کا دفاع کرتے تھے۔ کیا آپ نے انہیں کچھ فائدہ پہنچایا؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔ میں نے انہیں جہنم کے طبقۂ غمرات میں پایا تو اس میں سے میں نے انہیں نکال کر ضحضاح میں منتقل کر دیا۔

ابو طالب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہر طرح دفاع کیا تو آپ نے انہیں یہ فائدہ پہنچایا کہ جہنم کے طبقۂ غمرات سے نکال کر ضحضاح میں پہنچا دیا۔

ابو لہب کے عذاب کی تخفیف بھی اسی قبیل سے ہے جس میں کوئی حرج نہیں۔

اور حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ ان کفار کے بارے میں ہے جن کا کوئی ایسا عمل نہ ہو جو تخفیف عذاب کا باعث بن سکے۔ اسی مفہوم ومطلب کے مطابق علماء کا اجماع بھی ہے۔

ابو طالب سے متعلق حدیث مذکور سے ایک کتنی ایمان افروز بات معلوم ہوئی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی تصرف فرماتے ہیں۔ اور قیامت سے پہلے اور آخرت میں بھی تصرف فرماتے ہیں۔ اور جو شخص آپ سے محبت رکھے اور آپ کی طرف سے دفاع کرے اس کی شفاعت بھی فرماتے ہیں۔

معترض کا یہ اعتراض کرنا کہ اس خبر میں خواب کا واقعہ ہے اور خواب سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا۔

اے اللہ ہدایت دے وہ احکام شرعیہ وغیر شرعیہ کے درمیان فرق پر نظر نہیں رکھ پا رہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب سے استنباط مسائل شرعیہ وتصحیح اخبار جائز ہے یا نہیں اس سلسلے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

اور غیر مسائل شرعیہ میں خواب پر اعتبار و اعتماد میں مطلقاً کوئی حرج نہیں۔ حفاظ حدیث نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ اور قبل بعثت نبوی اہل جاہلیت کے خواب جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور اور اہل جاہلیت کے شرک وفساد کے خاتمہ کی خبریں ہیں۔ ان کا ذکر انہوں نے اپنی کتابوں میں جگہ جگہ کیا ہے۔ جن میں سرفہرست کتاب دلائل النبوۃ ہے۔

عباس بن عبد المطلب کے خواب کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ حجت نہیں اور اس سے کوئی حکم وخبر ثابت نہیں۔ یہ محدثین ومورخین کے عمل اور ان کے طریقہ کے خلاف ہے۔ اس کا مقصد لوگوں کا ذہن منتشر کرنا ہے اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ جو عالم ومحقق کی شان کے خلاف ہے۔

معترضین کا یہ اعتراض کہ عباس بن عبد المطلب نے حالت کفر میں خواب دیکھا اور اس کی خبر دی ہے اور کفار کی شہادت وخبر مسموع ومقبول نہیں۔ یہ بھی باطل اور نامقبول ہے اس میں کوئی علمی وزن نہیں۔ کیونکہ کسی عالم نے خواب کو شہادت نہیں قرار دیا ہے بلکہ یہ تو ایک بشارت ہے اور اس میں دین وایمان کی کوئی شرط نہیں لگائی جاتی۔

اللہ تعالیٰ نے تو قرآن حکیم میں یوسف علیہ السلام کے اس معجزہ کا ذکر فرمایا ہے جو شہنشاہ مصر کے خواب سے متعلق ہے۔ اور شہنشاہ مصر بت پرست تھا کسی بھی آسمانی دین کا معتقد نہیں تھا۔ بت پرست ہونے کے باوجود اللہ نے اس کے خواب کو یوسف علیہ السلام کے فضل وشرف اور ان کی علامات نبوت کے طور پر ذکر کیا ہے۔ اگر اس خواب کا کوئی فائدہ نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کا ذکر ہی کیوں فرماتا کیونکہ یہ ایک بت پرست مشرک کا خواب ہے۔

یہ بھی کتنی عجیب بات کہی جاتی ہے کہ عباس بن عبد المطلب نے یہ خواب حالت کفر میں دیکھا اور کفار کی شہادت وخبر مسموع ومقبول نہیں۔ ایسا کہنے والے حضرات علم حدیث سے ناواقف ہیں کیونکہ کتب مصطلحات حدیث کا ضابطہ ہے کہ صحابی یا غیر صحابی حالت کفر میں حامل حدیث ہوا اور پھر اسے اسلام لانے کے بعد روایت کرے تو اس کی وہ حدیث مقبول بھی ہوگی اور اس پر عمل بھی کیا جائے گا۔ کتب مصطلحات حدیث میں اس کی بہت سی مثالیں مل جائیں گی۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

خاتمہ بالخیر

الحمدللہ ! جن مسائل میں اپنی فکر و رائے پیش کرنا چاہتا تھا وہ سب میں نے لکھ دیا۔ میری رائے اگر مبنی برحق و صواب ہے تو سبحان اللہ ! اور اگر کہیں کچھ نقص و خامی ہو تو میں ایک انسان ہوں اور ہر انسان سے صحیح اور غلط دونوں باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ اس کی بات مانی بھی جا سکتی ہے اور مسترد بھی کی جا سکتی ہے۔ البتہ ہمارے سید معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ایسی عظیم ہے کہ وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے بلکہ ان کی ہر بات وحی ربانی ہوتی ہے۔

جدال و خصومت اور کج فکری و کج بحثی سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں — بے فائدہ علم، نامقبول دعاء اور بے خشیت قلب سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں — ہر بدی و شر و فتنہ و بلاء و بدعت و کفر و شرک سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ ہر اس چیز سے اظہار برأت کرنا چاہتا ہوں جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار برأت فرمایا۔ اور ہر اس چیز کو مانتا ہوں جسے ماننے کا آپ نے ہمیں حکم دیا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ سے میری عاجزانہ دعا ہے کہ وہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے صراط مستقیم پر اسی طرح ثابت قدم رکھے۔ اقرار توحید و رسالت کے ساتھ بحالتِ ایمان و اسلام مجھے بلاد اللہ میں موت دے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دینے والے اہل ایمان اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ حق پر چلنے والے صحابہ کرام، تابعین عظام، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان رہنے کی مجھے سعادت عطا فرمائے۔

دعوت توحید و خبر دینے والے معزز حکام کو اللہ تبارک و تعالیٰ ہدایت و نصرت حق کی

توفیق مرحمت فرمائے ۔ اور خیر عباد و بلاد کے لئے ان کی اصلاح و دستگیری فرمائے آمین۔

والحمد لله رب العالمين وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين ۔

كتب ذلك بقلمه وقاله بفمه محمد بن علوى بن عباس المالكى مذهبًا — السلفى عقيدةً — المكى موطنًا — الحسنى نسبًا — عفا الله عنه خادم العلم بالحرمين الشريفين ۔

تحريراً بمكة المكرمة فى ربيع الاول سنة ١٤٠٤ من هجرة المصطفى صلى الله عليه وسلم ۔

تم الكتاب بعون الله الملك الوهاب ۔

حنفی مشکوٰۃ شریف
ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ
زجاجۃ المصابیح
مع اردو ترجمہ
نور المصابیح
تالیف
محدث دکن حضرت علامہ الحاج ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ
ترجمہ ونظر ثانی
مولانا علامہ محمد منیر الدین شیخ الادب (حیدر آباد دکن)
ڈاکٹر محمد عبدالستار خاں (حال امریکہ)
فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار لاہور